Marfat.com

مجالس الاحزان

دُرُود شریف

از افادات

مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

خلیفہ مجاز حضرت مدنی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

Marfat.com

Marfat.com

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سورۃ جن

تا

سورۃ مرسلت

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

Marfat.com

135369

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب ـــــــــــ معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ جن تا سورۃ مرسلٰت)

افادات ـــــــــــ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب ـــــــــــ الحاج لعل دین صاحب ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) شالامار لاہور

مطبع ـــــــــــ طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور

تعداد طباعت ـــــــــــ ایک ہزار

سرورق ـــــــــــ سید الخطاطین سید نفیس رقم مدظلہ

کتابت ـــــــــــ محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

طابع وناشر ـــــــــــ انجمن محبان اشاعت قرآن جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت ـــــــــــ ۲۵ روپے

تاریخ طبعت ـــــــــــ اکتوبر ۱۹۸۲ء

ملنے کے پتے

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مکتبہ حفیظیہ حمید مارکیٹ، مینا بازار، گوجرانوالہ

باہتمام و انتظام انجمن محبان اشاعت قرآن جامع مسجد نور مدرسہ نصرت العلوم نزد گھنٹہ گھر۔ گوجرانوالہ

Marfat.com

پیش لفظ

(از۔ محترم الحاج لعل دین صاحب ایم اے علوم اسلامیہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ

قرآن پاک کی تفسیر و تشریح اور توضیح گذشتہ چودہ صدیوں سے پیش کی جارہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اشاعت قرآن وسنت کا کام اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کے مصداق ہر زمان ومکان کے علماء وفقہاء سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ تا قیام قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

قرآن حکیم کا خود اپنا بیان ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ یعنی ہر خشک و تر چیز کا بیان اصولی طور پر مقدس کتاب میں موجود ہے۔ اب یہ متلاشیان حق کا کام ہے کہ حسب ضرورت اس باغ کی خوشہ چینی کرتے رہیں اور اپنے دلوں کو قرآن پاک کے علوم سے منور کرتے رہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْھَامُ الرِّجَالِ

تمام علوم کا ذخیرہ قرآن پاک میں موجود ہے مگر عام لوگوں کے ذہنوں کی اس تک رسائی نہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عام طالبان علم کو دعوت دی ہے کہ اگر انہوں نے کوئی علم حاصل کرنا ہے تو قرآن کریم میں غور وفکر کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر علم صحیح کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ فرماتے ہیں "مَنْ اَرَادَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فَلْیَتَدَبَّرْ فِی الْقُرْاٰنِ" (یعنی جو شخص اولین وآخرین کے علم سے واقف ہونا چاہتا ہے وہ قرآن میں تدبر کرے)

الغرض قرآن پاک علم وحکمت کا وہ خزینہ ہے جس میں غور وتدبر کرنیوالے کو ہر وہ چیز میسر آتی ہے جس کا وہ متلاشی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک کو چھوڑ کر نوع انسانی کبھی بھی منزل مراد تک نہیں پہنچ سکتی۔ علامہ اقبالؒ نے خوب کہا ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

ایک مسلمان کی زندگی محض قرآن سے وابستہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی زندگی نہیں۔ اگر اسے کامیابی کی ضرورت ہے تو اسے قرآن کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ ورنہ راہ ہدایت کی اساس وبنیاد سے بہرہ ور نہیں ہوسکے گا۔

اس بنیادی اصول کے پیش نظر مفسرین کرام اپنے اپنے زمانے میں قرآن پاک میں تدبر کرتے رہے ہیں اور پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرتے رہے ہیں۔ جب بھی ضرورت پیش آئی قرآن حکیم سے ہی راہنمائی حاصل ہوئی۔

Marfat.com

اب قرآن پاک کی ہزاروں تفسیریں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں۔ روزانہ درس قرآن کا سلسلہ بھی آجکل عام ہے شہروں اور قصبوں سے نکل کر دیہات تک پہنچ چکا ہے۔ بہت سے علماء کرام اپنے اپنے حلقہ اثر میں علم و عرفان کے موتی بکھیر رہے ہیں۔ اور راہ حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔

"معالم العرفان فی دروس القرآن" کا زیر نظر نسخہ بھی اس سلسلہ کی کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ صوفی عبدالحمید سواتی کی عمر دراز کرے اور انہیں صحت و تندرستی سے نوازے جو عرصہ اکتیس ۳۱ سال سے جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں درس قرآن و حدیث دے رہے ہیں اور موجودہ زمانے میں نت نئے ابھرنے والے مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کر کے تشنگان علم کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اگر کوئی متلاشی حق خالی الذہن ہو کر ان دروس کا مطالعہ کرے گا تو امید واثق ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی اس کو نظر آئے گی اور خدا تعالیٰ کے قرآن پاک کا مقصد و مدعا اس کو سمجھ آنے لگے گا ——

دروس القرآن کی غرض اصلی بھی یہی ہے۔ کلام پاک کے ساتھ ہر ایک مسلمان کا تعلق قائم ہو جائے۔ کسی انسان کی سعادت کی سب سے بڑی علامت یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو صحیح خطوط پر سمجھ کر اس کے مطابق اپنے فکر و عمل کی اصلاح کا پروگرام اخذ کر سکے اور اپنی ترقی و فلاح کا سر و سامان مہیا کر سکے۔ ماحول کی آلودگی اور مختلف افکار و آراء کا تضاد اور گمراہ فرقوں کی کثرت۔ تعصب و عناد کی فراوانی۔ مغربیت کی زہر آلود عریاں ذہنیت اور اشتراکی الحاد کی تباہ کاریوں کا سیلاب جہاں ہر طرف پھیلا ہوا ہو تو انسانی افکار و آراء کے اندر استقرار و سکون کی کیفیت کب پیدا ہو سکے گی۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی اسکی تفسیر و توضیح اور کلام پاک کے اولین سامعین صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ کا عمل و بیان سامنے ہو تو فلاح و سعادت کی راہ متعین ہو سکے گی۔ اسی لیے دروس القرآن میں ان سب باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب حضرات کی جو ان دروس کی اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں نجات کا ذریعہ بنائے اور سب کو سعادت دارین سے ہمکنار ہونا اور فائز المرام ہونا نصیب فرمائے۔ آمین

لعل دین (ایم اے علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن لاہور۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۸۲ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنہائے گفتنی

از:- محمد اشرف (فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم) ناظم کتب خانہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین۔ اما بعد

معالم العرفان فی دروس القرآن کی تیسری جلد سورۃ جن تا مرسلٰت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دروس کا یہ سلسلہ قرآن پاک کے معانی و مطالب کی حفاظت کا ایک پاکیزہ سلسلہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے پیش آمدہ جدید مسائل کا قرآن و سنت کے مطابق بہترین حل۔

دروس القرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے وہ دروس ہیں جو وہ نماز فجر کے بعد جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں ارشاد فرماتے ہیں جس میں عوام بھی شریک ہوتے ہیں اور خواص یعنی تعلیم یافتہ حضرات بھی۔

حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم ہندوستان کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا مفتی اعزاز علیؒ۔ شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور امام اہلسنت مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ وغیرہم اکابر و اساطین علم و حکمت کے تلامذہ میں سے ہیں۔ تلمذ کے علاوہ حضرت شیخ مدنیؒ سے سلسلہ بیعت و نسبت بھی ہے۔ اسی لیے ظاہری علوم کی طرح باطنی علوم سے بھی آپ کو مناسبت ہے۔

عرصہ اکتیس ۳۱ سال سے مدرسہ نصرت العلوم کے اہتمام کے ساتھ تدریس کے فرائض بھی برابر سرانجام دے رہے ہیں۔ درس نظامی میں پڑھائے جانے والے دیگر علوم و فنون کی مختلف کتابوں کے علاوہ حدیث شریف کی متعدد کتابیں سینکڑوں علماء و طلباء کو بار بار پڑھا چکے ہیں اور عرصہ اکتیس ۳۱ سال سے جامع مسجد نور میں خطابت کے علاوہ صبح کی نماز کے بعد درس بھی دیتے ہیں۔ اس مرتبہ سے قبل تقریباً چار پانچ دفعہ قرآن پاک صبح کے درس عام میں ختم ہو چکا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد ہونے والے اس درس میں چار دن قرآن پاک اور دو دن حدیث شریف کا درس ہوتا ہے۔ تمام صحاح ستہ، مشارق الانوار، الترغیب والترہیب، موطا امام مالک درس میں مکمل ختم ہونے کے بعد اب

Marfat.com

مسند احمد جلد اوّل کا درس شروع ہے حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم کی دیگر علوم وفنون کے علاوہ حدیث وتفسیر پر بھی گہری نظر ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ ولی اللّٰہی سے آپ کو خصوصی لگاؤ ہے۔ مسلمانوں کے لیے اپنے دل میں خلوص و سچی ہمدردی اور ان کی زبوں حالی اور پستی پر دردِ دل اور تڑپ رکھنے والے انسان ہیں۔ آپ کے مقاصد عظیم، اور فکر بلند ہے۔ ماضی کی تاریخ میں مسلمانوں کے عروج وزوال اور عصر حاضر میں مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل وحوادثات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کو دروس القرآن میں جہاں تفسیری نکات، فقہی مسائل اور غیر اسلامی نظامات حکومت سرمایہ داری سوشلزم کیمونزم وغیرہ باطل نظامات پر بے لاگ تبصرہ ملے گا اور ان کی بنیادی خرابیوں کی نشاندھی اور اسلام کے بنیادی عقائد کی توضیح، کفر وشرک وبدعات کا نہایت اچھے اور عام فہم انداز میں رد، اور عصر حاضر میں مسلمانوں کی معاشی، سیاسی، اقتصادی تعلیمی اور اخلاقی طور پر پستی اور تنزل اور اس کے اصلی اسباب ومحرکات کی واضح نشاندہی بھی ملے گی،

بڑی بڑی ضخیم تفسیروں کے متعدد صفحات پر پھیلے ہوئے مضامین کو مختصر مگر انتہائی عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاں جہاں واقعات اور قصص بیان ہوئے ہیں ان میں سے اکثر شروع سے آخر تک ایک جگہ بیان کر دیے گئے ہیں۔ ایک واقعہ کو مختلف جگہوں سے تلاش نہیں کرنا پڑتا۔ اور ذہن مشوش نہیں ہوتا۔ گویا قصص کا سلسلہ بھی مربوط ہے اور قصص کی غرض اصلی کو پوری طرح واضح کیا گیا ہے۔

خطبا۔ علماء، طلباء اور دیگر صاحب علم حضرات کے لیے جس طرح یہ دروس مفید ہیں اسی طرح عدیم الفرصت کاروباری وملازمت پیشہ حضرات کے لیے بھی ان کا مطالعہ انتہائی ضروری اور بے حد مفید ہوگا۔ یہ چونکہ عوامی دروس ہیں اس لیے ان میں لفظی بحثیں اور صرف ونحو کے قواعد کی بحث کم ملے گی بایں ہمہ کمزور طبقات کو اٹھا کر بلندی پر پہنچانے کے لیے یہ دروس مرہم دلہائے ریش کا کام دیں گے۔

دروس القرآن کا مطالعہ وقت کا ایک اہم ترین تقاضا بھی ہے۔ اس لیے کہ موجودہ زمانہ میں جہاں مسلمان اخلاقی اور عملی طور پر تباہ ہو رہے ہیں ——— وہاں علمی طور پر بھی مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عوام کی بات چھوڑیے ایسے خطباء کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے جن کو تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ علوم سے دور کا بھی واسطہ نہیں جن میں استعداد ہے ہی نہیں۔ عالمانہ وضع قطع جبہ قبہ، سریلی آواز چند غیر مستند حکایات اور نظموں کے کچھ مجموعوں کے علاوہ علم نام کی کوئی چیز بھی ان کے پاس

Marfat.com

نہیں۔ لیکن ممبر رسول پر بیٹھ کر قوم کی راہنمائی کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں، اور وعظ و نصیحت کے نام پر توحید و سنت سے دور کرنے، رسومات و بدعات و شرک کی ترویج کے درپے ہیں۔ جو تحریر و تقریر میں قرآن و سنت و سلف صالحین کے مزاج و طریق کی پابندی کرنے پر کسی طرح تیار نہیں، تفریق بین المسلمین۔ گروہ بندی۔ تعصب۔ مسلمانوں میں ایک دوسرے کے خلاف منافرت پھیلانا جن کا مشن ہے اور مسلمانوں کی تکفیر جن کا محبوب مشغلہ ہے۔

مسلمانوں کی رہی سہی عقیدے کی دولت جس پر نجات آخرت کی مدار ہے کہ دنیوی زندگی نہ سہی چلو بالآخر آخرت ہی بہتر ہو جائے۔ مشائخ طریقت اور بزرگان دین کے نام کی آڑ لے کر وہ بھی ان سے چھیننے کی کوشش کی جا رہی ہے حالانکہ مشائخ طریقت یا بزرگان دین و سلف صالحین نے ہمیشہ ان باطل عقائد سے برأت ظاہر کی ہے لیکن عوام چونکہ سادہ لوح اور سطحی ذہن کے مالک ہوتے ہیں، اپنی اس سادگی کی وجہ ان کی عالمانہ وضع قطع آواز کا اتار و چڑھاؤ اور غلط پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر رسومات و بدعات کو کار خیر سمجھنے لگتے ہیں ایسے دور کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

یوشك ان یاتی علی الناس زمان	قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آجائے گا کہ اسلام کے نام
لا یبقی من الاسلام الا اسمه ولا	کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور قرآن کے نقوش ہی رہ جائیں
یبقی من القرآن الا رسمه مساجد	گے ان کی مساجد آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہونگی
هم عامرة وهی خراب من الهدی	ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے سب سے برے لوگ ہونگے
علماؤهم شر من تحت ادیم السماء	ان میں سے فتنے نکلیں گے اور ان میں ہی لوٹ کر آئینگے
من عندهم تخرج الفتنة وفیهم	
تعود۔ (بیہقی شعب الایمان)	

لہذا قرآن و سنت کی صحیح تعلیمات سے آگاہ ہونے کے لیے بھی دروس القرآن کا ہر گھر اور لائبریری میں موجود ہونا وقت کا ایک اہم ترین تقاضا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا تمام مواد سلف صالحین اور علمائے محققین کے فہم و مزاج کے موافق ہے۔

اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ ان لوگوں کی خود بخود تردید ہو جائے گی۔ جو مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ یا اس کے پراپیگنڈے سے مرعوب ہیں یا اپنے کسی بھی حقیر جذبے کو تسکین دینے کے لیے جدت اور تحقیق کے نام پر قرآن پاک کے معانی و مطالب میں تحریف کی کوششیں کرتے ہیں اور سلف صالحین کے طریق سے ہٹ کر اسلام

Marfat.com

کی نئی نئی تعبیریں کرتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل کے خود رو مفسرین کا شیوہ ہے اور ان کی تفسیروں میں دیکھنے میں آرہا ہے۔ جن کو نہ قرآن وسنت سے گہرا لگاؤ ہے اور نہ ہی ماہر اساتذہ کے سامنے زانو تلمذ طے کئے ہیں۔ نہ حصول علم کے لیے کچھ عرق ریزی کی ہے۔ محض ادیب ہیں یا صرف مغربی طرز تعلیم کے کالجوں، یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم رہے ہیں اور اب قرآن پاک کی تفسیر وتشریح کرنے پر کمربستہ ہوگئے ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح طور پہ فرمان موجود ہے۔

فَافْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا کہ وہ بغیر علم کے مسائل بتائیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(بخاری ص۔ مسلم ص۔)

حسب سابق اس حصہ میں بھی دروس القرآن کو کیسٹ سے کاغذ پہ منتقل کرنے کا کام محترمی ومکرمی جناب الحاج لعل دین ایم اے علوم اسلامیہ نے کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ عنوانات پہ نہایت مفید سرخیاں بھی قائم کی ہیں سرخیوں کو ایک جانب حاشیے پہ لکھا گیا ہے تاکہ دروس کا تسلسل اور اصل دروس سے امتیاز قائم رہے۔

دروس القرآن چونکہ مستقل تصنیف تو ہے نہیں بلکہ دروس کو کیسٹ سے کاغذ پہ منتقل کیا گیا ہے اس لیے اس میں کتابوں کے حوالجات اور صفحات لکھنا تو ضروری نہیں۔ تاہم اہل علم حضرات کی سہولت کے لیے راقم الحروف نے اکثر وبیشتر مقامات پہ نیچے حاشیے میں کتابوں کا نام اور صفحہ نمبر لکھ دیا ہے تاکہ اگر کوئی اصل کتاب اور ماخذ کی طرف رجوع کرنا چاہے اسے آسانی رہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ یہ سلسلہ مفید ثابت ہوگا۔

دروس کے شروع میں آیات کے بعد درج شدہ ترجمہ حضرت صوفی صاحب مدظلہ کا اپنا ترجمہ ہے۔ آپ

آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے جملہ حضرات کی بخشش کا ذریعہ بنائے اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین :۔

فقط محمد اشرف (فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم)
ناظم کتب خانہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
(۱۷ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ ۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ
سورۃ الجن	۱۷
درس اوّل (آیت ۱ تا ۵)	۱۹
کوائف سورۃ	//
لفظ جنّ کا معنیٰ	۲۰
جنات کی حقیقت	//
مخلوق کی مختلف قسمیں	//
جنات بھی حضور علیہ السلام کے امتی ہیں	۲۲
سابقہ سورۃ سے ربط	۲۳
طائف کا تبلیغی سفر	۲۴
جنات کا واقعہ کہاں پیش آیا	۲۵
جنات کا قرآن پاک سن کر ایمان لانا	۲۶
قرآن پاک عجیب کتاب ہے	//
اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک ہے	۲۸
درس دوم (آیت ۶ تا ۱۵)	۳۰
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	۳۱
جنات سے استعاذہ	//
استعاذہ کا باطل طریقہ	۳۲
استعاذہ کا صحیح طریقہ	//
قیامت کا انکار	۳۴
جنات پر سختی	۳۵
جنات میں فرقہ بندی	//
جنات کی حق شناسی	۳۶
نیک و بد جنات	۳۷
درس سوم (آیت ۱۶ تا ۲۳)	۳۸
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے انعامات	۳۹
یاد الٰہی سے اعراض کرنے والوں کے لیے وعید	۴۱
مساجد میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت	//
آداب مسجد	۴۲
غیر اللہ کے لیے رکوع بھی جائز نہیں	۴۳
بزرگوں کی قبروں کے ساتھ معاملہ	//
مستحق عبادت صرف اللہ ہے۔	۴۴
عبداللہ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں	۴۵
حضور علیہ السلام کا اعلان توحید	//
نفع اور نقصان نبی کے اختیار میں نہیں ہے	۴۶
محاسبے کے عمل سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں	۴۷

نبی کا کام پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے	۴۸
درس چہارم (آیت ۲۴ تا ۲۸)	۴۹
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
نصرت الٰہی ہی کامیابی کی دلیل ہے	۵۰
انعقاد قیامت کا وقت نبی کے علم میں نہیں تھا	۵۱
سزا کا مقررہ وقت بھی اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے	۵۲
علم غیب خاصۂ خداوندی ہے	//
انبیاء علیہم السلام کا علم ابنائے غیب ہوتا ہے۔	۵۳
انبیاء علیہم السلام کے عطائے علم کی حقیقت	۵۴
نبی اور رسول میں فرق	۵۵
انبیاء کو تمام شرعی علوم سے نوازا جاتا ہے	//
شعر گوئی منصب نبوت کے خلاف ہے	۵۶
دنیوی علوم منصب نبوت سے خارج ہیں	//
علم غیب کا باطل عقیدہ	۵۷
نبی کا علم محدود ہوتا ہے	//
انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے علم میں فرق	۵۸
محیطِ کل اللہ کی ذات ہے	۵۹
سورۃ المزمل	۶۱
درس اوّل (آیت ۱ تا ۹)	۶۲
آیات اور ترجمہ	//
کوائف اور مضامین	//
زمانہ نزول	۶۳
اسلام کا انقلابی پروگرام	۶۳
انقلاب کے لیے معیاری تربیت کی ضرورت ہے	۶۴
لفظ مزمل کے معانی	۶۵
قیام الیل کا حکم	//
قیام الیل کی فضیلت	۶۶
ترتیل قرآن	//
قیام الیل تعلق باللہ کا ذریعہ ہے	۶۷
ثقل قرآن	//
قیام الیل کی حکمت	۶۸
ذکر الٰہی کے ذریعے تجلی الٰہی سے تعلق قائم ہوتا ہے	۶۹
باطل قوتوں کے مقابلہ میں جماعت حقہ	//
معبود اور کارساز اللہ کی ذات ہے	۷۰
درس دوم (آیت ۱۰)	۷۲
آیت اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
صبر کی تلقین	۷۴
صبر کے تین مادے	۷۵
مخالفین کی الزام تراشیاں	۷۶
مخالفین کی ایذا رسانیاں	//
مخالفین سے قطع تعلقی	۷۷
جماعتی تنظیم کی اہمیت	۷۸
درس سوم (درس سوم (آیت ۱۱ تا ۱۴)	۸۰
آیات اور ترجمہ	//

گذشتہ سے پیوستہ	۸۰
مکذبین کے لیے مہلت	//
اولی النعمۃ کی تفسیر	۸۱
دولت مند ہر زمانے میں اولین مکذبین رہے ہیں	//
اولین متبعین غریب لوگ ہوتے ہیں۔	۸۲
سرمایہ پرستانہ ذہنیت	//
حقوق العباد	۸۳
انسان کے بنیادی حقوق	۸۵
ظلم کا سدباب	۸۶
انسانی ہمدردی کا پروگرام	۸۷
مکذبین کے لیے سزا	//
درس چہارم (آیت ۱۵ تا ۱۹)	۸۹
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
شاہد رسول	//
موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت	۹۰
جماعتی تنظیم کی ضرورت	۹۱
قومی اور بین الاقوامی نبی	۹۲
غلبہ اسلام بذریعہ اسلامی فتوحات	//
ارتکاز دولت	۹۴
سود کی ممانعت	//
فرعون کی ہلاکت	۹۵
دوزخیوں کی غالب اکثریت	۹۶
قرآن پاک نصیحت ہے	۹۶
درس پنجم (آیت ۲۰ تقریباً نصف آیت)	۹۸
آیات اور ترجمہ	//
کیا نماز تہجد فرض ہے؟	//
قیام لیل کی تصدیق	۹۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا انقلابی کردار	۱۰۰
نماز تہجد میں تخفیف	//
قیام لیل شیوہ سلف صالحین ہے۔	۱۰۱
شیطانی وسوسہ	//
مطلق قرات فرض ہے	۱۰۲
تخفیف کی وجوہات	//
فرضیت جہاد	۱۰۳
درس ششم (بقیہ آیت ۲۰)	۱۰۴
آیت اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
نماز پنجگانہ کی فرضیت	۱۰۴
زکوٰۃ کی فرضیت	۱۰۵
نماز کی برکات	۱۰۶
قرض حسن	//
امام اعظمؒ کا تقویٰ	۱۰۷
قرض حسن کا دوہرا اجر	//
قرض کے لین دین میں مشکلات	۱۰۸
سود قطعی حرام ہے	//

Marfat.com

نیکی کا اجرِ عظیم	۱۰۹
استغفار کی برکات	//
سورۃ المدثر	۱۱۱
درس اول (آیت ۱ تا ۴)	۱۱۲
آیات اور ترجمہ	//
کوائف سورۃ	//
زمانہ نزول	//
وجہ تسمیہ	۱۱۳
پہلی منزل ۔ ذاتی تکمیل	۱۱۴
قول و فعل میں مطابقت	۱۱۵
دوسری منزل ۔ اصلاحِ عالم	۱۱۶
رب کی بڑائی	۱۱۷
لباس کی پاکیزگی	۱۱۸
ماحول کی پاکیزگی	۱۱۹
خوراک کی پاکیزگی	//
درس دوم (آیت ۵ تا ۱۰)	۱۲۰
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
اخلاق کی پاکیزگی	//
ظاہری طہارت	//
باطنی طہارت	۱۲۱
گندگی سے پرہیز	//
احسان	۱۲۲
دین کا خلاصہ	۱۲۳
ظلم کی بیخ کنی	//
صبر کی تلقین	۱۲۴
قیامت کی ہولناکیاں	۱۲۵
درس سوم (آیت ۱۱ تا ۲۵)	۱۲۶
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
سابقہ سورۃ سے مطابق	۱۲۷
ولید ابن مغیرہ	۱۲۸
مال کی کثرت	//
ولید کے بیٹے	۱۲۹
مال و دولت کی حرص	۱۳۰
ولید کی بدبختی	۱۳۱
اسلام کے خلاف پراپیگنڈا	۱۳۲
درس چہارم (آیت ۲۶ تا ۳۱)	۱۳۴
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
مکذبین کے لیے سزا	۱۳۵
سقر کی حقیقت	//
سزا کے لیے انیس فرشتے	۱۳۶
انیس کی حکمت	۱۳۷
انسانی مشین کو چلانے والے فرشتے	۱۳۸
شاہ ولی اللہؒ کی توجیہ	۱۳۹
انیس کا عدد ایمان کی آزمائش کے لیے ہے	۱۴۳
یہ انسانوں کے لیے باعث نصیحت ہے	۱۴۶

درس پنجم (آیت ۳۲ تا ۴۲	۱۴۷
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
اسلام کی کامیابی پہ گواہی	۱۴۸
اسلام کا سیاسی غلبہ	//
اسلام کی روشنی	۱۴۹
جہنم کی ہولناکی	//
تاریخ انسانی کا بڑا واقعہ	۱۵۰
پوری نوع انسانی کے لیے دعوت	۱۵۱
دین کے لیے قربانی	//
اعمال کی جزا و سزا	۱۵۲
درس ششم (آیت ۴۳ تا ۴۸)	۱۵۴
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
اصحاب الیمین کا دوزخیوں سے سوال	//
جرم کے بغیر سزا نہیں دی جاتی	۱۵۵
دوزخیوں کا جواب	۱۵۶
نماز کی اہمیت	//
نماز کے ذریعے تعلق باللہ	۱۵۷
نماز کے دنیوی فوائد	۱۵۸
قرآن پاک کا کل عالمی پروگرام	//
مساکین کو کھانا کھلانا	۱۵۹
بیہودہ باتوں میں شمولیت	۱۶۰
انکار آخرت	//
محاسبے کا تصور	۱۶۰
شفاعت کا تصور	۱۶۱
درس ہفتم (آیت ۴۹ تا ۵۶)	۱۶۲
آیات اور ترجمہ	//
گذشتہ سے پیوستہ	//
نصیحت سے اعراض	//
قرآن پاک یاد دہانی کراتا ہے	۱۶۳
اعراض کی وجوہات	//
کفار کی ہٹ دھرمی	۱۶۴
ہر شخص پہ کتاب نہیں اتاری جاتی	//
ہدایت کا مدار طلب پر ہے	۱۶۵
اہل تقویٰ اور اہل مغفرت	//
سورۃ القیمۃ	۱۶۹
درس اول (آیات ۱ تا ۱۵)	۱۷۰
کوائف اور مضامین	۱۷۱
پہلی سورۃ کے ساتھ ربط	//
لفظ لا کی تشریح	۱۷۲
نفس کی تین حالتیں	۱۷۳
بعث بعد الموت	۱۷۴
وقوع قیامت	۱۷۵
اعمالنامہ پیش کیا جائے گا۔	//
درس دوئم (۱۶ تا ۳۰)	۱۷۶
گذشتہ سے پیوستہ	//

حفاظت قرآن کی ذمہ داری	۱۷۷
وقوعِ قیامت اور حفاظت قرآن میں مناسبت	//
قبولِ ہدایت میں جلدی کی خواہش	۱۷۸
حفظِ قرآن کے ذرائع	۱۷۹
تشریح قرآن کے ذرائع	۱۸۰
حُبِ دنیا یا حُبِ آخرت	//
رؤیت الٰہی	۱۸۱
منکرین قیامت کی مایوسی	۱۸۲
راق کا مفہوم	//
مجرمین کی زندگی کے آخری لمحات	۱۸۳
درس سوئم (آیات ۳۱ تا ۴۰)	۱۸۴
گذشتہ سے پیوستہ	//
صدق کا مفہوم	۱۸۵
صدقہ اور نماز کی اہمیت	۱۸۶
تکذیب اور اعراض	۱۸۷
منکرین کی اکڑ	//
منکرین کی ہلاکت	//
قیامت کے روز لازماً باز پرس ہوگی۔	۱۸۸
انسان کی تخلیق حقیر قطرۂ آب سے	//
انسانی نشوونما کے مختلف مدارج	۱۸۹
مقام غور و فکر	۱۹۰
سورۃ الدھر	۱۹۱
درس اوّل (۱ تا ۶)	۱۹۲
وجہ تسمیہ	۱۹۲
کوائف	۱۹۳
موضوع اور پہلی سورۃ کے ساتھ ربط	//
فضیلت سورۃ	۱۹۴
انسان کی حیثیت	۱۹۵
انسانی جسم کے عناصر	۱۹۶
مقصدِ تخلیق انسانی	//
انسان کے لیے ہدایت کی فراہمی	۱۹۸
اشرار کا انجام	۲۰۰
ابرار کے لیے انعامات	//
درس دوئم (آیات ۷ تا ۱۲)	۲۰۲
گذشتہ سے پیوستہ	//
ابرار کی صفات	۲۰۳
نذر کا معنیٰ	//
نذر کا مسئلہ	۲۰۴
ناجائز اور حرام منت	//
جائز منت	۲۰۵
ابرار کی پہلی صفت۔ نذر پورا کرنا	//
دوسری صفت ۔ خوفِ آخرت	۲۰۶
تیسری صفت ۔ کھانا کھلانا	//
مسکین	۲۰۷
یتیم	//
اسیر	//

Marfat.com

اطعام الطعام وسیع معنوں میں	۲۰۸
چوتھی صفت	۲۰۹
خالص اللہ کی رضا کی طلب	
خوفِ خدا اور اس کے بدلے انعامات	//
درس سوئم (آیات ۱۳ تا ۲۲	۲۱۱
گذشتہ سے پیوستہ	۲۱۲
ابرار تختوں پر بڑے آرام سے بیٹھنے والے ہونگے	//
دھوپ اور سخت سردی سے محفوظ ہوں گے	۲۱۳
اُن پر سایہ ہوگا	//
اُن پر پھل جھکے ہوئے ہوں گے	۲۱۴
چاندی کے برتن	//
زنجبیل کے مشروب	۲۱۵
خدمت گار بچے	۲۱۶
ملک اور حکومت	//
روحانی نعمتیں	۲۱۷
ریشمی لباس	//
چاندی کے کنگن	۲۱۸
جزائے عمل	//
درس چہارم (آیات ۲۳ تا ۲۷)	۲۱۹
گذشتہ سے پیوستہ	//
تنزیلِ قرآن	۲۲۰
بتدریج نزول کی حکمت	۲۲۱
قرآن پاک ذریعہ ہدایت ہے	۲۲۲
حدیث، قرآن پاک کی تشریح ہے	//
اشاعتِ قرآن انسانی فریضہ ہے	۲۲۳
تکالیف پر صبر کریں	//
منکرین کی بات نہ مانیں	۲۲۴
صبح وشام ذکر الٰہی	//
دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔	۲۲۸
درسِ پنجم (آیات ۲۸ تا ۳۱)	۲۲۹
گذشتہ سے پیوستہ	//
اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے	۲۳۰
انسانی جسم کی جوڑ بندی	۲۳۱
انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے	//
بعث بعد الموت	۲۳۲
بُرے لوگوں کے بدلے اچھے لوگ	//
انسانی شکلوں کی تبدیلی	۲۳۳
قرآن پاک یاد دہانی ہے	۲۳۴
غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے	۲۳۵
قرآن پاک کا خلاصہ	۲۳۶
انسان کا اختیار اور اضطرار	//
نیک وبد کا انجام	۲۳۷

Marfat.com

سورۃ المرسلٰت	۲۳۹
درس اول (آیات ۱ تا ۱۵)	۲۴۰
وجہ تسمیہ، نزول اور کوائف	۲۴۱
موذی جانور کو مارنے کا حکم	//
حضرت عبداللہؓ اور حضرت عباسؓ	۲۴۲
ام فضلؓ	//
اگلی اور پچھلی سورتوں کا آپس میں ربط	۲۴۳
سورۃ کا موضوع	۲۴۴
مختلف اعتبارات سے قیامت کا ذکر	//
ہوا کی اہمیت	//
ہوا کے عناصر	۲۴۵
ہوا کے خواص	۲۴۶
ہوا اور قیامت میں باہمی ربط	۲۴۷
تند و تیز ہوائیں	//
آیات کا مفہوم ایک دوسرے انداز سے	//
عذر کا ارتفاع	۲۴۸
وقوع قیامت	//
یوم الفصل	۲۴۹
درس دوئم (آیات ۱۶ تا ۴۰)	۲۵۰
تکذیب کا مفہوم	۲۵۱
ہلاکت کی مختلف صورتیں	//
پیدائش کے مختلف مدارج	۲۵۲
زمین کے فوائد	۲۵۳
مردے کو دفن کرنا فطرت کے عین مطابق ہے	۲۵۴
جنات کے شر سے حفاظت	۲۵۵
پہاڑوں کے فوائد	//
میٹھا پانی نعمت ہے	//
تین شاخوں والا سایہ	۲۵۶
یوم الفصل	۲۵۷
درس سوئم (آیات ۴۱ تا ۵۰)	۲۵۹
متقین کے لیے انعامات	//
سلسلے کا مفہوم	۲۶۰
مکذبین کی مذمت	۲۶۱
یہ لوگ بے نماز تھے	//
رکوع اور سجدے کی حقیقت	۲۶۲
قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے۔	۲۶۳

سورۃ الجن

Marfat.com

Marfat.com

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ جن مکی ہے اور یہ اٹھائیس آیتیں اور اس سورۃ میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے قرآن پاک سنا۔ تو کہنے لگے، ہم نے تو بڑا عجیب قرآن پاک سُنا ہے ﴿۱﴾ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے ﴿۲﴾ اور بے شک ہمارے رب کی شان بلند ہے۔ نہیں بنائی اس نے اپنے لیے کوئی بیوی اور نہ اولاد ﴿۳﴾ ہم سے بے وقوف شخص اللہ پر بڑی زیادتی کی بات کہا کرتا تھا ﴿۴﴾ اور ہم گمان کرتے تھے کہ انسان اور جن سارے کے سارے خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولیں گے ﴿۵﴾

کوائف سورۃ

اِس سورۃ کا نام سورۃ جن ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق جن، اُن کے عقائد اور ہدایت قبول کرنے کا ذکر ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی، اس کی اٹھائیس ۲۸ آیات، دو ۲ رکوع،

Marfat.com

دو صد پچاسی[۲۸۵] الفاظ اور آٹھ سو ستر[۸۷۰] حروف ہیں۔ پہلی سورۃ کی طرح اس کا موضوع بھی بنیادی عقائد ہیں، جن میں سب سے زیادہ توحید ہے۔ اس کے بعد قیامت اور رسالت کا بیان ہے۔ قرآن پاک کا کلام الٰہی اور برحق ہونا بھی اس کے موضوع میں شامل ہے۔

لفظ جن کا معنی

جن کا لفظی معنی پوشیدہ یا مستور ہے، یعنی وہ چیز جو مستور ہو۔ اسے جن کہتے ہیں۔ جن کے مادے سے کئی ایک چیزیں مشتق ہیں۔ مثلاً جنت کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے گنجان اور گھنے درختوں سے اس میں موجود چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس کا مادہ جن ہی ہے۔ اسی طرح لفظ جنون بھی اسی مادہ سے ہے۔ یہ بھی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ پوشیدہ کر دیتا ہے۔

جنات کی حقیقت

جن اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے۔ نگاہوں سے مستور ہے، نظر نہیں آتی۔ مگر شکل تبدیل کرنے کے بعد نظر بھی آتی ہے۔ جنات چونکہ انسانوں اور حیوانات سے زیادہ لطیف ہیں، اس لیے اس جہاں میں یہ پوشیدہ ہیں۔ عالم دنیا کے اختتام پر اگلے جہان میں یہ سب چیزیں نظر آئیں گی، کیونکہ اُس جہان میں انسانی قوتوں میں بھی بہت زیادہ لطافت پیدا ہو جائے گا۔ ملائکہ تو جنوں سے بھی زیادہ لطیف مخلوق ہے۔ اگلے جہان میں ان کا بھی مشاہدہ ہو سکے گا۔

مخلوق کی مختلف قسمیں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق کی مختلف قسمیں ہیں، کسی میں عقل غالب ہے تو کسی میں وہم کا مادہ زیادہ ہے کسی مخلوق میں باقی صفات کی نسبت شہوت اور غضب غالب ہے۔ اور کوئی مخلوق معجون مرکب ہے کہ اس میں ساری صفات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ ملائکہ:۔ ملائکہ وہ مخلوق ہے، جس میں دیگر صفات کی نسبت عقل غالب ہے۔ اس میں شہوت کا مادہ بالکل نہیں۔ اگر غضب بھی ہے تو وہ مغلوب ہے۔ اُس پر عقل غالب ہے۔ ملائکہ میں عقل و فہم اور علم کی فراوانی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[۲] کہ ملائکہ کی سات قسمیں ہیں۔ سب سے عالی ملائکہ حاملین عرش ہیں اس کے بعد اُن فرشتوں کا نمبر ہے جو حَافِّيْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ یعنی عرش الٰہی کے گرد گھومنے والے ہیں پھر وہ فرشتے ہیں جو آسمانوں کے اوپر ہیں۔ اُن میں ہفت آسمان کے ملائکہ کا نمبر ہے۔ اس کے بعد فضا والے ملائکہ آتے ہیں اور اس کے بعد زمین والے۔ ان میں بھی کئی طبقات ہیں۔ یہ ملائکہ

---

[۱] تفسیر عزیزی فارسی پ ۲۹ ص ۱۴۱ [۲] الخیر الکثیر ص ۴۶، ۴۷ مطبوعہ اکوڑہ خٹک

Marfat.com

سفلیہ کہلاتے ہیں اور عالم بالا میں رہنے والے ملاء الاعلیٰ کہلاتے ہیں۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہے۔ جس کا مادۂ تخلیق بہت ہی لطیف ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں[1] کہ درجہ اول کے ملائکہ کا مادہ ایسا ہے۔ جیسے وہ آگ جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوہِ طور کے ایک درخت پر ظاہر ہوئی تھی۔ وہ نار تھی یا حجابِ ناری تھا یا کیا چیز تھی۔ وہ روشن آگ کی طرح تھی، مگر جلانے والی آگ نہیں تھی۔ آگ درخت پر ظاہر ہوئی، جوں جوں وہ زیادہ روشن ہوتی جاتی تھی درخت کی سرسبزی بڑھتی جاتی تھی۔ درجہ اوّل کے ملائکہ کا مادہ اس سے بھی لطیف تر نورانیت ہے۔ البتہ جو ملائکہ ان سے کم تر ہیں یعنی عالمِ مثال کے ملائکہ تو اُن کا مادہ تخلیق کم تر ہے

الغرض یہ ایسی مخلوق ہے جس پر عقل غالب ہے۔ وہ اطاعت ہی کرتے ہیں۔ اُن میں معصیت کا مادہ ہی نہیں ہے۔ وہ ہر لحاظ سے کامل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں کمال کے اندر پیدا کیا ہے۔

۲۔ **جنات** :۔ دوسری[2] قسم کی مخلوق وہ ہے، جس پر باقی صفات کی نسبت وہم غالب ہے۔ یہ جنات ہیں، جن کا مادہ تخلیق آگ اور ہوا ہے۔ لہذا یہ انسان اور حیوانات کی نسبت زیادہ لطیف ہیں اس لیے نظر بھی نہیں آتے جس طرح اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ شکل تبدیل کر سکتے ہیں، اسی طرح جنات بھی جس شکل میں چاہیں متشکل ہو جائیں۔ انسان کی شکل میں آسکتے ہیں جانور کی شکل میں آسکتے ہیں۔ کیڑے مکوڑوں، درندوں حتیٰ کہ سانپ کی شکل میں بھی آسکتے ہیں۔ مادۂ تخلیق کے متعلق قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ اور جنوں کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا کیا۔ شعلہ میں ہوا بھی شامل ہے۔ لہذا جنات کے مادہ تخلیق میں آگ اور ہوا دو چیزیں شامل ہیں۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں[3] آدم کے دور سے پہلے زمین پر جنات کا دور تھا، جنات سے پہلے جن اور بن اللہ کی کوئی مخلوق تھی۔ اُن کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ لیکن تصریح نہیں ہے کہ جن اور بن کیسی کیسی مخلوقات تھیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایسا انسان بڑا حکیم ہوگا جو صرف ایک دور کی بات کو سمجھ سکے یعنی آدم علیہ السلام کے دور کی۔ دوسرے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶ ج ۱ [2] تفسیر عزیزی ص ۱۴۱ پ ۲۹ [3] البدایہ والنہایہ ص ۵۵ ج ۱

Marfat.com

ادوار کے حالات نہ تو کسی کتاب میں منقول ہیں، نہ کسی پر ظاہر کیے گئے ہیں، لہٰذا انہیں کوئی آدمی نہیں جان سکتا۔ بہرحال اس زمین پر کوئی قوم جن اور بن آباد تھی، اس کے بعد جنات کا زمانہ آیا، پھر آدم علیہ السلام کا دور آیا۔ جب یہ دور ختم ہوگا تو قیامت واقع ہوگی۔

الغرض جنات ایک ایسی مخلوق ہے، جس پر وہم غالب ہے۔ اور وہم ایسی کمزور چیز ہے جس کی وجہ سے جنات میں چھچھورے پن اور دیگر مختلف قسم کی حرکات پائی جاتی ہیں۔

۳۔ **حیوانات** :۔ حیوانات میں شہوت اور غضب کا مادہ غالب ہے۔ اور ان کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ اگر غضب اور سبعیت غالب ہوگی تو درندہ ہے۔ اگر خفت ہوگی تو پرندہ ہے۔ اور اگر محض کھانے پینے اور جفتی کی صفت غالب ہے تو بہیمہ ہوگا جیسے عام جانور ہوتے ہیں۔

۴۔ **انسان** :۔ اللہ تعالیٰ کی چوتھی مخلوق معجونِ مرکب ہے، اس میں ساری صفات پائی جاتی ہیں اور وہ انسان ہے۔ اس میں وہم، عقل، شہوت، بہیمیت، ملکیت سب موجود ہیں اور انسان ان تمام صفات کا جامع ہے۔

الغرض اس سورۃ میں رب العزت نے جنات کی مخلوق کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ یہ مخلوق بھی اس کی صفات کا مظہر ہے۔ اور پھر ان جنات کی بھی مختلف قسمیں ہیں جیسا کہ سورۃ کی بعض آیات سے واضح ہوتا ہے۔ اور ان کے کام بھی مختلف ہیں۔ جنات عموماً ہوا اور فضاء میں رہتے ہیں۔ بعض زمین پر بھی رہتے ہیں اور ویسے ہی کام کرتے ہیں جیسے انسان کرتے ہیں۔ کوئی مزدوری کرتا ہے، کوئی کاشتکاری کرتا ہے۔ کوئی جانوروں کا سلسلہ کرتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جسطرح انسان کرتے ہیں۔

جنات بھی حضور علیہ السلام کے امتی ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت چونکہ عام ہے، اس لیے انسانوں کی طرح جنات بھی آپ کی امت میں داخل ہیں۔ آپ جنات کی طرف بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی اور مدنی زندگی میں چھ مواقع پر آپ جنات کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ان میں ایک واقعہ سفر کا ہے، ایک جنت البقیع کے قریب کا۔ بعض واقعات مکی زندگی کے ہیں۔ بعض اوقات قرآن کریم اور دین کی تعلیم کے لیے ساری ساری رات آپ نے جنات کے ہاں گزاری۔

135369

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں[1]۔ کہ ایک رات حضور علیہ السلام مجھے ہمراہ لے گئے آپ نے ایک جگہ لکیر کھینچ کر مجھے اُس کے اندر بٹھا دیا اور حکم دیا کہ اس لکیر سے باہر نہیں نکلنا۔ فرمایا اس لکیر سے اندر تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، جو بھی آئے گا، اس لکیر تک ہی آئے گا، اس کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام تشریف لے گئے اور ساری رات جنات کو تلقین کرتے رہے۔ رات کے بالکل آخری حصے میں آپ واپس تشریف لائے اور پھر تھوڑی دیر کے لیے وہیں لیٹ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مختلف قسم کی شکلیں آتی تھیں کوئی ایسے آدمی آتے تھے جیسے ہندوستان کے جاٹ ہوتے ہیں۔ بالکل ویسی وضع قطع کے۔ کوئی کسی اور شکل میں۔ اُس لکیر کے گرد گھوم گھام کر چلے جاتے تھے اور میں اُس لکیر کے اندر ہی رہا۔

اِس قسم کے اور بھی واقعات ہیں۔ یہاں صرف اس ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔ مجموعی طور پر حضور علیہ السلام نے چھ مرتبہ[2] جنات کو تعلیم دی۔

سابقہ سورۃ سے ربط

اِس سورۃ کا سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط یہ ہے۔ کہ سورۃ نوح میں اللہ تعالےٰ نے نوح علیہ السلام ـــــ اور آپ کے ماننے والوں کو مخالفین کی ایذا رسانی پر صبر کی تلقین کی تھی اور تسلی دی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تکالیف کا حال بیان کر کے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو برداشت کی نصیحت کی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین تباہ و برباد ہوئے اس کا مقصد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتلانا تھا۔ کہ جس طرح حضرت نوح کی قوم مخالفت کی وجہ سے تباہ ہوئی، اسی طرح اگر مشرکین عرب بھی آپ کی مخالفت پہ ڈٹے رہے تو اُن کا حشر بھی قومِ نوح سے مختلف نہ ہوگا، اس طرح گویا حضور علیہ السّلام کو اور آپ کے ماننے والوں کو تسلی دی گئی۔

اِس سورۃ میں جنات کا قرآنِ پاک سُن کر ایمان لانے کے واقعہ کو بیان کر کے اللہ تعالےٰ نے یہ بات اشارۃً سمجھائی ہے۔ کہ جنات غیر جنس اور غیر قوم ہو کر جب تعصب سے خالی الذہن ہو کر کلام الٰہی کو سنتے ہیں تو وہ بھی ایمان قبول کر لیتے ہیں۔ مگر مکے والے حضور علیہ السلام

---

[1] ترمذی ص۴۰۵ ابواب الامثال [2] اکام المرجان ص۵۳

Marfat.com

کی قوم، برادری اور ہم زبان ہو کر قرآنِ کریم کو سنتے ہیں، سمجھتے بھی ہیں، مگر تعصب، ضد اور عناد کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں۔ تو گویا اس سورۃ کا پہلی سورۃ کے ساتھ ربط یہ ہے۔ کہ جس طرح نوح علیہ السّلام کی قوم انسان ہونے کے باوجود آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتی تھی، اسی طرح حضور علیہ السلام کی قوم بھی آپ کا انکار کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے کہ اُن کو بھی ہدایت دے دے جو نہ ہم قوم ہیں، نہ ہم زبان ہیں، نہ ہم جنس۔ ایک یہ مکے والے ہیں کہ یہ بھی اگر تعصب سے الگ ہو کر اور خالی الذہن ہو کر قرآن کو سنتے تو ان کو بھی ہدایت نصیب ہوتی۔

طائف کا تبلیغی سفر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنہ ۱۰ نبوی میں طائف کا تبلیغی سفر اختیار کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب حضور علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ وفات پا چکی تھیں، آپ کے چچا ابوطالب مشرک ہونے کے باوجود آپ کے ہمدرد تھے۔ اور آپ کی حمایت کرتے تھے۔ وہ بھی فوت ہو چکے تھے، مشرکین مکہ کی ایذائیں بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ ان حالات میں آپ نے مکے والوں سے مایوس ہو کر طائف کا سفر کیا۔ تاکہ تبلیغ دین کا فریضہ وہاں جا کر ادا کر سکیں۔

طائف میں تین بڑے سردار تھے۔ آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ بدنصیب بُرے طریقے سے پیش آئے۔ شہر کے لچے لفنگے لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے پتھر مارے گالیاں دیں، نہایت بدسلوکی کی، آپ وہاں سے چل کر ایک باغ میں درختوں کے سائے میں آ بیٹھے یہ باغ مکہ کے عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ اس سفر میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ آپ کے غلام حضرت زیدؓ تھے آپ زخمی ہو گئے، خون بہہ رہا تھا۔ جس جگہ آپ تشریف فرما ہوئے وہاں اب درخت نہیں ہیں مسجد بنی ہوئی ہے۔ لوگ وہاں تبرکاً نفل پڑھتے ہیں۔ کچھ فاصلے پر اب بھی وہاں باغ ہے وہاں اس وقت بھی درخت موجود ہیں۔

الغرض باغ کے مالکان شیبہ، عتبہ وہاں موجود تھے اور یہ سارا واقعہ دیکھ رہے تھے انہوں نے اپنے نصرانی غلام عداس کو انگور کا گچھا دے کر بھیجا۔ غلام عیسائی مذہب رکھتا تھا اور نینویٰ کا رہنے والا تھا۔ نینویٰ عراق میں صوبہ موصل کی ایک بستی ہے، جو حضرت یونس علیہ السلام کا وطن ہے۔ وہاں آپ کی قبر بھی ہے۔ بہرحال غلام انگور کا گچھا تھال میں رکھ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کیا کہ یہ میرے مالکوں نے آپ کے لیے بھیجا ہے آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے

انگور لیتے ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا۔ عداس بڑا متعجب ہوا اور عرض کیا کہ یہاں کے لوگ تو اس قسم کی بات نہیں کرتے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا، تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ عرض کیا نینویٰ کا ہوں۔ آپ نے فرمایا، وہ تو میرے بھائی یونس علیہ السلام کا گاؤں ہے۔ غلام نے عرض کیا، آپ اُن کو کیسے پہچانتے ہیں۔ فرمایا، وہ میرا بھائی اور اللہ کا نبی تھا، میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔ اس بات سے عداس اتنا متاثر ہوا کہ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ شیبہ اور عتبہ وغیرہ مشرکین دور سے دیکھ رہے تھے جب غلام واپس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ تم اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیوں چوم رہے تھے۔ کہنے لگا کہ اُس نے مجھے وہ بات بتائی ہے جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے تم پر بھی اُس کا جادو چل گیا ہے۔

تو یہ طائف کا سفر بھی بظاہر ناکام ہوا۔ طائف والوں میں سے کسی نے بھی آپ کو پناہ نہ دی حالانکہ خاندانِ قریش کی ایک عورت بھی وہاں بیاہی ہوئی تھی، آپ اُس کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آپ طائف کے تینوں سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس بھی گئے۔ اُن کو اسلام کی دعوت دی مگر سب نے آپ سے بدسلوکی کی۔ اس طائف کے سفر کی ناکامی کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

جنات کا واقعہ کہاں پیش آیا

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ کہاں پیش آیا۔ اس کے متعلق آراء مختلف ہیں۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہ واقعہ جس کا ذکر سورۃ احقاف میں مذکور ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ طائف کے سفر میں پیش آیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اُس موقعہ پر پیش آیا جب آپ تبلیغ دین کے لیے عکاظ کی منڈی میں تشریف لے گئے۔ یہ جگہ مکے اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ جہاں ہر سال پورے بیس دن تک منڈی لگتی تھی اور اس میں سارے عرب کے لوگ آتے تھے۔ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ اس منڈی میں تشریف لا رہے تھے تو راستے میں وادیٔ نخلہ کے مقام پر آپ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس دوران جنوں کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی تو انہوں نے قرآن کریم سنا۔ یہ جن نصیبین کے مقام کے تھے، جو کہ عراق اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے۔

Marfat.com

جنات کا قرآن پاک سُن کر ایمان لانا

احادیث میں آتا ہے[1]۔ کہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے جنات آسمان پر جاتے تھے۔ وہاں ملائکہ کی گفتگو سنتے تھے اور اس میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے بعد پہرے سخت ہوگئے۔ اب جو جن اوپر جاتا تھا آگے سے شہاب پڑتے تھے، کئی ہلاک ہو جاتے تھے، کئی بھاگ جاتے تھے۔ فرشتوں سے بات سُن کر وہ اپنے کاہنوں کے کان میں پھونک دیتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت[2] میں ہے کہ جب پہرے سخت ہوگئے تو جنات کو تشویش ہوئی۔ جنات نے آپس میں مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا یعنی زمین کے مشرق و مغرب میں گھوم پھر کر دیکھو کہ کیا بات ہوئی ہے۔ کہ اب ہم اوپر نہیں جا سکتے۔ چنانچہ جنات کی مختلف جماعتوں کو زمین کے اکناف و اطراف کی طرف بھیجا گیا تاکہ معلوم کریں کہ دنیا میں کون سی نئی بات ہوئی ہے۔

تو جنات کا یہ گروہ جن کی تعداد نو یا سات تھی، اسی تفتیش میں وادیٔ نخلہ سے گذر رہا تھا۔ حضور علیہ السلام صبح کی نماز میں تلاوت فرما رہے تھے صبح کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہوتا ہے وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ اسی لیے فجر کی نماز میں قرات ذرا لمبی کرنے کا حکم ہے تو اس موقعہ پر جب جنات نے حضور علیہ السلام سے قرآن پاک سُنا، تو سمجھ گئے کہ یہی وجہ ہے کہ ہم اوپر جانے سے روک دیے گئے ہیں۔ مسلم شریف[3] کی روایت میں ہے کہ قرآن سُن کر سارا گروہ ایمان لے آیا اور واپس چلا گیا، مگر حضور علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہوا۔ جنات کے چلے جانے کے بعد معجزے کے طور پر وہاں کے ایک درخت نے اللہ کے حکم سے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ جنات آئے تھے اور انہوں نے کلام الٰہی سُنا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے آپ پر جب وحی نازل فرمائی تو اس میں جنات کا ذکر کیا۔

قرآن پاک عجیب کتاب ہے

تو اس سورۃ میں یہی ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ کہ جنات کے ایک گروہ نے قرآن پاک سُنا فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا تو کہنے لگے، ہم نے تو بڑا عجیب قرآن

---

[1] ترمذی ص ۴۷۸ ج ۲ [2] بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ [3] مسلم ص ۱۸۴ ج ۱

ساہے نفر کا اطلاق تین سے لے کر دس تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔ یہ جنات نو تھے، اس لیے ان پر نفر کا لفظ استعمال کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیزؒ[1] لکھتے ہیں۔ کتابیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو پڑھی جاتی ہیں اور دوسری وہ جو دیکھی جاتی ہیں اور مطالعہ کی جاتی ہیں قرآن کریم اس لحاظ سے عجیب کتاب ہے۔ کہ اس میں پڑھی جانے والی کتابوں کی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ اور مطالعہ کرنے والی کتابوں کی بھی، پڑھی جانے والی کتابوں میں قرآن پاک آسان بھی ہے اور ورد بھی۔ کلام الٰہی کو پڑھنے کے برابر کوئی ورد نہیں۔ یہ سب سے افضل ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو خالص نیت اور حسنِ عقیدت سے کلام پاک پڑھتا ہے۔ میں اُسے اُن سے افضل دوں گا جو مانگتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں یا دوسرے اوراد کرتے ہیں اگرچہ میرا کلام پڑھنے والا نہ بھی مانگے۔ اور پھر یہ ورد بھی ایسا ہے کہ ایک حرف پڑھو، تو کم از کم دس نیکیاں حاصل ہوں گی۔ الف، لام، میم حروفِ مقطعات میں سے ہیں، فرمایا جو آدمی اس کو عقیدت سے پڑھیگا، اُسے تیس نیکیاں نصیب ہوں گی۔ کلام پاک میں ایک اور خوبی ہے۔ باقی اوراد کو جب تک آدمی سمجھ کر نہیں پڑھے گا، اُس کا اثر نہیں ہوگا، مگر کلام الٰہی ایسی چیز ہے۔ کہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، اس کا فائدہ ہر حالت میں ہوگا، نیز علمی لحاظ سے بھی یہ بہت بلند کتاب ہے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[2]، کہ بسا اوقات جب میں غور کرتا ہوں، تو قرآن پاک کی ہر ہر آیت میں مجھے علم و عرفان کے اتنے وسیع خزانے نظر آتے ہیں جیسے سمندر کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ حقائق و دقائق کے ایسے بحرِ بیکراں نظر آتے ہیں، جن کا کوئی ساحل نہ ہو۔ شاہ صاحبؒ تو بلند درجے کی روحانیت والے انسان تھے، امام اور محدث تھے، انہیں تو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی ہے، کہ قرآن پاک ایسا کلام ہے کہ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ[3] کہ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ ابدالآباد تک قائم رہیں گے۔ یہ کلام الٰہی ہے۔ خدا کی صفت ہے۔ چونکہ خدا غیر محدود ہے، اس کا کلام بھی غیر محدود ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں، یہ اس کی مہربانی ہے۔

---

[1] تفسیر عزیزی فارسی ص۱۴۶ پ۹ [2] فیوض الحرمین مترجم ص۴۲ طبع رحیمیہ دیوبند [3] ترمذی ص۴۱۲

ترمذی[1] شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اتنا راضی نہیں ہوتا، جتنا بندے کی زبان سے اپنا کلام سُن کر۔ تو گویا اس میں ایک تو وردِ والی خصوصیت پائی جاتی ہے اور دوسرے علمی خصوصیت جس کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ نہ تو وِرد والے طبقے سے ملتا ہے اور نہ مطالعہ والی اور دیکھنے والی کتاب سے۔ بلکہ تمام کی خصوصیت خود اس میں پائی جاتی ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ایک ایسا عجیب قرآن سُنا جو یَھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ فَاٰمَنَّا بِہٖ لہٰذا ہم سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے۔

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے

ایمان لانے کے بعد جنات نے اقرار کیا کہ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک ہے وَاَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا اور بیشک ہمارے رب کی شان بلند ہے۔

جَد کا لفظ مشترک ہے۔ اس کا معنیٰ دادا بھی ہوتا ہے اور کوشش بھی۔ اسی طرح جَد کا معنیٰ بخت بھی ہوتا ہے اور عظمت و بڑھائی بھی۔ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی بھی ہوتے ہیں جو اپنے اپنے محل پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس موقع پر عظمت اور بڑائی مراد ہے، یعنی ہمارے رب کی شان اور مرتبہ بڑا بلند ہے۔

جنات نے اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت یہ بیان کی مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا یعنی اُس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد ہے۔ بیوی تو ضرورت کے لیے ہوتی ہے، مگر خدا تعالےٰ صمد ہے۔ اُسے کوئی ضرورت نہیں۔ اولاد کی خواہش اس لیے ہوتی ہے۔ کہ بڑھاپے میں کام آئے گی اور میرے بعد میری قائم مقام ہوگی۔ مگر اللہ تعالےٰ ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ وہ غنی ہے وہ نہ حاجت مند ہے، نہ محتاج۔

جنات نے مزید بیان کیا وَاَنَّہٗ یَقُوْلُ سَفِیْھُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا یعنی ہم میں سے بیوقوف شخص اللہ پر بڑی زیادتی کی بات کہتا ہے۔ کوئی کہتا ہے اللہ نے بیوی بنالی، کوئی کہتا ہے، بیٹا بنالیا۔ کوئی اُس کا شریک ٹھہراتا ہے۔ کوئی اس کا سہیم بناتا ہے، یہ سب بیوقوفی کی باتیں ہیں، کیونکہ

---

[1] ترمذی ص ۴۱۴ ج ۲

Marfat.com

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ[1] یعنی ملت ابراہیمی سے صرف وہی اعراض کرتا ہے، جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہے جو کوئی کہتا ہے کہ اللہ کا شریک ہے یا اُس کے بیوی بچے ہیں وہ فطرت کے خلاف گیا۔

جنات نے یہ بھی واضح کیا وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ یعنی ہم گمان کرتے تھے۔ کہ انسان اور جن سارے کے سارے خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولیں گے۔ لیکن اب پتہ چلا کہ انس وجن واقعی جھوٹ بولتے ہیں۔ شرک اور کفر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک ٹھہراتا ہے کوئی عبادت میں اور کوئی استعانت میں غیروں کو شریک بناتا ہے۔ یہ سب جھوٹ بولتے ہیں۔

---

[1] بقرہ ۱۳۰ پ۱

Marfat.com

درس دوم (آیت ۶ تا ۱۵)

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا ۙ ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ
اَحَدًا ۙ ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا
شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ
فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ
اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ ﴿۱۰﴾
وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا
﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ
هَرَبًا ۙ ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ
يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا
مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ
تَحَرَّوْا رَشَدًا ۙ ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ
حَطَبًا ۙ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور یہ بات بھی ہے۔ کہ کچھ مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے تھے جنّوں میں سے کچھ مردوں کے ساتھ۔ پس بڑھا دیا۔ انہوں (انسانوں) نے اُن کے لیے سرکشی کو ﴿۶﴾ اور اسی طرح جنات نے بھی خیال کیا جس طرح تم خیال کرتے ہو کہ اللہ مرنے کے بعد ہرگز کسی کو نہیں اٹھائے گا ﴿۷﴾ اور ہم نے آسمانوں کو چھوا تو اسے ہم نے پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا ﴿۸﴾ اور ہم سُننے کے لیے ٹھکانوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ مگر اب صورت حال یہ ہے کہ کوجو کوئی بات سنتا ہے وہ اپنے گھات میں شہاب کو موجود پاتا ہے۔ ﴿۹﴾ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے ﴿۱۰﴾ اور بے شک

Marfat.com

ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور اس کے علاوہ (یعنی بدکار) بھی ہم مختلف راستوں پر بٹے ہوئے تھے (۱۱) اور ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے" اور نہ ہم بھاگ کر اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں (۱۲) اور جونہی ہم نے ہدایت کی بات سنی، فوراً اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو اپنے رب پر ایمان لے آئے گا وہ کسی نقصان کا خوف نہیں کھائے گا۔ اور نہ اس کو کسی زبردستی کا کھٹکا ہوگا (۱۳) اور بے شک ہم میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور بے انصاف بھی۔ پس جس نے فرمانبرداری کی اُس نے نیکی کو حاصل کر لیا (۱۴) اور جو بے انصاف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے (۱۵)

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں اللہ تعالےٰ نے جنوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا۔ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام ـــــ سے نماز کی حالت میں قرآن پاک سُنا اور کہنے لگے، بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے، جو نیکی کے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ لہذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے۔ اللہ تعالےٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔ اُس کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے بارے میں زیادتی کی باتیں کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ انسان اور جن خدا پر جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ سب باتیں جنوں کے اُس گروہ نے کیں جو ایمان لایا۔

جنات سے استعاذہ

اس درس کی آیات میں جنات کا کلام ہی دہرایا جا رہا ہے۔ یعنی انہوں نے یہ بات بھی کی، وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ یعنی یہ بات بھی ہے کہ کچھ مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے تھے جنوں میں سے کچھ مردوں کے ساتھ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا پس زیادہ کیا ان انسانوں نے اُن کے لیے سرکشی کو۔ رَهَقٌ کا معنی ہے زیادتی اور اس سے مراد نافرمانی اور سرکشی ہے، یعنی اِن آدمیوں نے اُن جنات کو اور زیادہ سرکشی میں ڈال دیا۔ یا اِن جنات نے اُن آدمیوں کو اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کر دیا۔ تو گویا زَادُوْهُمْ کی ضمیر جنوں اور انسانوں دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ اگر یہ انسانوں کی طرف منسوب کی جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ فائدے کی بجائے زیادہ خسارے میں مبتلا ہوئے۔ جیسے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ خسارے میں اس وجہ سے کہ شرک میں مبتلا ہوئے۔ اور دل

Marfat.com

کے علاوہ جنات کو بھی خدا کا شریک بنایا۔ لہٰذا بڑے خسارے میں رہے۔

اگر زَادُوْهُمْ کو جنات کی طرف منسوب کیا تو معنیٰ یہ ہوگا کہ انسانوں نے جنات کو استعاذہ پکڑ کر اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کر دیا جن اور زیادہ مغرور ہو گئے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں ہمارے ساتھ استعاذہ کرتے۔ ہمارے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ ہمارے نام کی نذر کرتے ہیں۔ لہٰذا ان میں اور زیادہ اکڑ پیدا ہو گئی۔ اور وہ اور زیادہ سرکشی میں مبتلا ہو گئے۔

اس قسم کا استعاذہ ناجائز اور شرک ہے۔ کوئی بتی وغیرہ جلا کر جنات کو بلاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ بعض لوگ مکان یا کارخانہ بناتے وقت اس کی بنیادوں میں خون ڈالتے ہیں۔ اس میں یہی تصور کارفرما ہوتا ہے کہ جنات راضی ہوں اور ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ پرانے زمانے میں عرب کے مشرکین اس قسم کا استعاذہ کرتے تھے۔ یہ سب شرک اور کفر ہے۔

استعاذہ کا باطل طریقہ

پناہ پکڑنے کی کئی صورتیں تھیں جو آج بھی رائج ہیں۔ منجملہ اُن کے جب کوئی بیمار ہو جاتا تھا، تو جنات سے مدد طلب کرتے تھے۔ اگر آئندہ کی کوئی بات معلوم کرنا ہوتی تو کاہنوں کے پاس جاکر جنات سے معلوم کرتے۔ گویا کہ وہ غیب دان ہیں۔ اسی طرح سفر کے دوران اگر کسی جگہ اقامت کرتے تو اس طریقہ سے پناہ پکڑتے اَعُوْذُ بِسَیِّدِ هٰذَا الْوَادِیْ یعنی میں اس وادی کے سردار کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں۔ تاکہ جنات وغیرہ نقصان نہ پہنچائیں گویا ہر جگہ جنات ہوتے ہیں، اُن کا سردار ہوتا ہے۔ اگر اُس کی پناہ میں آجائیں گے تو شر سے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ تکلیف ہوگی۔ مکانات کی بنیادوں میں جانوروں کا خون ڈالنا جنات کو قربانی پیش کرنا ہے۔ تاکہ وہ خوش ہوں اور ہماری عمارت صحیح سلامت رہے۔ آج بھی بعض لوگ یہ تصور رکھتے ہیں کہ جنات مشکل کشائی کرتے ہیں اور یہ کہ مصیبت کے وقت پہنچتے ہیں۔ یہ سب مشرکانہ عقائد ہیں۔ اسلام نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ نہ تو جنوں کے ہاتھ میں شفا ہے۔ نہ وہ غیب دان ہیں اور نہ وہ مشکل کے وقت کام آتے ہیں نہ آسکتے ہیں۔

استعاذہ کا صحیح طریقہ

حضور[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چل کر کسی جگہ ٹھیرتا ہے۔ اگر وہ ان الفاظ کے ساتھ استعاذہ کرے گا تو اُسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ

---

[1] مسلم ص ۳۴۷ ج ۲

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں اللہ تعالےٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں ہر اُس چیز کے شر سے جسے اللہ نے پیدا کیا۔ یہ چیز جن ہو یا کچھ اور ہو، اِن کے شر سے حفاظت کے لیے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ یہ استعاذہ کا صحیح طریقہ ہے۔ جس کی تعلیم حضور علیہ السلام نے دی۔

حضرت سعید ابن جبیرؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حضرت رافع ابن عمیرؓ کا اس وقت کا واقعہ ہے جب انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ کہیں بیابان میں سفر پر تھے۔ ایک اونٹنی تھی اور خود تھے۔ اور کوئی ساتھ نہیں تھا۔ رات ہوئی تو اونٹنی کا گھٹنا باندھ دیا اور خود لیٹ گئے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نیزہ پکڑے آرہا ہے۔ اور اونٹنی کو مارنا چاہتا ہے۔ گھبرا کر اٹھے۔ خیال کیا کہ یہ خواب ہے۔ لہٰذا پھر سو گئے۔ دوبارہ وہی خواب دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ اٹھ کر دیکھا تو واقعی ایک آدمی نیزہ پکڑے ہوا تھا اور وہ اونٹنی کو مارنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی بھی تھا، وہ نوجوان کو روکتا تھا۔ کہ اونٹنی کو مت مار۔ اتنے میں تین خرگوش یا گورخر سامنے آئے۔ تو بوڑھا آدمی کہنے لگا کہ اِن میں سے کوئی لے لو اور اِس شخص کی اونٹنی کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ چنانچہ اُس جوان آدمی نے ایک گورخر لے لیا۔ اور چلا گیا۔

دراصل حضرت رافع بن عمیرؓ نے اُس مقام پہ قیام کرتے وقت وہی کلمہ کہا تھا جو مشرکین کہتے تھے یعنی اَعُوْذُ بِسَیِّدِ هٰذَا الْوَادِیْ۔ گویا جنات کی پناہ پکڑی تھی۔ جب وہ جوان آدمی گورخر لے کر چلا گیا تو اُس بوڑھے نے حضرت رافعؓ سے کہا کہ بیوقوف آدمی، تم نے سوتے وقت جنوں سے استعاذہ کیا تھا۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، بلکہ یوں کہتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرَبِّ مُحَمَّدٍ یعنی اے پروردگار! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں تاکہ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت رافعؓ نے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔ بوڑھا آدمی بولا کہ وہ نبی ہیں۔ ان کا دور آگیا ہے، وہ شرک سے منع کرتے ہیں۔ اور تم نے تو کفر و شرک کی بات کی تھی۔ یہ کہہ کر بوڑھا شخص بھی غائب ہو گیا۔ وہ جن ہی تھا۔

حضرت رافعؓ کہتے ہیں۔ کہ اس واقعہ کا مجھ پہ گہرا اثر ہوا۔ میں اونٹنی کو تیز تیز چلاتا ہوا یثرب پہنچا۔ حضور علیہ السلام اُس وقت مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا واقعہ میرے پہنچنے

لہ تفسیر مظہری ص۸۵ ج۱۰ بحوالہ ہواتف الجن

سے پہلے ہی حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا چنانچہ جب میں حاضر خدمت ہوا، تو آپ نے انکشاف فرمایا۔ کہ تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ تو اس طرح حضرت رافع بن عمیرؓ اسلام سے مشرف ہوئے (شاہ عبدالعزیزؒ اور) امام بیہقیؒ نے اور بھی ایسے کئی واقعات بیان کئے ہیں۔

حضرت عثمانؓ[1] کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب وہ شام کا سفر کرتے تھے تو وہاں کسی کاہن سے غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے۔ اب کی بار بھی گئے تو کاہن کے پاس پہنچے۔ اس کی فیس دی اور اُس سے بعض واقعات پوچھے۔ تو کاہن کہنے لگا کہ اب وہ کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ جو جن میرے پاس آیا کرتا تھا، وہ اب نہیں آتا۔ جب میں نے اُس سے پوچھا کہ اب کیوں نہیں آتے تو اس جن نے بتایا کہ اب نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو گئے ہیں۔ اور اب ہمارے لیے کوئی ایسی بات کرنا ممکن نہیں رہا۔

بہرحال وہ لوگ جنات سے استعاذہ کرتے تھے، جو کہ کفر ہے۔

قیامت کا انکار

جنات کے بیان کا سلسلہ جاری ہے۔ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ جس طرح تم خیال کرتے ہو، اسی طرح جنات نے بھی خیال کیا اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۔ کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو نہیں اٹھائے گا۔ یعنی جس طرح انسانوں میں سے بھی بعض لوگ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی قیامت نہیں۔ مرنے کے بعد کوئی نہیں اٹھایا جائے گا۔ اسی طرح بعض جنات بھی قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ کسی کو رسول نہیں بنائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح بعض کافر انسان بھی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ یعنی خدا تعالےٰ نے کسی انسان پر کوئی وحی نازل نہیں کی۔ ہم نہیں مانتے کہ انسانوں میں بھی کوئی رسول مبعوث ہوتا ہے۔ اسی طرح جنات میں بھی اس قسم کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح انسانوں میں منکرین قیامت اور منکرین رسالت ہیں اسی طرح جنوں میں بھی ہیں[2]

---

[1] تفسیر عزیزی فارسی ص۱۵۸ [2] تفسیر عزیزی فارسی ص۱۵۲ پ۲۹۔

Marfat.com

جنات پر سختی

اپنی بات کے اگلے حصے میں جنات نے اُن پابندیوں کا ذکر کیا ہے جو حضور علیہ السلام کی بعثت کے بعد اُن پر عائد کی گئیں۔ ارشاد ہے کہ جنوں نے کہا وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا۔ یعنی ہم نے آسمانوں کو چھوا تو اسے ہم نے پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور ہم سننے کے لیے ٹھکانوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا مگر اب صورت حال یہ ہے کہ جو کوئی بات سنتا ہے وہ اپنے گھات میں شہاب کو موجود پاتا ہے۔

حدیث[1] شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل شیاطین یا جنات آسمان میں بلندی پر جاتے تھے۔ اس کے لیے عنان کا لفظ آتا ہے۔ تو وہاں پر جو فرشتے اترتے تھے وہ آپس میں مکالمہ کرتے تھے۔ جنات اور شیاطین میں سے فرشتوں کی کوئی بات سُنتا تھا اور اس میں کچھ جھوٹ وغیرہ مِلا کر اپنے کاہن کے کان میں پھونک دیتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام کی بعثت کے بعد پہرے سخت کر دیے گئے۔ اب جو کوئی آگے جاتا تھا تو بڑے زور سے شہاب پڑتے تھے۔ کوئی بھاگ جاتا، کوئی زخمی ہو جاتا، کوئی مر جاتا۔ اس صورت حال کی تحقیق کے لیے جنوں کا گروہ وادی نخلہ میں سے گزر رہا تھا۔ کہ حضور علیہ السلام سے قرآن پاک سُنا، تو سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے۔ اور اُن کے اُوپر آسمان کی طرف جانے پر کیوں پابندی لگ گئی ہے۔ الغرض اِن آیات میں جنات نے اپنی اس حالت کا تذکرہ کیا ہے

جنات میں فرقہ بندی

امام حسن[2] بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر فرقے انسانوں میں موجود ہیں، اسی قدر جنات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انسانوں میں رافضی اور شیعہ ہیں۔ تو جنات میں بھی ایسے ہی ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں مجوسی اور پارسی ہیں اور پھر فروعی اختلافات ہیں تو جنات میں بھی ہیں ——

—— انسانوں کی طرح جنوں میں بھی غیر مقلد یعنی اہل حدیث، حنفی، مالکی، بریلوی، دیوبندی وغیرہ سب فرقے موجود ہیں۔ پہلے بھی ایسے فرقے تھے اور آج بھی ہیں۔ جبھی انسانوں میں کوئی نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے، جنات بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو اس قسم کی کوئی بات معلوم ہو جائے تو استعجاب کی بات نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے سارا جنات کا کلام نقل کیا ہے۔

---

[1] ترمذی ص۴۷۹ کتاب التفسیر [2] تفسیر عزیزی فارسی ص۱۵۳ و تفسیر کبیر ص۱۵۷ ج۳۰

Marfat.com

انسانوں کی طرح جن نیک بھی ہیں اور بد بھی ہیں۔ مطیع بھی ہیں اور نافرمان بھی ہیں، قاتل اور زانی وغیرہ ہر قسم کے جنات پائے جاتے ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے بھی انسان جنوں کے مشابہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے جنات کے کاروبار بھی انسانوں کی مانند مختلف ہیں، مثلاً تاجر پیشہ، کاشتکار، صنّاع، کوئی ایک جگہ مقیم ہے کوئی سفر کرتا ہے۔

انہیں مختلف کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے جنات نے کہا وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور اس کے علاوہ یعنی بدکار بھی۔ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا۔ ہم مختلف راستوں پر بٹے ہوئے تھے۔ کوئی نیک اور شائستہ، کوئی بُرے اور بدکار، کوئی ناہنجار، کوئی مشرک، کوئی مومن، کوئی عیسائی، کوئی یہودی، کوئی رافضی الغرض انسانوں کی طرح مختلف جماعتوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔

جنات کی حق شناسی

اور آخر کار جنات کو اقرار کرنا پڑا وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ۔ کہ ہم اللہ تعالےٰ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا۔ اور نہ ہم بھاگ کر اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم کہیں بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں ہم تو ہر وقت خدا کے قبضے میں ہیں، وہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے، سزا دے۔ گرفت کرے یا ہلاک کر دے، یہ سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ جونہی ہم نے ہدایت کی بات سنی، فوراً ایمان لے آئے۔ ہمارے لیے یہ چیز قابلِ فخر ہے۔ کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور ایمان لا کر داعی بن گئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کلام بھی نہیں ہوئے، محض کلام پاک سن کر ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے۔

جنات کے اس طریقے سے ایمان لانے کا اطلاق عام انسانوں اور خاص طور پر مکے کے لوگوں پر ہوتا ہے۔ کہ جنات تو قرآنِ پاک سن کر ایمان لے آئے مگر یہ انسان ہیں کہ قرآن پاک سنتے ہیں مگر اُس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس بات میں اُن کے لیے تنبیہ کا پہلو ہے۔ کہ ان کا بھی فرض ہے کہ وہ فوراً ایمان لے آئیں۔ اور اُس کا فائدہ یہ ہوگا۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا یعنی جو اپنے رب پر ایمان لے آئے گا، وہ کسی نقصان کا خوف نہیں کھائے گا۔ وَّلَا رَهَقًا اور نہ اس کو کسی زبردستی کا کھٹکا ہوگا۔ یعنی اس پر کوئی زیادتی کی جائے گی۔ یا اُس کی محنت رائیگاں

Marfat.com

جائے گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ اُسے کسی دوسرے کے جرم میں پھانس لیا جائے۔ یا کسی ناکردہ گناہ میں ملوث کر لیا جائے۔ اگر ایمان لے آیا ہے۔ تو اُسے اُس کا پھل ضرور ملے گا۔

اِس کے بعد جنات نے مزید بیان کیا وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط نیک و بد جنات اور بے شک ہم میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور بے انصاف بھی ہیں۔ قاسط کا معنیٰ ظلم کرنے والا بے انصاف فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۔ پس جس نے فرمانبرداری اور اطاعت کی، انہوں نے نیکی کو حاصل کر لیا۔ تحری کا معنیٰ کوشش کرنا، جانفشانی کرنا اور حاصل کرنا ہے۔ گویا اطاعت کر کے انہوں نے نیکی کے راستہ کو تلاش کر لیا۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ اور جو کفر و شرک کرنے والے ہیں۔ گناہ اور ظلم میں آلودہ رہے۔ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ یعنی جنات ناری ہونے کے باوجود دوزخ میں جائیں گے۔ اور اُن کو بھی ویسی ہی سزا ملے گی جیسی انسانوں کو

اس موقع پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ جنات تو ناری مخلوق ہے۔ اُن کو آگ میں ڈالنے سے انہیں کیا سزا ملے گی۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں[1] کہ پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ جنات کی پیدائش کی آگ اور دوزخ کی آگ کے ٹمپریچر میں بہت زیادہ فرق ہو گا۔ دوزخ کی آگ بہت سخت ہے۔ اِس لیے ناری مخلوق کو اس دوزخ کی آگ میں تکلیف پہنچے گی۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ جہنم کے مختلف طبقات ہیں اور اُن میں ایک طبقہ زمہریر ہے جو کہ بہت سرد ہے۔ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے۔ کہ جنات جیسی ناری مخلوق کو زمہریر میں پھینک دیا جائے تاکہ اُن کو سرد مقام پر سزا دی جا سکے۔ بہرحال شرک اور کفر کرنے والے جنات دوزخ میں جائیں گے چاہے وہ نار کے طبقہ میں ہوں یا زمہریر کے طبقہ میں۔ اُن کو سزا ہر حالت میں ملے گی۔

---

[1] تفسیر عزیزی فارسی صفحہ ۱۶۶ پ ۲۹

Marfat.com

درس سوم (آیت ۱۶ تا ۲۳)

وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ
فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ
الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ
يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ ع ۱۹/۱۱
بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ
اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾
اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ:- اور اگر یہ لوگ سیدھے رہے راستے پر، تو ہم ان کو خوب پانی سے سیراب کریں گے ﴿۱۶﴾ تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کو سخت عذاب میں چلائے گا ﴿۱۷﴾ اور بے شک مسجدیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو ﴿۱۸﴾ اور بے شک جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ۔ قریب تھا کہ یہ لوگ اس کے گرد لبدے کی طرح ٹھٹھ باندھ کر اکٹھے ہو جاتے ﴿۱۹﴾ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے بے شک میں اپنے رب کو پکارتا ہوں اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ﴿۲۰﴾ آپ کہہ دیجئے (اے لوگو) میں تمہارے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں ﴿۲۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک مجھے خدا کے سامنے ہرگز کوئی بھی پناہ نہیں دیگا اور میں خدا کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاتا ﴿۲۲﴾ (مگر میرے ذمہ) اللہ کی طرف سے اس کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، پس بیشک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۲۳﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ درس تک کی آیات میں اللہ تعالےٰ نے جنات کا کلام دہرایا تھا۔ نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے، کہ جنوں کے ایک گروہ نے کلام الٰہی سُنا اور کہا کہ ہم نے تو عجیب قرآن سُنا ہے۔ لہٰذا ہم ایمان لائے ہیں۔ جنات انسانوں کے بارے میں اور خود جنوں کے

Marfat.com

بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ شاید وہ جھوٹ نہ بولتے ہوں، مگر معلوم ہوا کہ وہ دونوں ہی جھوٹ بولتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں۔ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس کے بعد آسمانوں پر جاکر فرشتوں کی بات چیت سننے کا ذکر تھا۔ اور پھر اُس رکاوٹ کا ذکر تھا جو شہاب پڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ یہ سب حضور علیہ السلام کی بعثت اور نزولِ قرآنِ پاک کی وجہ سے تھا۔

جنات نے خود اقرار کیا کہ اُن میں نیک بھی ہیں اور بَد بھی۔ دوسری مخلوقات کی طرح جن بھی عاجز ہیں اور اُن میں ایسی کوئی خوبی نہیں، جس کی وجہ سے اُن کی پرستش کی جائے یا اُن کے ساتھ استعاذہ کیا جائے۔

جنوں نے کہا کہ قرآن کریم سننے کے بعد ہم ایمان لے آئے اور جو ایمان لائے گا۔ وہ کامیاب ہوگا۔ اُسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اور اُس پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ جنات میں فرمانبردار بھی ہیں، اور نافرمان بھی۔ جو فرمانبرداری کرنے والے ہیں، انہوں نے نیکی کو تلاش کر لیا۔ اور جو ظلم کرنے والے بے انصاف ہیں، وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لیے انعامات

یہاں تک جنات کا کلام تھا جو اللہ جل شانہٗ نے ذکر فرمایا اور اُن کا حال بذریعہ وحی اپنے پیغمبر علیہ السلام کو بتلا دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے۔ وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔ یعنی اگر یہ لوگ سیدھے رہے راستے پر، تو ہم ان کو خوب پانی سے سیراب کریں گے۔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں۔ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اُس کو سخت اور دشوار عذاب میں چلائے گا۔

وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا کا تعلق اُوْحِيَ اِلَيَّ سے ہے۔ یعنی اے پیغمبر علیہ السلام آپ کہہ دیں کہ میری طرف اس بات کی بھی وحی کی گئی ہے۔ کہ اگر یہ لوگ سیدھے رہے یعنی اس راستے پر اَلطَّرِيْقَةِ المرضیہ عِنْدَ اللّٰهِ جو اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ راستہ ہے، توحید کا راستہ اور صراطِ مستقیم ہے تو ہم انہیں بہت سے پانی سے سیراب کریں گے۔

اِسْتَقَامُوْا کا تعلق انسان کے ساتھ بھی ہے اور جنوں کے ساتھ بھی۔ یعنی اگر انسان اور جن اللہ کے پسندیدہ راستے پر قائم رہے تو اللہ تعالےٰ اُن کے رزق میں فراوانی فرمائیں گے۔

Marfat.com

اور اُن سے تکلیف کو دور فرمائیں گے۔ مَاءً غَدَقًا کا معنیٰ کثیر پانی ہے مگر یہاں صرف پانی ہی مراد نہیں بلکہ ہر قسم کے رزق کی وسعت مراد ہے۔ جس میں پانی بھی ایک اہم جزو ہے۔ کیونکہ پانی ہر جاندار کے لیے عظیم نعمت ہے۔ الغرض ایمان اور اطاعت کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے اس آیت میں ظاہری اور باطنی انعامات کی خوشخبری ہے۔

اگلی آیت کے پہلے حصے میں لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ کہہ کر اس بات کی وضاحت فرمادی کہ مذکورہ انعامات ان کی آزمائش کے لیے ہیں۔ کہ حصولِ نعمت پہ کون شکریہ بجالاتا ہے اور کون کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا کردہ ہر نعمت میں امتحان کا پہلو ضرور ہوتا ہے مفسّرین کرام فرماتے ہیں[1]۔ کہ جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، مکے میں قحط پڑا ہوا تھا۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ قحط اہل مکہ کے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہے۔ جب لوگ نافرمانی کرتے ہیں، تو اس کے اثرات مختلف قسم کی پریشانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جن میں قحط سالی، اور پانی کی قلت بھی ہے، جس کی وجہ سے انسان، حیوان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے سب تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ کفر و شرک اور ظلم و شرارت سے باز آجائیں اور اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ راستے پر چلنے لگیں جس طرح جنات کلام الٰہی سُن کر راہِ راست پر آگئے۔ تو اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت کا نزول فرمائیں گے جس سے زمین کو سرسبز و شاداب کر دیں گے اور قحط کو دور فرما دیں گے۔

اہل انجیل کو بھی اللہ تعالےٰ نے یہی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر یہ اللہ کی کتاب کو صحیح طور پر قائم کرتے تو ہم ان کے لیے ہر طرح سے خیر و برکات نازل فرماتے۔ بعض بستیوں کے متعلق بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر یہ ٹھیک راستے پر چلتے تو ہم ان کے لیے زمین و آسمان سے خیر و برکات نازل فرماتے۔

اِن آیات میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اے نبی علیہ السلام! آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف یہ حکم بھی آیا ہے۔ کہ معصیت اور گناہوں کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، قحط پڑتے ہیں، پریشانیاں

---

[1] تفسیر ابن کثیر عربی ص ۴۳۱ ج ۴ و تفسیر عزیزی ص ۱۶۷ پ ۲۹

لاحق ہوتی ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو میرا یہ پیغام بھی پہنچا دیں کہ اگر یہ اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ راستے پر چلتے رہے تو ہم اِن کو بہت سے پانی سے سیراب کریں گے یعنی اسبابِ رزق کثرت سے مہیا کریں گے۔

یادِ الٰہی سے اعراض کرنے والوں کیلیے وعید

آیت کے دوسرے حصے میں یادِ الٰہی سے اعراض کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ جو شخص اپنے رب کی یاد سے روگردانی کرتا ہے۔ یعنی اس کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے، اطاعت کے راستے کی بجائے کفر و شرک کے راستے پر گامزن ہوتا ہے، معصیت کا راستہ اختیار کرتا ہے يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا تو اللہ تعالےٰ اُسے سخت چڑھتے ہوئے عذاب میں چلاتا ہے۔ یعنی آخر کار وہ دشوار عذاب کا شکار بنے گا۔

مساجد میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالےٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کے متعلق ارشاد فرما چکے ہیں۔ کہ آپ اِن کا اعلان وحی الٰہی کے واسطہ سے کر دیں۔ ایک یہ کہ جنوں نے قرآن پاک سُنا اور ایمان لائے اور دوسری بات یہ کہ اگر لوگ سیدھے راستے پر چلتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن پر رزق کی فراوانی فرمائیگا۔

اب تیسری بات یہ فرمائی جا رہی ہے۔ کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ لفظ مساجد، مسجد کی جمع ہے اور یہ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مسجد مصدر میمی ہے اور سجدے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی لفظ سجدہ گاہ کے معنے میں بھی آتا ہے، اور اس سے مراد آلات (اعضاء) سجدہ بھی ہیں اس مقام پر یہ تینوں معنی ہو سکتے ہیں۔

سجدہ گاہ: اگر مساجد سے مراد سجدہ گاہ لیا جائے تو وہ یہی مسجدیں ہیں جن کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا خَيْرُ الْبِقَاعِ الْمَسَاجِدُ[1] یعنی ساری دنیا میں سے زمین کے پسندیدہ ٹکڑے مسجدیں ہیں۔ جہاں عبادت کی جاتی ہے، نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے تو ساری زمین ہی اللہ کی ہے اَلْاَرْضُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ مگر مساجد کی تعمیر خاص طور پر کی جاتی ہے۔ تاکہ اِن میں اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور حضور علیہ السلام نے مساجد کی ترغیب بھی دلائی، فرمایا[2] مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

---

[1] کنز العمال ص۴۵۹ ج۷ و ص۴۶۱ ج۷ [2] مسلم ص۲۰۱ ج۱ بخاری ص۶۴ ج۱ ترمذی ص۷۳۰

Marfat.com

یعنی جس شخص نے اللہ کے لیے مسجد تعمیر کی، اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

اب یہ مسجدیں جب کہ خالص اللہ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں تو پھر ان مواقع میں کفر و شرک کی بات کرنا نہایت ہی ناپسندیدہ ہے۔ ویسے تو کفر و شرک کسی مقام پر بھی روا نہیں، مگر اس کا ارتکاب مساجد میں کرنا نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ جیسے حرم شریف کے متعلق فرمایا وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ[1] یعنی جو کوئی حرم کے اندر الحاد و کجروی کرے گا، ہم اُس کو دوہرا عذاب دیں گے۔ کیونکہ یہ پاک خطہ ہے، اللہ نے اس کو محترم بنایا ہے۔ بہرحال شرک و کفر تو اللہ کے قہر و غضب کو بھڑکانے والی چیز ہے، مساجد میں مطلقاً معصیت کی بات بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ مسجدیں اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص ہیں۔

آداب مسجد

اداب[2] مساجد کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ اپنے چھوٹے بچوں کو مسجدوں سے الگ رکھو کہ وہ بے شعور ہوتے ہیں۔ مسجد میں پیشاب، پاخانہ کریں گے تو بے حرمتی ہوگی۔ اسی طرح پاگلوں کو بھی مسجد میں نہ آنے دو، وہ بھی اس قابل نہیں کہ مسجد کی حرمت بحال رکھ سکیں مسجد میں لڑائی نہ کرو، تلوار مت کھینچو۔ مسجد میں حدود مت جاری کرو کہ ہاتھ کٹے گا، قتل ہوگا تو مسجد آلودہ ہوگی۔ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان نہ کرو، خرید و فروخت نہ کرو، یہ سب چیزیں مسجد کے اداب کے خلاف ہیں۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا نَظِّفُوْهَا یعنی مسجدوں کو پاک صاف رکھو۔ اس میں ظاہری اور باطنی کسی قسم کی گندگی نہیں ہونی چاہیئے۔ ظاہری گندگی سے تو مسجد کی پاکیزگی کی کوشش اکثر کی جاتی ہے۔ مگر یہی مساجد باطنی گندگی سے بھری ہوئی ہیں۔ شرک و بدعت، غلط قسم کے وعظ، مساجد میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ رسومات باطلہ کی ترغیب دی جاتی ہے، شرک و بدعت کی تعلیم ہوتی ہے، یہ سب ناجائز کام ہیں۔ کیونکہ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

سجدہ:۔ اگر مساجد سے مراد محض سجدہ ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ سجدے صرف اللہ کے لیے ہیں، اور کسی کے سامنے سجدہ نہ کرو۔ قطعاً حرام ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سجدہ

---

[1] سورۃ حج ۲۵ پ ۱۷) [2] کنز العمال ص ۴۷۱ ج ۷ و ص ۴۷۲)

Marfat.com

سوائے خدا کے کسی کو بھی روا نہیں، نہ سورج کو، نہ چاند کو، نہ مخلوق میں سے کسی اور کو۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ۔

الغرض سجدہ صرف اُس ذات کے لیے ہے جو سب کی خالق ہے لِلَّذِیْ خَلَقَهُنَّ۔ یہ سجدہ بعض صورتوں میں کفر و شرک بنتا ہے اور بعض صورتوں میں حرام ہوتا ہے اگر تعظیم کا اعتقاد نہ ہو تو اس صورت میں بھی سجدہ حرام ہے۔ بعض قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بادشاہ، پیر، بزرگ، اُستاذ، باپ ہر کسی کو سجدہ حرام ہے۔ سجدہ عبادت تو تمام شریعتوں میں اللہ کے سوا حرام رہا ہے، مگر سجدہ تعظیمی بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔ سجدہ کا مستحق صرف اللہ ہے۔

اعضائے سجدہ: مساجد سے مراد اگر اعضاءِ سجدہ ہیں تو اعضاء تو سارے اللہ نے ہی پیدا کئے ہیں۔ تو اللہ کے پیدا کردہ اعضاء غیر اللہ کے سامنے کیسے سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ حضور[1] علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اٰرَابٍ۔ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کروں۔ ناک اور پیشانی تو ایک عضو ہی شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو پاؤں کل سات اعضاء ہیں، جن پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ تو اللہ کے پیدا کردہ اعضاء صرف اللہ کے سامنے ہی سجدہ کریں گے۔

غیر اللہ کے لیے رکوع بھی جائز نہیں

ترمذی[2] شریف کی حدیث میں صراحتاً موجود ہے۔ کہ جھک کر ملنا بھی درست نہیں۔ منہ سے سلام کہہ سکتے ہیں، ہاتھ سے مصافحہ درست ہے، معانقہ کر سکتے ہیں، ——— ، مگر حضور علیہ السلام نے جھک کر ملنے سے منع فرمایا ہے۔ کہ اس طرح رکوع ہوتا ہے سجدہ تو ویسے ہی حرام ہے، مگر یہ جھک کر ملنا بھی مکروہ ہے۔ انحنا کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

بزرگوں کی قبروں کے ساتھ معاملہ

اب حالت یہ ہے بڑی بڑی قبروں پہ سجدے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک صاحب میرے ساتھ اُلجھ گئے۔ تیس سال سے زیادہ عرصہ کی بات ہے۔ کہنے لگے کوئی شخص قبر پہ سجدہ نہیں کرتا، یہ خواہ مخواہ الزام تراشی ہے۔ چنانچہ میں اُن کو سید علی ہجویریؒ کی قبر پہ لے گیا۔ ہم وہاں صرف پانچ منٹ ٹھہرے اور اتنے عرصہ میں سات آدمیوں نے وہاں سجدہ کیا۔ وہ صاحب

---

[1] ترمذی ص۶۶ باب ماجاء فی السجود علی سبعة اعضاء [2] ترمذی ص۳۹ باب ماجاء فی المصافحة

کہنے لگے، تم ٹھیک کہتے ہو، واقعی لوگ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں۔ وہاں عجیب وغریب حالت تھی، کوئی بوسہ دے رہا ہے، کوئی ہاتھ مل رہا ہے، کوئی چادر چڑھا رہا ہے، کوئی نذرانہ پیش کر رہا ہے۔ کوئی کچھ کر رہا ہے کوئی کوئی حرکت کر رہا ہے یہ حکومت کیا کرتی ہے، اُسے کمائی سے غرض ہے، کبھی بیس ہزار روپے کی آمدنی ہے، کبھی چالیس ہزار کی، عرس کے موقع پر لاکھ دو لاکھ یومیہ آمدنی ہوتی ہے۔ محکمہ اوقاف نے کیا اصلاح کی ہے۔ کیا لوگوں کو شرک سے روکا ہے۔ لوگ اسی طرح کفر وشرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حکومت خود بُرے نمونے قائم کرتی ہے۔ پختہ مزار بنائے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا واضح ارشاد موجود ہے نَهٰى اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ[1] قبروں کو پختہ نہ بناؤ، یہ حرام ہے۔ اور شرک کی ترویج کا ذریعہ ہے۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ پچھلے دنوں ڈیڑھ سو زائرین کا جو وفد اجمیر شریف گیا، وہ مزار پر چڑھانے کے لیے دو لاکھ روپے مالیت کی چادر ہمراہ لے کر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ اس میں کیا تُک ہے۔ لوگ بھوکوں مریں، کھانے کو کچھ نہ ملے اور آپ دو لاکھ روپے کی چادر چڑھا رہے ہیں۔ یہ کس شریعت میں جائز ہے۔ یہ تو کفر وشرک کی بات ہے۔ قبروں پر بے شک جاؤ مگر فاتحہ پڑھنے کے لیے ایصال ثواب کے لیے۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی اجازت نہیں۔ باقی تمام چیزیں کفر، شرک، بدعت ہیں۔

اس سلسلہ میں حکومت کے وزراء حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ جب حکومت خود چادریں چڑھائیگی تو باقی لوگ کیا کریں گے۔ کیا قبروں پر چادریں چڑھانا وزیروں کا کام ہے۔ کیا عرس کرنا ایڈمنسٹریٹروں کا کام ہے مگر یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لوگوں کو توحید کے راستے سے ہٹا کر کفر کے راستے پر ڈالا جا رہا ہے اور حکومتیں سرپرستی کر رہی ہیں۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں بُری بات کیا ہو سکتی ہے۔

مستحق عبادت صرف اللہ تعالےٰ ہے

الغرض اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے۔ کہ مسجدیں یا سجدے یا اعضاء سجدہ اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا سجدہ سوائے خدا کے کسی کو روا نہیں، اپنی حاجتوں میں صرف خدا کو پکارو۔ اپنی عبادتوں میں صرف خدا کے سامنے ہی جھکو۔ وہی عبادت کا مستحق ہے۔ جب ہم ذاتِ الٰہی کے لیے اِلٰہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا معنی یہی ہوتا ہے

---

[1] مسلم ص ۳۱۲ ج ۱

Marfat.com

کہ مستحق عبادت صرف وہی ہے، اور کوئی نہیں باقی تو ساری مخلوق ہے۔ اور مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں۔ تو ایک مخلوق دوسری مخلوق کی معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ مخلوق تو عابد ہے اور تم اُس کو معبود بنا رہے ہو۔ کہیں قبر کی پرستش ہو رہی ہے، کہیں پیر صاحب کے سامنے سجدہ ہو رہا ہے۔ کہیں نیاز ہو رہی ہے، چڑھاوا چڑھایا جا رہا ہے۔ دہائی دی جا رہی ہے، کہیں مُشکل کشائی کے لیے پکارا جا رہا ہے۔ یہ تمام باتیں مشرکانہ ہیں اور ناجائز ہیں۔ عابد اور معبود میں تفریق لازمی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ ایسا کون سا انسان ہے، جس کی عبادت کی جائے۔ سجدہ ہو یا کوئی عبادت، اس کا مستحق صرف اللہ ہے۔ عبادت کا مفہوم غایت درجے کی تعظیم ہے، یہ قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی۔ اس کے مختلف طریقے ہیں۔ سجدہ، رکوع، نیاز، نذر سب عبادت میں داخل ہیں۔ اگر یہی افعال غیر اللہ کے لیے کئے جائیں تو شرک ہے۔ شرک کی کم و بیش بیس قسمیں ہیں۔ کتاب دلیل المشرکین میں اس کی تشریح موجود ہے۔

عبداللہ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اُوْحِیَ اِلَیَّ کے سلسلے میں چوتھی بات یہ کہی کہ آپ کہہ دیجئے وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ اور جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ۔ اور اس سے مراد حضور نبی کریم علیہ السلام ہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے بھی خود کو اللہ کا بندہ کہا تھا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ حضور علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ اے لوگو! عیسےٰ علیہ السلام کی تعریف میں عیسائیوں نے مبالغہ آرائی کی اور کفر میں مبتلا ہوئے، خبردار! میری تعریف میں مبالغہ آرائی نہ کرنا[1] اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ تم بھی مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا، انہوں نے تعریف و مدح سرائی میں غلو کیا، خبردار! تم ایسا نہ کرنا۔

حضور علیہ السلام کا اعلانِ توحید

تو فرمایا جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا یَدْعُوْہُ اسے یعنی اللہ تعالےٰ کو پکارنے کے لیے کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا۔ قریب تھا کہ یہ لوگ اس کے گرد لبدے کی طرح ٹھٹھ باندھ کر اکٹھے ہو جاتے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ کا بندہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام الٰہی پڑھتا تھا۔ تو لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو جاتے تھے۔ مومن تو اس لیے جمع ہوتے کہ آپ کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کریں اور کفار طعن و تشنیع اور اذیت پہنچانے کے لیے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جنّات کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ وادیٔ نخلہ میں کھڑے ہو کر خدا کو پکار رہے تھے تو جنات کی جماعت

---

[1] ترمذی مع شمائل ص۵۹۴

Marfat.com

بالکل قریب ہو رہی تھی، گویا کہ ٹھٹھ باندھ کر قریب تر ہو رہے تھے کہ قرآن پاک اچھی طرح سُن سکیں۔ جسے سُن کر جنات ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ بے شک میں اپنے رب کو پکارتا ہوں وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا۔ اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ جنات نے بھی کہا تھا، ہمارا خیال نہیں تھا کہ لوگ بری بات کرتے ہوں گے مگر معلوم ہوا کہ جن بھی شرک کرتے ہیں اور انسان بھی۔ ارشاد ہوا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ میرا طریقہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا ہے اور اس کی طرف دعوت دینا ہے۔

عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ الخ خدا تعالےٰ کی ذات تمام شرکیہ باتوں سے پاک ہے۔ میں اُن کی تردید کرتا ہوں۔ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ نہ عبادت میں، نہ مدد طلب کرنے میں، نہ حاضر ناظر سمجھنے میں، نہ مشکل کشائی میں، نہ واجب الوجود ہونے میں، نہ مدبر ہونے میں، میں کسی کو خدا کا شریک نہیں بناتا۔ واجب الوجود بھی وہی ہے۔ علیم کُل بھی وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی قادر مطلق نہیں۔ اور کوئی ایسا نہیں جو اپنے ارادے سے جو چاہے کرے۔ خدا کے سوا کوئی نافع اور ضار نہیں۔ کوئی اس لائق نہیں ——— کہ اُس کے نام کی نذر و نیاز دی جائے وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا۔

نفع اور نقصان نبی کے اختیار میں نہیں ہے

ارشاد خداوندی ہے کہ آپ یہ بھی کہہ دیں۔ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا یعنی اے لوگو! میں تمہارے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ یہ چیزیں میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ کیونکہ النافع اور الضار ذاتِ خداوندی ہے۔ حتیٰ کہ میں تم کو ہدایت بھی نہیں کر سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ یعنی اے نبی علیہ السلام! جس کو آپ چاہیں، اپنے ارادے سے منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ بلکہ ہدایت تو اللہ دیتا ہے جس کو چاہے۔ حضور علیہ السلام کو اپنے چچا ابو طالب کے اسلام لانے کی کتنی طلب تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ کہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔ ابو لہب بھی حضور علیہ السلام کا

لہ سورۃ یوسف ۱۰۸۔ پ ۱۳۔

Marfat.com

حقیقی چچا تھا۔ اُس کے متعلق بھی ارشاد خداوندی ہے تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ اور سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ وہ اور اس کی بیوی دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ کیونکہ وہ شرک سے باز نہیں آئے۔ ابوطالب نے باوجود حضور علیہ السلام کا وفادار ہونے اور حمایت کرنے کے ایمان قبول نہیں کیا۔ لہٰذا دوزخ کا شکار ہوا۔ اسی لیے فرمایا کہ میں تمہارے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ نافع اور ضار ہونا صفتِ خداوندی ہے۔

دنیا میں انسانوں نے کیسے کیسے بیہودہ عقیدے بنائے ہوئے ہیں۔ کوئی پیر کے متعلق نفع و نقصان کا عقیدہ رکھتا ہے، کوئی قبر والے کے بارے میں کوئی جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کے بارے میں، کوئی جنات کے بارے میں تعویذ وغیرہ۔ جلا کر جنات کو طلب کرنا، انہیں مشکل کشائی میں شریک کرنا وغیرہ وغیرہ سب شرکیہ باتیں ہیں کیونکہ نفع و نقصان کا مالک صرف خداوند قدوس ہے۔ اُس کے علاوہ مافوق الاسباب کوئی فریاد رس نہیں۔

آج کل تو بچوں کو کیٹ (CAT) میٹ (MAT) ریٹ (RAT) پڑھایا جاتا ہے، پہلے زمانے میں کریما پڑھایا جاتا تھا، جو توحید خالص کی طرف راہنمائی کرتا تھا۔

ے
نداریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

اے مالک الملک! تیرے سوا کوئی فریاد رس نہیں ہے، گناہگاروں کے گناہ معاف کرنے والا تو ہی ہے۔ اور کوئی نہیں۔ جیسا فرمایا اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ایک مجبور آدمی کی پریشانی میں جب سارے ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں تو پریشانی کو کون دور کرتا ہے۔ اَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اگر نہیں ہے۔ تو پھر یہ لوگ کیوں شرک میں مبتلا ہیں۔

محاسبے کے عمل سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں

نبی علیہ السلام کو مزید ارشاد ہوا کہ آپ اس بات کا بھی اعلان کر دیں کہ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۔ مجھے خدا کے سامنے کوئی بھی پناہ نہیں دے گا اگر میں نے کوئی ایسی کفر و شرک والی بات کی معصیت کا ارتکاب کیا۔ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔ اور میں خدا کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پاتا۔ ہر نبی نے یہی کہا اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ اگر میں اپنے رب کی ذرا بھی نافرمانی کروں گا، تو بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ حضرت

Marfat.com

شعیب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور خود حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کہا تھا۔ کہ خدا کے سوا کوئی پناہ نہیں اور اگر میں کوئی ایسی بات کروں، تو کوئی بچانے والا نہیں۔ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ اگر آپ ذرا بھی شرک کریں گے تو خدا آپ کے سارے اعمال ضائع کر دے گا۔ خدا تعالیٰ بالکل رعایت نہیں کرتا۔ اگر انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ہے۔ تو باقی لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اگر وہ شرک کا ارتکاب کریں گے، تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ کیا ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ کفر کرنے کے باوجود اللہ کے پیارے ہی رہیں گے اور اُس کے نبی کے مقبول ہی ہونگے۔ اور ہمیں معافیاں ملتی ہی رہیں گی۔؟

نبی کا کام پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے

فرمایا کہ میرا کام تو یہ ہے۔ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ ہدایت دینا میرا کام نہیں، نہ میرے بس کی بات ہے۔ کسی کو منزل مقصود تک پہنچانا بھی میرے اختیار سے باہر ہے۔ اور سُن لو! مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا۔ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے لہٰذا لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کی واحدانیت کو مان لیں، اس کے رسول کی بات کو بھی تسلیم کریں کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کا پیغام پہنچانے والا اور ہادی ہے۔ اور جو اُن کی نافرمانی کرے گا، اُس کے لیے جہنم کی آگ تیار ہے۔ جس سے خلاصی ممکن نہیں۔

Marfat.com

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

ع ۹ ۱۲

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے پس یہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے اور تعداد میں کون کم ہے (۲۴) اے پیغمبر علیہ السلام آپ کہہ دیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے مدت دراز بنائے گا (۲۵) غیب کو جاننے والا ہے پس اپنے خاص غیب کو کسی پر مطلع نہیں کرتا (۲۶) مگر اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے تو اس کے آگے اور پیچھے اللہ تعالیٰ چوکیدار بھیجتا ہے (۲۷) تاکہ ظاہر کر دے کہ نبیوں نے اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور وہ احاطہ کرتا ہے جو کچھ ان نبیوں اور رسولوں کے حالات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے (۲۸)

گذشتہ سے پیوستہ

ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجیے کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے۔ کہ جنات کے ایک گروہ نے کلام الٰہی سنا اور اس پہ ایمان لائے۔ اور کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کیا۔ دوسری بات آپ یہ بھی فرما دیں کہ اگر انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ راستے یعنی اس کی وحدانیت عبادت اور اطاعت کے راستے پر رہیں گے تو ہم ان کے لیے وسائل رزق کو آسان کر دیں گے۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ آپ یہ بھی کہہ دیں کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کسی کو نہ پکارو۔

اس کے بعد نبی علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ اللہ کا بندہ جب اسے پکارنے کے لیے کھڑا ہوا، تو یہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے، حکم ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں، اور اس کے

Marfat.com

ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ نیز یہ کہ میں تمہارے لیے نفع، نقصان یا ہدایت کا مالک نہیں ہوں۔ اور اگر میں نے نافرمانی کی تو مجھے ہرگز کوئی پناہ نہیں دے گا اور کوئی نہیں بچائے گا۔ میرا کام تو پیغام الٰہی کو پہنچانا ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اس کے لیے نار جہنم کی وعید ہے جس میں ہمیشہ رہے گا۔

نصرت الٰہی ہی کامیابی کی دلیل ہے

سورۃ کے آخری حصہ میں نبوت و رسالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور قیامت کا ذکر ہے۔ اور ساتھ مشرکین کا شکوہ بھی ہے۔ فرمایا حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھیں گے، جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے یہاں پر حَتّٰٓی ابتدائیہ ہے۔ یعنی یہ حالت اسی طرح قائم رہے گی، نافرمان لوگ مخالفت کرتے رہیں گے، شرک میں مبتلا رہیں گے، حق سے گریزاں رہیں گے۔ ٹھٹھا مذاق کریں گے، ایذا پہنچائیں گے۔ یہاں تک کہ وعدے کا دن آجائے گا یعنی قیامت برپا ہو جائے گی۔ وعدے کے دن سے مراد یوم الحساب ہی ہے کہ قبرستان کی بعض مسنونہ دعاؤں میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ اَتٰکُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ[1] یعنی تمہارے پاس وہ چیز آچکی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور جس کے لیے مہلت دی گئی تھی۔ تم تو یہاں قبرستان میں پہلے پہنچ چکے ہو اور اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ ہم بھی تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ یعنی موت ہر ایک کے لیے برحق ہے۔ اس کے بعد برزخ بھی برحق ہے اور پھر جزا و سزا کی منزل بھی برحق ہے جس کے لیے دنیا میں مہلت دی گئی تھی۔ ہر شخص اور ہر قوم کو مہلت دی جاتی ہے، اور اس کے بعد جب وقت آجاتا ہے۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ[2] پھر اُس میں تاخیر نہیں ہوتی۔

وعدے والی چیز کا وقوع اجتماعی بھی ہے اور انفرادی بھی۔ اجتماعی طور پر تو قیامت واقع ہوگی، جب ہر چیز فناہ ہونے کے بعد دوبارہ قائم ہوگی۔ اور انفرادی طور پر یہ وعدہ ہر شخص کی موت پر آجاتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ[3] یعنی جو آدمی مرگیا، اُس کی قیامت برپا ہوگئی۔ کیونکہ سوال و جواب کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ محاسبہ کا

---

[1] مسلم ص۳۱۳ ج۱ کتاب الجنائز۔ [2] (سورۃ نوح آیت ۴)۔ [3] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۲۴ ج۱ بحوالہ دیلمی عن انسؓ مرفوعاً)

Marfat.com

عمل بھی جزوی طور پر شروع ہو جاتا ہے اگرچہ مکمل محاسبہ حشر کے دن ہوگا۔ مگر محاسبے کے عمل سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔ برزخ میں ہر ایک کا محاسبہ ہوتا ہے جس میں جزا و سزا کا مکمل احساس ہوتا ہے۔ تو اسی واسطے یہ ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ یہ لوگ مخالفت کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ آجائے وہ چیز جس کا وعدہ کیا گیا ہے فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا پس یہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے۔ آج تو یہ نبی علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو کمزور سمجھتے ہیں۔ کہ اُن کے پاس دنیوی مال و اسباب کی کمی ہے، اُن کے پاس فوج نہیں ہے، مگر اُس دن پتہ چلے گا کہ کمزور کون ہے وَأَقَلُّ عَدَدًا اور تعداد میں کون کم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کے بغیر تعداد کی کثرت اور مال و دولت کی فراوانی وبال ہے۔ جیسا کہ سورۃ حَاقَّۃ میں گذر چکا ہے کہ انسان کفِ افسوس ملتا ہوا کہے گا مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ۔ افسوس! میرے حال نے مجھے کچھ فائدہ نہ دیا۔ نیز هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ میری حکومت بھی مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ نہ فوج کام آسکی۔ نہ پارٹی کا فائدہ ہوا، نہ کثرت تعداد اور کثرت مال مفید ثابت ہوا۔ وہاں پر پتہ چلے گا کہ مدد و نصرت کس کی کام آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ یعنی ہم اپنے رسولوں اور ایمانداروں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور قیامت کے دن بھی کریں گے۔ اُس دن ایمان داروں کی مدد اللہ کی جانب سے ہوگی، سب معاملات درست ہو جائیں گے۔ برخلاف اس کے منکرین کی نہ کوئی جماعت رہے گی، نہ فوج، نہ مال و دولت کام آئے گا۔ چنانچہ اُس دن انہیں معلوم ہوگا کہ مدد کس کی کمزور ہے اور تعداد کس کی کم ہے لہٰذا دنیا میں اگر حق پرستوں کی حمایت قلیل ہو تو انہیں گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اللہ کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے

وقوع قیامت کا وقت نبی کے علم میں نہیں تھا

مشرکین اعتراض کرتے تھے۔ کہ جب آپ کے کہنے کے مطابق جزائے عمل کی منزل برحق ہے، تو پھر قیامت برپا کیوں نہیں ہوتی۔ جیسے سورۃ ملک میں آتا ہے، مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی قیامت کب برپا ہوگی۔ اسی نوعیت کے اعتراضات کے جواب میں یہاں فرمایا قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ

لہ مومن آیت ۵۱

آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۔ یا میرا رب اس کے لیے مدت دراز بنائے گا ۔ اس قدر تو میں جانتا ہوں کہ جزائے عمل اور محاسبہ قطعی طور پر واقع ہوگا، مگر اُس کے وقت انعقاد کے بارے میں نہیں جانتا ۔ گذشتہ سورۃ میں بھی اسی قسم کا مضمون گذر چکا ہے اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا یعنی یہ لوگ اسے بعید خیال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے نزدیک وہ قریب ہے ۔ تاہم فرمایا کہ مجھے اُس گھڑی کا علم نہیں ہے جس میں قیامت واقع ہوگی ۔

سزا کا مقررہ وقت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے

ایک تو قیامت کا انعقاد ہے اور دوسرے سزا کا واقع ہونا ۔ اگر شخصی طور پر بھی سزا واقع ہوگی تو وہ بھی اللہ کے علم میں ہے ۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ کہ کس وقت اُن پر افتاد آتی ہے ۔ اور کس قسم کی سزا سے دوچار ہوتے ہیں ۔ بسا اوقات انسانوں کو انسانوں کے ہاتھ سے سزا ملتی ہے مشرکین مکہ کو بدر میں سزا دی گئی ۔ کسی کو بیرونی ذرائع یعنی آفاتِ ارضی و سماوی سے سزا دی گئی جیسا کہ بعض قوموں کا حال گذر چکا ہے ۔ تو اِن تمام انفرادی آفتوں کے آنے کا وقت بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور مجموعی طور پر وقوع قیامت بھی اللہ ہی کے علم میں ہے ۔ نبی علیہ السلام کو حکم ہوا ۔ کہ آپ کہہ دیں کہ اس بات کا علم مجھے نہیں ہے کہ قیامت قریب ہے یا دور ہے ۔

علم غیب خاصہ خداوندی ہے

اس ضمن میں مزید وضاحت فرمائی عٰلِمُ الْغَیْبِ یعنی غیب کو جاننے والا صرف اللہ ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وقوعِ قیامت کے وقت کو میں نہیں جانتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں بھی یہی ہے اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یعنی اے مولا کریم ! تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے ۔ یہاں لفظ الغیب استغراق اور جنس کے لیے ہے ۔ یعنی جنس غیب اور تمام غیوب کا جاننے والا صرف وہی ہے ۔ اُس کے سوا باقی مخلوق کے لیے غیب کی نفی کی گئی ۔ لہٰذا مخلوق میں سے کسی کو عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے ۔ فرمایا قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ارض و سماء کی ساری کائنات میں غیب سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ۔ فقہائے کرام اور علم عقیدہ والے بھی یہی کہتے ہیں کہ عالم الغیب کا اطلاق صرف ذاتِ خداوندی پر ہوتا ہے غیب کا لفظ اضافی طور پر بھی بولا جاتا ہے اور مطلق بھی ۔ اضافی طور پر اس طرح کہ بعض چیزیں بعض مخلوق جانتی ہے اور بعض نہیں جانتی، لہٰذا بعض کے لیے وہ غیب ہے اور دوسروں

Marfat.com

کے لیے غیب نہیں۔ آسمانی مخلوق بہت سی ایسی باتوں کو جانتی ہے جو مخلوق نہیں جانتی ۔ بعض چیزیں زمین والے جانتے ہیں، آسمان والے فرشتے نہیں جانتے، تو یہ گویا غیب اضافی ہے اسی طرح ہر شخص بعض چیزیں دوسرے کی نسبت جانتا ہے یعنی کسی چیز کا علم بعض لوگوں کو ہوتا ہے بعض کو نہیں ہوتا۔ یہی اضافی غیب ہے۔ البتہ "الغیب" یعنی کلی غیب سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ۔ ذرے ذرے کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی چیز غائب نہیں۔ اس ضمن میں فقہائے کرام فرماتے ہیں۔

کہ غیب اور شہادت کے الفاظ مخلوق کی نسبت سے آئے ہیں کہ مخلوق کے نزدیک بعض چیزیں حاضر ہیں اور بعض غائب، بعض چیزوں کا علم مخلوق کو ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کا نہیں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب والشہادۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن تمام چیزوں کو جانتا ہے جو مخلوق کے نزدیک غیب کا درجہ رکھتی ہیں یا وہ حاضر ہیں اور اُن کے محسوسات میں آتی ہیں۔

امام[1] ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک یقینی اور قطعی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب نہیں جانتے اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ سوائے اس کے جو اللہ ان کو بتلا دیتا ہے۔ چنانچہ انبیاء کو جو چیز بتائی جاتی ہے اس پر قرآن پاک میں انباءِ غیب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق فرمایا تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ یعنی یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ یعنی ایسا واقعہ ہے جو تاریخ سے معلوم نہیں اور انسانی روایات بھی منقطع ہیں۔ اس طرح آئندہ پیش آنے والے واقعات مثلاً جنت، دوزخ، عالم برزخ، خدا کی ذات، صفات، عالم لاہوت، عالم ملکوت عالم مثال وغیرہ سب غیب ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی ان سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ دوسری جگہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریمؓ کے متعلق صاف صاف فرمادیا[2] ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا

انبیاء علیہم السلام کا علم انباء غیب ہوتا ہے

---

[1] احکام القرآن ص ـــــ [2] سورۃ عمران آیت ۴۴۔

Marfat.com

كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ وہاں موجود نہیں تھے جب وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے یعنی قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ کہ کس کا قلم پانی میں رُکتا ہے اور کس کا چلتا ہے۔ اے نبی کریم علیہ السلام! آپ کو کوئی علم نہیں تھا، یہ تو ہم نے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا۔ یہ چیزیں آپ نے نہ کسی کتاب میں پڑھیں اور نہ کسی اُستاد سے، بلکہ اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو بتائیں اور یہی غیب کی خبریں کہلاتی ہیں۔ البتہ ذرہ ذرہ کا علم اللہ ہی کو ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ علیم کل ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اسی طرح قدرت تامہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہے قادرِ مطلق اللہ کی ذات ہے۔ مخلوق کا علم قلیل اور محدود ہوتا ہے۔ مگر اللہ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اُسے ایک ایک ذرے کا علم ہے۔

الغرض کلی علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ قیامت کے وقوع کا علم مجھے نہیں دیا گیا۔ قرآن پاک نے مزید فرمایا لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ[1] اللہ نے اس کا وقت کسی کو نہیں بتایا، نہ جبرائیل کو، نہ میکائیل کو بلکہ صور پھونکنے والا اسرافیل فرشتہ بھی منتظر ہے۔ کہ کب حکم ہو تو بگل بجاؤں۔ اللہ نے اُس کو بھی علم نہیں دیا۔ کیونکہ عالم الغیب وہی ہے۔

انبیائے علیہم السلام کے عطائے علم کی حقیقت

آیت کے اگلے حصے میں انبیاء علیہم السلام کو عطائے علم کی حقیقت بتائی جا رہی ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَدًا یعنی اللہ تعالےٰ اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ مگر اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے۔ رسول تو سارے ہی پسندیدہ ہیں۔ یہاں پر مِنْ بیانیہ ہے تبعیض کے لیے نہیں۔ (یعنی جن رسولوں کو پسند کرتا ہے) اب رسول عام ہے اور نبی خاص۔ رسول ملائکہ میں بھی ہیں۔ اُن کو بھی اللہ تعالےٰ علم عطا کرتا ہے۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام ہیں اور پھر وہ انسانوں تک لاتے ہیں۔ اور رسول انسانوں میں بھی ہیں نبی کی تعریف یہ ہے کہ إِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ لِإِبْلَاغِ الْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ مِنَ اللّٰهِ[2] یعنی نبی وہ انسان ہوتا ہے، جسے اللہ تعالےٰ انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مبعوث فرماتے ہیں اور رسول عام ہے کہ انسان بھی ہوتا ہے اور غیر انسان بھی جیسے فرمایا اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

---

[1] سورۃ اعراف آیت ۱۸۷ [2] شرح عقائد ص ۱۴ مطبوعہ مجیدیہ ملتان وخیالی ص ۴۰ لکھنؤ
[3] سورۃ حج ۷۵ پ ۱۷

Marfat.com

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ملائکہ میں سے بھی رسول منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

نبی اور رسول میں فرق

متکلمین نبی اور رسول کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے اور رسول وہ ہوتا ہے جس پر وحی بھی نازل ہوتی ہے اور اُس کو مستقل شریعت بھی دی جاتی ہے۔ یا کتاب دی جاتی ہے۔ نبی کے لیے مستقل شریعت کا ہونا لازمی نہیں[1]۔ بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی آئے ان پر وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔ مگر مستقل شریعت نہیں ملتی تھی۔ اُن کو حکم تھا کہ وہ تورات کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ہاں رسولوں کو نزول وحی کے علاوہ مستقل شریعت بھی دی گئی جیسے حضرت نوح، حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت ادریس، حضرت ہود، حضرت صالح علیہم السلام یہ سب رسول تھے۔

انبیاء علیہم السلام کو تمام شرعی علوم سے نوازا جاتا ہے

الغرض ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کر لیتا ہے اُسے وہ علم عطا کرتا ہے، جو اُس کے منصب کے لائق اور مناسب ہو، ذرہ ذرہ کا علم نہ نبی کو ضرورت ہے اور نہ ہی اللہ تعالےٰ عطا کرتا ہے۔ ہاں شریعت کی تکمیل اور امت کی تربیت کے لیے تمام علوم انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے جاتے ہیں۔ تکمیلِ شریعت اور تربیت امت سے متعلق کوئی ایسا علم نہیں جو نبی کو نہ دیا جائے۔ اور پھر یہ نبی کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ آگے لوگوں تک پہنچائے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَا مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا اَنْبَاتُکُمْ (اوکما قال) یعنی جو چیزیں تمہیں خدا تعالےٰ کی رحمت کے مقام تک پہنچانے والی ہے اور خدا کے غضب سے بچانے والی ہے، وہ سب چیزیں میں نے تم کو بتا دیں۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کا مکمل علم حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت اور دین کے متعلق کوئی علم اللہ نے اپنے نبی کو نہیں دیا۔ تو یہ غلط ہے۔ دین کا علم اللہ تعالیٰ نے مکمل کر دیا۔ اس کے علاوہ جو غیر شرعی احکام ہیں، ان کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے باقی مخلوق کی نسبت انبیاء علیہم السلام کو زیادہ ہی دیا ہے۔ مگر ذرے ذرے کا علم نہیں دیا۔ کہ یہ خاصہ خداوندی ہے۔

---

[1] خیالی ص۴۰ مطبوعہ لکھنؤ و شرح عقائد ص۱۴ [2] مشکوٰۃ ص۴۵۲ بحوالہ البیہقی فی شعب الایمان و شرح السنہ

Marfat.com

شعر گوئی منصب نبوت کے خلاف ہے

ہاں جو چیزیں منصب نبوت کے خلاف ہیں اور اس منصب کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں اُن کا علم اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا۔ جیسا کہ سورۃ یٰس میں اس کی تصریح موجود ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ[1] ہم نے اپنے نبی کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ اُن کی شان کے شایاں ہے۔ کیونکہ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغٰوٗنَ[2] کہ شاعروں کے پیچھے لگنے والے اکثر فضول لوگ ہی ہوتے ہیں۔ واہ واہ کرنے والے۔ شراب پینے والے، جوا کھیلنے والے اکثر شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے، وہ کوئی اچھے اعمال والے لوگ نہیں ہوتے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہاں جو مومن ہیں، ان کی شاعری میں کچھ اچھی باتیں بھی ہیں ورنہ اکثر شاعری تخیلات پر مبنی ہوتی ہے جو نبی کی شان کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ نبوت کی بنیاد حقائق حقہ پر ہوتی ہے۔ اور شعر و شاعری کا مبنیٰ التخیل پر ہوتا ہے۔ جس قدر خیالی اور وہمی چیز ہوگی۔ اتنا ہی شعر لذیذ معلوم ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے شعر و شاعری نبی کو سکھائی ہی نہیں۔ یہ کتنا بڑا فن ہے، اس میں ہزاروں لاکھوں کتابیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نہیں سکھایا۔ سحر اور جادو کا علم، سمریزم کا علم، کہانت کا علم، جفر اور رمل کا علم بڑے بڑے علوم ہیں مگر منصب نبوت کے منافی ہیں، لہٰذا اپنے نبی کو نہیں سکھائے کہ یہ اس کی شان کے مناسب نہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر عالم الغیب کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے۔

دنیوی علوم منصب نبوت سے خارج ہیں

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ جب سے کائنات پیدا ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر قیامت تک کے ذرے ذرے کا علم حضور علیہ السلام کو دے دیا گیا۔ یہ تو قرآن پاک کی تکذیب ہے اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں، کہ ہم نے شعر کا علم نبی کو نہیں دیا۔ یہ اُس کی شان کے منافی ہے، تو پھر ذرے ذرے کا علم کیسے ثابت ہوا۔ ہاں دینی احکام کے متعلق آپ کو مکمل علم عطا کیا گیا۔ کائنات کی بہت سی چیزوں کا علم دیا اور بہت سی چیزوں کا نہیں دیا۔ مسلم شریف کی پیوند کاری والی حدیث موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ درختوں کی پیوند کاری شاید کسی غلط رسم کی بنا پر کی جاتی ہے لہٰذا آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ نہ کریں تو اچھا ہے۔ حالانکہ اس بارے میں وحی نازل

---

[1] سورۃ یٰس آیت ۶۹ [2] سورۃ شعراء آیت ۲۲۴ [3] مسلم ص ۲۶۴ ج ۲

نہیں ہوئی تھی۔ تو لوگوں نے پیوند کاری ترک کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پھل کے موسم میں درختوں پر پھل ہی نہ آیا۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے ارشاد کی تعمیل میں ہم نے پیوند کاری چھوڑ دی، لہٰذا پھل نہیں آیا۔ یہ تو قدرت کا نظام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے زوجین یعنی جوڑے پیدا کئے ہیں۔ نر کھجور کا بور مادہ کھجور پہ پڑتا ہے تو تلقیح (پیوند کاری) ہوتی ہے اور اس سے اللہ تعالےٰ پھل پیدا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ کہ یہ تو دنیوی بات تھی اور اُسے تم بہتر جانتے ہو۔

اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں، جن کا علم نبی کے لیے ضروری نہیں۔ مثلاً تجارت کا علم اگر نبی دوسروں جتنا بھی نہیں جانتا، کاروبار ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی ہے۔ صنعت و حرفت ہے۔ اگر نبی ان میں سے کوئی علم نہیں جانتا۔ تو اس سے منصبِ نبوت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ ہاں دین کے احکام تقرب الی اللہ، حلال و حرام، جائز و ناجائز وغیرہ کے متعلق اگر کوئی کہے کہ نبی کو علم نہیں تو وہ کفر ہو گا۔ دنیوی معاملات کا نبی کی نسبت دوسرے لوگوں کا بہتر جاننا عین ممکن ہے۔

علم غیب کا باطل عقیدہ

بہر حال عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے۔ تخلیقِ کائنات سے قیامت تک کا علم حضور علیہ السلام کو نہیں دیا گیا۔ ایسا عقیدہ شرکیہ اور باطل عقیدہ ہے کیونکہ علیم کل اللہ تعالےٰ کی ذات ہے اور یہ اُس کی صفتِ مختصہ ہے۔ ہاں جو چیز اللہ نے حضور علیہ السلام کو بتا دی وہ انباءِ غیب میں آگئی۔ اور غیب کی تعریف یہ ہے کہ بغیر ذریعہ اور سبب کے معلوم ہو۔ نہ وحی ہو نہ مشاہدہ ہو، نہ الہام ہو، نہ آنکھ سے ہو نہ عقل سے ہو کسی بھی ذریعے سے حاصل نہ ہو، جو علم بغیر سبب اور بغیر ذریعے کے حاصل ہو، وہی غیب کہلاتا ہے۔ اور جو کسی ذریعہ سے حاصل ہوا وہ غیب نہ رہا، لہٰذا انباءِ غیب میں شمار ہو گا تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دیں

نبی کا علم محدود ہوتا ہے

اس آیت سے بھی لوگ غلط مطلب لیتے ہیں، حالانکہ اِن کا تعلق قُلْ اِنْ اَدْرِیْ کے ساتھ ہے۔ کہ میں نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس آیت میں رسولوں پر غیب ظاہر کرنے سے مراد کلی غیب ہے یعنی اللہ تعالےٰ جس رسول کو پسند کرتا ہے اس پر کلی غیب ظاہر کر دیتا ہے

Marfat.com

ہے۔ یہ بالکل باطل معنیٰ ہے۔ کیونکہ پہلی آیت خود بتا رہی ہے کہ مجھے قیامت کے واقع ہونے کا علم نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ۔ اسی طرح بارش نازل ہونے کی گھڑی اور اُس کی پوری کیفیت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ کہ کتنے قطرے نازل ہوں گے۔ کوئی سائنسدان نہیں بتا سکتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ مومن ہے یا کافر، نیکوکار ہے یا بدبخت۔ اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ سوائے خدا کے کسی کے علم میں نہیں۔

بعض ایسے آلات ہیں جن کے ذریعے ڈاکٹر، حکیم معلوم کر لیتے ہیں کہ پیٹ میں بچہ ہے یا بچی مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہ نیک ہے یا بد، اس کی عمر کتنی ہوگی، یہ دنیا میں کیا کام کرے گا، اسی طرح بارش کے کتنے قطرے برسیں گے، کون سا قطرہ مفید اور کون سا مضر ہے، کس سے سیرابی ہوگی اور کونسا طوفان کی شکل میں تبدیل ہوگا۔ اوّل سے آخر تک کون جان سکتا ہے قیامت کب واقع ہوگی۔ ہر شخص کی موت کہاں آئے گی۔ یہ سب کچھ اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ یہ تمام چیزیں ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہیں۔ لہٰذا عالم الغیب والشہادۃ وہی ہے۔ وہ نبیوں کو سب سے زیادہ علم عطا کرتا ہے، مگر وہ بھی محدود ہوتا ہے کیونکہ بہت سی چیزوں کا علم اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں دیا۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے علم میں فرق

غیب کو رسولوں پر ظاہر کرنے کی علت بیان فرمائی فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا کہ نزول وحی پورے اہتمام کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب فرشتہ اللہ کے احکام لے کر آتا ہے، تو اُس کے آگے اور پیچھے اللہ تعالیٰ چوکیدار بھیجتا ہے، ہر طرف پہرے لگا دیتا ہے، تاکہ جنات اور شیاطین کوئی دخل اندازی نہ کر سکیں۔ اور احکام الٰہی محفوظ طریقے سے پہنچ جائیں۔ نیز یہ کہ لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّھِمْ یعنی خدا تعالیٰ ظاہر کر دے کہ نبیوں نے اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ تو گویا جو علم اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو محفوظ طریقے سے پہنچاتا ہے وہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے، اُس کا ظرف بڑا ہوتا ہے اور اس میں فرائض کی ادائیگی کی پوری صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ولی کو جو الہام ہوتا ہے، اُس کے سمجھنے، ادا کرنے اور ظاہر کرنے میں گڑبڑ کا امکان ہوتا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو بذریعہ الہام بتا دیتا ہے، مگر وہ قطعی نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

کیونکہ ولی کا ظرف نبی کے ظرف کے برابر نہیں ہوتا۔ اور یہ یقین نہیں ہوتا کہ انہوں نے بالکل ویسا ہی اسے سمجھا ہے جیسا منشاء ایزدی ہے۔ اور پھر جب وہ اسے ادا کرتا ہے تو اس بات کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ انہوں نے ویسے ہی ادا کیا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں۔ اس میں غلطی کا امکان ہے۔ لہٰذا وہ قطعی بات نہیں ہوتی۔ اسی لیے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اللہ کا منشاء اپنے صحابہ پر ظاہر کر دیا، مگر صحابہ نے اُسے صحیح طور پر سمجھا نہیں، وہ شخص اہل بدعت میں سے ہے اہل حق میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ آیت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا منشاء مکمل طور پر نبی پر ظاہر کیا اور نبی نے اُسے مکمل طور پر صحابہ تک پہنچایا۔ صحابہ نے اُسے پورے طور پر سمجھا اور اُسے دوسروں تک پہنچایا، اسی لیے شیعہ، رافضیہ یا معتزلہ کا اعتقاد باطل ہے۔

محیط کل اللہ کی ذات ہے

فرمایا تاکہ خدا تعالیٰ ظاہر کر دے کہ نبیوں نے اپنے رب کے احکام پہنچا دیے ہیں وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اور وہ احاطہ کرتا ہے جو کچھ ان نبیوں اور رسولوں کے حالات ہیں، ہر چیز کا احاطہ اُس کے پاس ہے جس قسم کے حالات اُن کے سامنے پیش آتے ہیں یا آنے والے ہیں یا آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کا احاطہ کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یعنی علیم کل صرف خدا کی ذات ہے، وہ قادرِ مطلق، جو چاہے اپنے اختیار اور ارادے سے کرے، یہ بھی اُس کی صفاتِ مختصہ میں ہے وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں کل کتنے درخت ہیں، درختوں پر کتنی ٹہنیاں اور کتنے پتے ہیں۔ کوئی سائنس دان، کوئی ماہر علم نباتات بتا دے کہ پہاڑ میں ریت کے کتنے ذرے ہیں، سمندروں میں پانی کے کتنے قطرے ہیں۔ سارے نفوس کتنے ہیں۔ اُن کے احوال کیا ہے۔ ان تمام چیزوں کا علم خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ محیط کل ہے۔ وہ ہر چیز کا شمار رکھنے والا ہے اور پھر جتنا علم مناسب سمجھتا ہے مخلوق کو دے دیتا ہے اور وہ انبائے غیب ہوتی ہیں۔ غیب دان فقط وہی ذات ہے۔

الغرض سورۃ مبارکہ کے آخر میں معاد کا ذکر بھی آگیا۔ کہ اس کے وقوع کا علم صرف اللہ کو

لہ ازالۃ الخفا ص۴۶ ج۱)

Marfat.com

ہے۔ شرک کی تردید بھی ہوگئی کہ کس طرح جنات نے شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ بعد میں دعوت الی التوحید بھی آگئی کہ سجدے صرف اللہ کے لیے ہیں۔ سجدہ لغیر اللہ شرک کے مترادف ہے۔ نبی کا طریقہ بھی یہی ہے اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا۔ یعنی میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔ اے لوگو! اگر بچنا چاہتے ہو، تو اسی راستے کو اختیار کرو۔

واللہ اعلم بالصواب

Marfat.com

Marfat.com

تبرک الذی ۲۹ — المزمل ۷۳

درس اوّل — (آیت ۱ تا ۹)

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ مزمل مکی ہے یہ بیس آیتیں ہیں اور اس سورۃ میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ
مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ
عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا
⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ
اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨

ترجمہ: اے کمبل اوڑھنے والے ① آپ رات کو کھڑے ہوں مگر تھوڑا حصہ ② نصف یا نصف سے کچھ کم ③ یا نصف سے زیادہ اور قرآن پاک ترتیل سے پڑھیں ④ بے شک ہم آپ پر ایک بوجھل بات ڈال رہے ہیں ⑤ بیشک رات کو اٹھنا روندنے کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے اور زیادہ درست ہے بات کرنے کے اعتبار سے ⑥ بیشک آپ کے لیے دن کے وقت بہت شغل رہتا ہے ⑦ اور اپنے رب کے نام کو یاد کریں اور سب سے ہٹ کر صرف اسی کی طرف الگ ہوں ⑧ مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا کارساز پکڑو۔ ⑨

کوائف اور مضامین سورۃ

اِس سورۃ کا نام سورۃ مزمل ہے۔ سورۃ کی پہلی آیت میں ہی لفظ مزمل آیا ہے، جس کے نام پر سورۃ کا نام ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ اِس کی بیس ۲۰ آیات اور دو ۲ رکوع ہیں۔ اس میں ۲۸۵ دو سو پچاسی الفاظ اور آٹھ سو اڑتیس ۸۳۸ حروف ہیں۔

سابقہ سورۃ جن کی طرح اِس سورۃ میں بھی بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ جس طرح اُس سورۃ میں

توحید، رسالت، قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور دلائلِ توحید مذکور تھے اسی طرح اس سورۃ میں بھی ان بنیادی عقائد کا ذکر ہے اس طرح گویا اس سورۃ کو سابقہ سورۃ کے ساتھ مناسبت ہے۔

سورۃ جن میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ کیا۔ کہ وہ قرآنِ کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے اور نہ اُسے سنتے ہیں۔ حالانکہ غیر جنس کے جنات نے جب خالی الذہن ہوکر اللہ تعالےٰ کا کلام سنا تو اُس سے متاثر ہوئے اور ایمان قبول کر لیا۔ جو بھی شخص اپنی ذاتی خواہشات اور تعصب سے الگ ہوکر کلام الٰہی کو سُنے گا، اُس کے لیے ہدایت کا راستہ ضرور واضح ہو جائے گا۔ جس طرح وہاں حضور علیہ السلام کے نماز میں قرآن پاک پڑھنے کا بیان تھا، اسی طرح یہاں بھی قیام الیل اور قرآن پاک پڑھنے کا بیان ہے۔ قرآن کریم کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ اُسے نماز میں پڑھا جائے اللہ تعالےٰ نے اس سورۃ میں اِس کے پڑھنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ تو یہ بھی اس سورۃ کی سابقہ سورۃ کے ساتھ مناسبت اور ربط ہے۔

زمانہ نزول

یہ سورۃ قرآن کریم کی نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ مزمل کا پہلا رکوع نزول کے اعتبار سے تیسرے نمبر پہ آتا ہے پہلے اور دوسرے رکوع میں بارہ مہینے کا فرق ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ تفسیر اتقان[1] میں اور دوسرے مفسرین بھی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پہ سب سے پہلی وحی جو غارِ حرا میں نازل ہوئی، وہ سورہ اِقْرَأْ کی پہلی پانچ آیتیں ہیں یعنی اِقْرَأْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ سے لے کر مَا لَمْ یَعْلَمْ تک۔ اس کے متصل دوسرے نمبر پہ سورۃ فاتحہ بھی وہیں نازل ہوئی۔ اور آپ کو وضو کا طریقہ بھی وہیں بتلایا گیا۔ نزول وحی سے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ اور ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ نے نماز ادا کی۔ نزول کے تیسرے نمبر کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ تیسرے نمبر پہ سورۃ نٓ نازل ہوئی، مگر صحیح بات یہ ہے کہ تیسرا نمبر اس سورۃ کا ہے۔ یعنی تیسرے نمبر پہ سورۃ مزمل کا پہلا رکوع نازل ہوا، اس کے بعد سورۃ مدثر، پھر سورۃ نٓ اور پھر دوسری سورتیں

اسلام کا انقلابی پروگرام

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک انقلابی پروگرام دیا ہے۔ اس سورۃ میں ارشاد ہے

---

[1] اتقان ص۲۴ ج۱ طبع لاہور۔ مظہری ص۳۰۰ ج۱۰ [2] مسند احمد ص۳۷ ج۴ تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ ص۳۳

Marfat.com

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی اے کمبل یا لحاف اوڑھنے والے کھڑے ہوں رات کے وقت اور نماز ادا کریں۔ سورۃ مدثر کے الفاظ ہیں قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی آپ کھڑے ہوں اور اللہ کی مخلوق کو بُرے نتائج سے خبردار کریں۔ تو گویا نزول کی طبعی ترتیب بھی یہی ہے۔ کہ پہلے رات کو نماز کے ذریعے ذاتی تکمیل کا حکم ہوا ہے اور اس کے بعد انذار کے ذریعے مخلوق خدا کی تکمیل کا ذکر ہے۔ تو گویا اس سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لیے جماعت کی تیاری اور اُس کے پروگرام کا ذکر کیا ہے۔ انقلاب ایک فرد واحد کے بس کی بات نہیں اس کے لیے جماعت کی ضرورت ہے۔ وہ کون سی جماعت ہے اور اُسے کس قسم کی تربیت کی ضرورت ہے اس سورۃ میں یہی باتیں بیان کی گئی ہیں جیسا کہ سورۃ کے دوسرے رکوع میں موجود ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ اس آیت میں طائفہ سے مراد وہی گروہ صحابہ ہے جو آپ کے ساتھ تھا۔

قرآن کریم یا انبیاء علیہم السلام کا پروگرام انقلابی پروگرام ہوتا ہے۔ انقلاب کا معنی تبدیلی پیدا کرنا ہے، یعنی سابقہ غلط روش یا غلط عقیدہ یا بد اخلاقی کو تبدیل کرنا ہے اور اس قسم کا انقلاب ایک تربیت یافتہ جماعت ہی برپا کر سکتی ہے۔

انقلاب کے لیے معیاری تربیت کی ضرورت ہے

الغرض دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لیے پہلی منزل تربیت ہے اگر انقلاب لانے والوں کو معیاری تربیت حاصل نہ ہو، تو وہ کوئی اچھا انقلاب نہیں لا سکیں گے، بلکہ فساد برپا کریں گے جیسا کہ غیر اسلامی حکومتیں کرتی آئی ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم میں جاپان میں کیا ہوا تھا۔ وہی جاپان جس کا وزیر اعظم کل مر گیا ہے۔ وہ جاپانی النسل تھا، مگر عیسائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ ہم نے اخباروں میں پڑھا۔ آپ نے بھی پڑھا ہو گا، آپ کو یاد ہو گا کہ امریکہ کے جاپان پر حملے کے نتیجے میں سوا لاکھ جاپانی عورتیں حاملہ ہوئی تھیں اور پھر ان کے بچے پیدا ہوئے۔ یہ تعداد وہ ہے جن کے بچے پیدا ہوئے، اور جن کے نہیں ہوئے اُن کا آپ خود اندازہ لگا لیں، تو یہ تھا وہ انقلاب جو امریکی سپاہیوں نے حرام کاری کی صورت میں جاپان میں برپا کیا۔ اس کے بعد اُن بچوں کی حفاظت کا مسئلہ پیدا ہوا، تو امریکہ نے جاپانیوں کو امریکہ میں رہائش کے کچھ حقوق بھی دیے، تو بہر حال بغیر تربیت کے انقلاب برپا کرنے کا یہ حشر ہوا اس مقام پر وہ اصول بتائے جا رہے ہیں۔ جن کے مطابق حضور علیہ السلام اور آپ کی جماعت

Marfat.com

طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کی تربیت مطلوب ہے۔ قابلِ غور یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے دنیا میں کس قسم کا انقلاب برپا کیا۔ تو یہ گویا انقلاب کی تیاری کی منزل ہے۔ جس میں ذاتی تکمیل یعنی اپنی اصلاح مقصود ہے۔ جب یہ پہلا مرحلہ طے ہو جائے گا تو پھر دوسرا مرحلہ اصلاح عالم کا آئے گا۔ جہاں کی اصلاح وہی لوگ کر سکتے ہیں، جن کی اپنی ذاتی اصلاح ہو کر روحانی ترقی نصیب ہو چکی ہو۔ اسی لیے امام رازیؒ، امام بیضاویؒ جیسے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں انسانوں کی قوتِ نظری اور قوتِ عملی کی تکمیل کرتے رہے۔ جب یہ تکمیل ہو جاتی ہے تو انسان انقلاب برپا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور اگر اپنی ہی اصلاح نہیں ہوئی تو دوسروں کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ وہی مرحلہ ہے جس میں ذاتی اصلاح کی ضرورت ہے۔

لفظ مزمل کے معانی

لفظ مزمل کے دو معنے آتے ہیں اور دونوں ہی اس مقام پر صادق آتے ہیں۔ زَمَّلَ اوپر کپڑا اوڑھ لینا جس سے مزمل ہے یعنی کپڑا اوڑھنے والا۔ دوسرا تَزَمَّلَ ہے۔ زمیل ساتھی کو کہتے ہیں اور مزمل ساتھی اکٹھا کرنے والے کو۔

پہلا معنیٰ تو عام ہے جیسا کہ احادیث اور تفاسیر کی کتابوں[1] میں موجود ہے کہ ابتداء میں جب حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی، تو اس کی دہشت تھی چونکہ یہ نئی چیز تھی اور طبیعت پر بوجھ تھا، جسم مبارک پر کپکپی طاری تھی۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے، اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے، مجھ پر کپڑا ڈال دو، کمبل اوڑھا دو۔ لہٰذا حضرت خدیجہؓ نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا لفظ مزمل کا ایک معنیٰ تو یہ ہے، یعنی کمبل اوڑھنے والے۔ بعض[2] روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپ نے لوگوں کے سامنے نزولِ وحی کا اظہار کیا، تو مخالفین نے طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ جیسا کہ سورۃ نٓ میں گزر چکا ہے، کسی نے مجنوں کہا، کسی نے شاعر کہا اور کسی نے کاہن کہا۔ ان باتوں سے آپ کو غم لاحق ہوا اور آپ کمبل اوڑھ کر گھر میں لیٹ گئے۔

قیام اللیل کا حکم

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کہہ کر خطاب کیا یعنی اے کمبل اوڑھنے والے

---

[1] مظہری ص۱۰۲ ج۱۰ روح المعانی ص۱۷۸ ج۲ [2] مظہری ص۱۰۲ ج۱۰ ابن کثیر ص۴۳۴ ج۴

Marfat.com

قُمِ الَّيْلَ یعنی آپ رات کو کھڑے ہوں اِلَّا قَلِيْلًا مگر تھوڑا حصہ۔ کھڑا ہونے سے مراد نماز کے لیے کھڑا ہونا ہے تاکہ اس سے آپ کو روحانی ترقی حاصل ہو اور تکمیلِ ذات ہو سکے اور اس سے آئندہ پیش آنے والے مشکل کام میں آپ کو آسانی ہو۔ لفظ مزمل کا دوسرا معنیٰ یعنی ساتھی تلاش کرنے والا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اے ساتھی تلاش کرنے والے آپ رات کا تھوڑا حصہ نماز کے لیے کھڑے ہوں نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا نصف یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے زیادہ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

قیام اللیل کی فضیلت

چنانچہ رات کے وقت ادا کی جانے والی نماز کے لیے قیام الیل کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی[1] ہے عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ یعنی اے ایمان والو! تم بھی رات کے وقت کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے۔ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ اور تمہارے لیے قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے وَمَكْفَرَةٌ لِّلسَّيِّاٰتِ وہ گناہوں کو مٹانے والی ہے وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ لہٰذا تم بھی رات کی نماز یعنی تہجد پڑھا کرو۔

ترتیلِ قرآن

اور نماز میں قرآن پڑھنے کا اسلوب یہ ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا یعنی قرآن پاک ترتیل سے پڑھیں۔ ترتیل سے مراد ہے آہستہ آہستہ، واضح واضح اور صاف صاف کیونکہ اس طریقے سے تلاوتِ قرآن سے اس کا مطلب اور مفہوم سمجھ میں آئے گا تیزی سے پڑھنا بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ روایت[2] میں آتا ہے۔ تم میں سے تلاوت کرتے وقت کسی کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیئے کہ جلدی میں اخیر تک عبور کر جاؤں، بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[3] میں آتا ہے کہ قرآن پاک اس طرح نہ پڑھو، جس طرح ردی کھجوریں پھینکی جاتی ہیں۔ یا جیسے شعر گوئی کی جاتی ہے۔ بلکہ اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیئے تاکہ ذہن پر اس کا اثر ہو۔ اور اس کا مفہوم بھی سمجھ میں آجائے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[4]۔ اُس آدمی کا مسلمانی میں کیا حصہ ہوگا جس نے کتاب اللہ کے مفہوم ہی

---

[1] کنز العمال ص۵۶۰ و ص۵۶۱ عن ابی الدرداءؓ وعن جابرؓ وعن ابی امامۃ و ترمذی ص۵۱۰ [2] تفسیر ابن کثیر ص۴۳۴ [3] تفسیر عزیزی فارسی پ۱۹ ص۱۸۰ روح المعانی ص۱۰۴ ج۲۹ [4] مقدمہ فتح الرحمٰن ص۲ مطبوعہ تاج کمپنی۔

Marfat.com

کو نہ سمجھا۔ اور وہ کونسی شیرینی اور مٹھاس حاصل کرے گا جس نے کلام اللہ کے مدلول کو نہ جانا۔ نزولِ قرآن کا اصل مقصد تو اس سے نصیحت اور ہدایت حاصل کرنا ہے، اگرچہ خالی الفاظ کو پڑھنا بھی غنیمت ہے" مگر اصل مقصد نہیں ہے۔ قرآن پاک کو پڑھنے کا بہترین طریقہ، دورانِ نماز پڑھنا ہے۔

قیام اللیل تعلق باللہ کا ذریعہ ہے

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ دنیا میں بہتر انقلاب اس وقت آئے گا جب انقلاب لانے والوں میں اس کی صلاحیت پیدا ہوگی اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہوگا تو گویا قیام الیل اور ترتیلِ قرآن تعلق باللہ کا ذریعہ ہے۔ جب انسان یہ ذریعہ حاصل کر لے گا تو اس میں روحانیت آئے گی۔ وہ مہذّب ہوگا، تربیت یافتہ کہلائے گا اور اسلامی انقلاب برپا کر سکے گا۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان کلام الٰہی نماز میں پڑھے، اس کا مفہوم اپنے ذہن میں بٹھائے اور تعلق باللہ قائم کرے، کیونکہ اس کے بغیر اسلامی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ اور اگر کوئی انقلاب آئے گا تو وہ فساد اور ظلم کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ دنیا میں عدل قائم نہیں ہوگا۔ خدمتِ خلق کی بجائے خدمتِ نفس ہوگی۔ اللہ کی اطاعت کی بجائے شیطان کی اطاعت ہوگی۔ لہٰذا دنیا میں اللہ تعالےٰ کے قانون کو جاری کرنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ سب سے پہلے اللہ کے ساتھ تعلق درست ہو جس کا ذریعہ قیام الیل ہے۔

ثقل قرآن

قیام الیل کے ذریعے ذاتی تکمیل کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا یعنی ہم آپ پر ایک بوجھل بات ڈال رہے ہیں۔ جو کہ کئی طرح سے ہے۔ مثلاً قرآن پاک کے پروگرام کو دنیا میں رائج کرنا ایک بڑا بوجھل کام ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ قرآن کو پہلے اپنے اندر جذب کرنا بجائے خود ایک ثقل ہے۔ بخاری[1] شریف کی روایت میں ہے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو اس سے اس قدر تپش پیدا ہوتی تھی کہ سخت سردی میں پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے۔ اور اگر آپ کا سر مبارک کسی کی ران پر ہوتا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ران ٹوٹی جا رہی ہے۔ احادیث میں حضرت زیدؓ یا حضرت علیؓ کی ران پر آپ کے سر مبارک رکھنے کے واقعات ملتے ہیں[2]۔ اسی طرح سواری کی حالت میں اگر وحی نازل ہوتی تھی، تو اونٹنی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ حضور

---

[1] بخاری ج۲ ترمذی ص۵۲۳ [2] ابن کثیر ج۴ ص۴۳۵۔

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک اونٹنی بڑی مضبوط تھی اور نزول وحی پر اُسکی بھی یہ حالت ہوتی تھی کہ گردن اور پاؤں اکڑ جاتے تھے اور وہ اس طرح کھڑی ہو جاتی تھی۔ جیسے بہت بڑا وزن پڑ گیا ہو[1]

نزول وحی کی کیفیت اس قدر ثقیل ہوتی تھی کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ نزول وحی کے وقت انخلاع ہوتا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں انخلاع بشریت سے ملکیت کی طرف منتقلی کا نام ہے۔ اور اس طرح گویا فرشتے کے ساتھ مناسبت پیدا ہونے سے بڑا بوجھ پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ مخالفین کے طعن کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اسی لیے اگلی آیتوں میں فَاصْبِرْ کا حکم بھی آتا ہے مزید برآں قرآن کریم کا پڑھنا پڑھانا۔ اس کے احکام کا اجرا کرنا، اس کی تعلیم کو عام کرنا، جماعت کو منظم کرنا یہ تمام امور قَوْلًا ثَقِيلًا میں آتے ہیں۔

اسی لیے فرمایا کہ ہم آپ پر طویل ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا پہلے آپ اپنی تکمیل کر لیں اور روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہو جائیں۔ آپ کی جماعت کی تربیت بھی اسی درجہ کی ہونی چاہیئے کہ اُن میں ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

قیام اللیل کی حکمت

اگلی آیت میں وہ حکمت بھی بیان کر دی ہے جسکی بنا پر رات کو قیام کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً بے شک رات کو اٹھنا روندنے کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے۔ مطلب یہ کہ رات کے وقت اٹھ کر نماز پڑھنا بڑا دشوار کام ہے۔ ویسے تو عام نماز پڑھنا بھی بڑا مشکل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ یعنی نماز کی ادائیگی بڑا بوجھل کام ہے۔ سوائے خوف خدا والوں کے۔ جس انسان میں خشیت کا جتنا مادہ ہو گا، اتنا ہی وہ نماز کا پابند ہو گا، ورنہ منافق قسم کے آدمی کے لیے یہی نماز بوجھ ہے۔ نماز پڑھنے سے اسے راحت میسّر نہیں آتی۔ بلکہ بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ یہ تو عام نمازوں کی بات ہے مگر رات کے وقت جب کوئی آرام کو چھوڑ کر تہجد کے لیے بیدار ہوتا ہے، تو یہ اُس کے نفس کے لیے گویا روندنے والی چیز ہوتی ہے بس یہی ہے وہ تربیت جس کی قرآنی پروگرام پر عمل کرنے کے لیے ضرورت ہے۔ جب انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا لے گا، تو وہ جس میدان میں بھی جائے گا۔

---

[1] ابن کثیر ص ۴۳۵ ج ۴

Marfat.com

کامیاب ہوگا۔ اسی لیے فرمایا آپ کا رات کے وقت اٹھنا زیادہ شدید ہے، روندنے کے اعتبار سے رات کے پرسکون ماحول میں جو بات زبان سے نکلتی ہے، وہ مؤثر ہوتی ہے کیونکہ دن کے وقت شور و شغب کی وجہ سے پوری دلجمعی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ رات کو نماز میں قرآن پاک کی تلاوت بڑی مؤثر چیز ہے۔

اسی بات کو واضح کیا کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا بے شک آپ کے لیے دن کے وقت بہت سے اشغال ہیں منجملہ ان کے عبادات، جہاد کی تیاری، مقدمات کا تصفیہ، حقوق کی ادائیگی، عوام الناس سے میل ملاقات، تبلیغی پروگرام پر عمل درآمد، بیرونی وفود سے گفت و شنید وغیرہ امور ہیں، لہٰذا تکمیل ذات اور حصول روحانیت کا مناسب موقعہ رات کو میسر آسکتا ہے اسی لیے فرمایا کہ آپ رات کو قیام کریں تاکہ تعلق باللہ درست طریقے پر قائم ہو سکے۔

ذکر الٰہی کے ذریعے تجلی الٰہی سے تعلق قائم ہوتا ہے

اس کے بعد وہ اصول بتائے جا رہے ہیں جن کے ذریعے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ یعنی اپنے رب کے نام کو یاد کریں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی صفت، جس کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی تجلی ہوتی ہے تو مطلب یہ ہے۔ کہ ذکر الٰہی کے ذریعے اللہ کی تجلی کے ساتھ تعلق قائم کریں۔ اور یہ تعلق ہی مدار فلاح ہے۔ خصوصاً تجلی اعظم کے ساتھ تعلق جو عرش الٰہی پر پڑتی ہے اور سب چیزوں کو رنگین کرتی ہے۔ تو آخرت میں اس تجلی کے ساتھ جب انسان بلند درجات پر پہنچیں گے۔ تو اس کے ساتھ براہ راست تعلق قائم ہوگا۔ اس وقت انسان اسے سمجھ سکیں گے، اور اس کا عکس محسوس کریں گے۔ یہ تعلق اس مادی دنیا میں محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا حکم ہوا کہ اپنے رب کا نام لیں اور اس کی تجلی کے ساتھ اپنا تعلق قائم کریں۔

الغرض اپنے رب کا نام لیں وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا اور سب سے ہٹ کر صرف اُسی کی طرف الگ ہوں، یہاں الگ ہونا کلیتہً مراد نہیں ہے، کیونکہ دن کے وقت تو باقی تمام امور سرانجام دینا ہوتے ہیں۔ لہٰذا علیحدگی رات کے وقت ہی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ رات کے وقت اٹھیں اور سب سے الگ ہو کر اپنے رب کا نام یاد کریں، نماز پڑھیں تاکہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم ہو۔

باطل قوتوں کے مقابلے میں جماعت حقہ

جس رب کے ذکر کی ترغیب دی جا رہی ہے، اُس کی صفت کاملہ یہ ہے کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ یعنی مشرق و مغرب کا رب وہی ہے۔ مشرق میں ایران اور مغرب میں روم دو بڑی

Marfat.com

سلطنتیں تھیں، انہوں نے دنیا میں بڑا فساد مچا رکھا تھا، اور ان کو ملیا میٹ کرنا حضور علیہ السلام کے پروگرام میں شامل تھا۔ آج بھی دنیا میں دو حکومتوں نے فساد برپا کر رکھا ہے، ایک اشتراکی نظام کی حامل اور دوسری سرمایہ دارانہ نظام کی۔ یہ دونوں ظالم حکومتیں اپنا اُلّو سیدھا کرنے کیلئے کمزور ملکوں کو استعمال کرتی ہیں۔ کسی زمانے میں برطانیہ اپنی طاقت اور وسعت کی بنا پر برطانیہ عظمےٰ کہلاتا تھا۔ اب اللہ تعالےٰ نے اُس کی بداعمالیوں کی بدولت اُسے سکیڑ دیا ہے ——— اور کمزور کر دیا ہے۔ اب اس کا جانشین امریکہ ہے۔ وہ بھی انگریز ہیں۔ یہ روسی بھی بگڑے ہوئے انگریز ہیں، یہودی اور نصرانی ہیں مسخ ہو چکے ہیں۔ یہی حال حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ کسریٰ و قیصریٰ، دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ساری دنیا دو حصّوں میں بٹی ہوئی تھی۔ آدھی قیصر کے ساتھ اور آدھی کسریٰ کے ساتھ انہوں نے دنیا میں فساد مچا رکھا تھا، جس کا نقشہ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ[1] میں کھینچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں تھا کہ ان دونوں ظالم حکومتوں کو درہم برہم کر کے اُن کی جگہ نبی امی کو کھڑا کیا جائے اور ایسی جماعت کو برسرِ اقتدار لایا جائے، جن میں ظالم حکومتوں والی کوئی خرابی نہ ہو لَا شَرْقِیَّہ وَلَا غَرْبِیَّہ یعنی ایسی جماعت جس میں مشرقیوں والی برائیاں ہوں، نہ مغربیوں والی خرابیاں۔ وہ ایسی جماعت ہو۔ جو چست و چالاک مستعد اور جفاکش ہو اور پھر اُن کی تربیت اس طرح کی جائے کہ ان کے ذریعے دنیا میں انقلاب پیدا کیا جائے۔

معبود اور کارساز اللہ کی ذات ہے

فرمایا کہ مشرق و مغرب کا رب وہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مشرق و مغرب والے شرک میں مبتلا ہیں، کوئی انسان پرستی کرتے ہیں، کوئی اصنام پرستی میں مبتلا ہیں۔ کوئی حیوانات کو پوجتے ہیں تو کوئی مُردوں کی پرستش میں ملوث ہیں، کوئی ملائکہ، جنات اور پتھروں کے پرستار ہیں یعنی ہر حال میں غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں۔ مگر آپ اپنے رب کا نام یاد کریں، مشرق و مغرب کا مالک وہی ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ کوئی نافع ہے، نہ ضار، نہ حاجت روا، نہ ہمہ دان، نہ ہمہ بین، نہ ہمہ توان، نہ قادر مطلق، نہ علیم کل اور نہ مشکل کشا، فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۝ اسی کو اپنا کارساز پکڑو۔ مادی وسائل کو اختیار کرو مگر ان پر بھروسہ نہ کرو۔ بھروسہ صرف خدا کی

---

[1] حجۃ اللہ ص۱۰۵ و ص۱۰۶ طبع رشیدیہ دہلی ازالۃ الخفاء ص۴۶ ج۱

Marfat.com

ذات پر کرو۔ وہ چاہے گا تو اثر پیدا کر دے گا۔ ورنہ سارے اسباب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور کوئی کامیابی نہیں ہوگی لہذا کارساز اُسی کو بناؤ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو گویا یہ اصول بتائے جا رہے ہیں کہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے قیام لیل کرو۔ تربیت حاصل کرو۔ اپنے رب کا نام یاد کرو، تاکہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم ہو۔ مشرق و مغرب کا خدا ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کو کارساز سمجھو، مادیت پر یقین مت رکھو، مخلوق میں سے کسی چیز پر بھروسہ مت کرو۔ اس سلسلے میں اللہ تعالےٰ نے اگلی آیات میں دوسرے اصول بھی بیان فرمائے ہیں۔

Marfat.com

تبٰرک الذی ۲۹
درس دوم

المزمل ۷۳
(آیت ۱۰)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ :- (اے پیغمبر علیہ السلام) آپ صبر کریں ان باتوں پر جو مخالفین کہتے ہیں اور آپ ان کو اچھی طرح چھوڑ دیں ﴿۱۰﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں اللہ تعالےٰ نے پانچ باتیں بیان فرمائیں تھیں۔ اس درس میں چھٹی بات کا تذکرہ ہوگا۔ گذشتہ پانچ امور کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) **قیام الیل** :- ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے پہلا حکم قیام لیل کا دیا ہے۔ اور نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوا، کہ آپ رات کا تھوڑا حصہ نماز کے لیے وقف کریں۔ رات کا تھوڑا حصہ رات کے لحاظ سے بھی ہو سکتا ہے اور انسانی عمر کے اعتبار سے بھی۔ ابتداء میں حکم یہ تھا کہ آپ رات کا زیادہ حصہ عبادت کریں اور تھوڑا حصہ آرام کریں۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی رات کو عبادت کرتے رہتے تھے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور اللہ تعالےٰ نے آسانی پیدا فرمادی۔ چنانچہ دوسرے رکوع میں ارشاد ہوا کہ آپ رات کو اس قدر قیام کریں جس قدر میسّر ہو، مگر یہ قیام ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جنہوں نے دنیا میں کام کرنا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے دین کو قائم کرنا ہے، انقلاب برپا کرنا ہے۔ یہ اُن کی تربیت کا سامان کیا جا رہا ہے اور اُن کو مہذب بنانے کا ذریعہ ہے تاکہ انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ درست رہے۔

اگر تھوڑے حصہ سے مراد عمر کا حصہ لیا جائے، تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ تندرستی اور توانائی کی حالت میں قیام لیل کا اہتمام کریں۔ اور عمر کے کسی حصے میں اگر بیماری آجائے، یا بڑھاپا لاحق ہو جائے تو پھر ضروری نہیں ہوگا عام حالات میں آپ قیام لیل کرتے رہیں۔

(۲) **ترتیلِ قرآن** :- اللہ تعالےٰ نے دوسرا حکم یہ دیا کہ قیام لیل کے وقت قرآن پاک کو ترتیل کے ساتھ پڑھیں۔ ترتیل سے مراد ہے، واضح واضح، ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ کی مکمل ادائیگی کے ساتھ پڑھنا تاکہ اس تلاوت کا دل پہ اثر ہو۔

Marfat.com

(۳) ذکرِ الٰہی :۔ تیرا حکم ذکرِ الٰہی کا دیا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کا نام لیں، اللہ تعالےٰ کا اسم پاک یاد کریں تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تجلی کے ساتھ تعلق قائم ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ کا ہر اسم اور ہر صفت اُس کی کسی نہ کسی تجلی کو واضح کرتی ہے، لہٰذا اُس کا ذکر کرنا اس کی تجلی کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى اُسے جس نام سے بھی یاد کرو، اُس کے سارے نام بھلے ہیں۔ رحمان کے نام سے یاد کرو یا رحیم یا غفار سے یا اُس کے ذاتی نام اللہ کے ساتھ یاد کرو، یہ اس کی صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۴) علیحدگی :۔ چوتھا حکم یہ دیا وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۔ یعنی باقی چیزوں سے الگ ہو کر صرف اسی کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ علیحدگی بھی ضروری ہے تاکہ دلجمعی حاصل ہو۔ جب دن کے وقت دوسرے امور کی سرانجام دہی کرنا ہوتی ہے تو تنہائی میسّر نہیں آتی۔ مگر رات کو قیام کے ذریعہ سے یہ علیحدگی حاصل ہو سکتی ہے اور ہر شخص تمام اشغال سے فارغ ہو کر قیام لیل کی صورت میں کچھ وقت اپنے رب کو یاد کرے۔

(۵) تربیت :۔ پانچویں بات یہ ارشاد فرمائی کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے تربیت ضروری ہے۔ اس تربیت کے ذریعے ہی انسان مہذب، شائستہ اور انقلاب برپا کرنے کا اہل ہو سکتا ہے غیر مہذب اور غیر تربیت یافتہ شخص صحیح انقلاب نہیں لا سکتا۔ بلکہ وہ فساد کرے گا، برائی کو پھیلانے کا سبب بنے گا جس کی اصلاح نہیں ہو گی، اُس کی مغفرت بھی نہیں ہو گی۔ وَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ اس کے لیے ایمان اور اصلاح کی ضرورت ہے اور حالات کی درستگی بھی لازمی ہے جیسا دوسری جگہ فرمایا وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۔ ایک دوسرے کے ساتھ بھی تعلق درست کرو۔ سوسائٹی کو بھی درست رکھو اور اپنے آپ کو بھی تہذیب یافتہ بناؤ۔

یہ بالکل ابتدائی سورۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی تربیت فرما رہے ہیں کہ یہ یہ کام کرو تاکہ تمہاری تربیت ہو سکے، جس کے نتیجہ میں آخرت میں خدا تعالیٰ کی رضا اور تقرب حاصل ہو گا اور دنیا میں بھی اصلاحِ احوال ہو گا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ ہی کو مالک اور متصرف کائنات سمجھو۔ مشرق و مغرب یعنی قیصر و کسریٰ کا مالک وہی ہے۔ یہ قیصر و کسریٰ والے تو جھوٹے لوگ ہیں۔ کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

Marfat.com

فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا لہٰذا اُسی کو اپنا کارساز بناؤ۔ مادیت پر بھروسہ مت کرو۔ کیونکہ مومن اور کافر میں یہی فرق ہے۔ کافر مادے پر بھروسہ کرتا ہے اور مومن اللہ پر توکل کرتا ہے۔ اسباب تو سارے ہی استعمال کرتے ہیں، مومن بھی، کافر بھی اور دہریے بھی، مگر مومن کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ اِن اسباب پر اعتماد نہیں کرتا، ان کو کارساز نہیں سمجھتا بلکہ کارساز حقیقی اللہ ہی کو سمجھتا ہے۔ برخلاف اس کے کافر تلوار پر اعتماد کرتا ہے مگر مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ تلوار فتح حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے، فتح اللہ کے ہاتھ میں ہی ہے وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مدد منجانب اللہ ہی ہے۔ البتہ اس مادی جہان میں (PHYSICAL WORLD) میں رہتے ہوئے ظاہری اسباب کو ترک نہیں کرنا کہ یہ حرام ہے، مگر اسباب پر اعتماد نہ رکھو۔ جیسے کھانا پیٹ بھرنے کا سبب ہے مگر علت نہیں۔ یہ سمجھنا کہ روٹی سے ہی پیٹ بھرے گا یا پانی ہی سے سیرابی ہوگی، درست نہیں ہے۔ بلکہ ہر شے میں اللہ تعالےٰ کا حکم اور اس کا ارادہ کارفرما ہے۔ اللہ تعالےٰ چاہے گا۔ تو ظاہری اسباب میں اثر پیدا کر دے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ شفا دینے والی دوائی ہے بلکہ لَا شَافِیَ اِلَّا هُوَ شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دوائی کا استعمال تو ظاہری سبب ہے دوائی میں اثر پیدا کرنا مالک الملک کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لہٰذا اُسی کو ہی اپنا کارساز بناؤ۔ یہ تمام باتیں تربیت کے ضمن میں بیان کر دیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کا اِن آیات میں پانچواں حکم ہے۔

صبر کی تلقین

(۶) **صبر**:- اِس ضمن میں اللہ تعالےٰ نے چھٹی بات یہ فرمائی وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ صبر کریں اِن باتوں پر جو مخالفین کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے بات آپ کے ساتھیوں کو سمجھائی جا رہی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی آپ صبر کریں اور خدا سے صبر کی توفیق مانگیں۔ کیونکہ اُس کی توفیق کے بغیر صبر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا پاک کلمہ موجود ہے۔ اس کے ذریعے سے بھی اللہ سے توفیق طلب کی جاتی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ صبر کے تین محل ہیں، پہلا محل مصیبت کی آمد پر ہوتا ہے، اُس وقت صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جزع فزع نہ کرے بلکہ تکلیف کو برداشت کرے۔ جس انسان کا تعلق

لہ احیاء العلوم ص۷۱ تا ۷۲ ج ۴

اللہ تعالےٰ کے ساتھ قوی ہوگا، وہ برداشت کرے گا۔ وہ سمجھے گا کہ یہ سب تصرف خدا تعالےٰ کا ہے کیونکہ مصیبت کو لانا اور اُس کو ہٹانا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لہٰذا جس کا عقیدہ درست ہوگا اس کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہوگا، اور وہ صبر کرے گا۔ اور جس کا تعلق خدا تعالےٰ سے کمزور ہوگا یا بالکل نہیں ہوگا اور وہ معصیت میں ڈوبا ہوا ہوگا، وہ صبر نہیں کر سکے گا۔ اِسی لیے فرمایا کہ مصیبت کے آنے پر صبر کرو اور اسے برداشت کرو۔ دوسری جگہ فرمایا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ یعنی مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ نماز تعلق باللہ کا قوی ذریعہ ہے۔ اسی ضمن میں مزید حکم ہوا کہ مصیبت کے وقت یوں کہا کرو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یعنی ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لہٰذا اللہ تعالےٰ کے فیصلے پر راضی ہونا چاہیئے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا[1] اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى صبر وہ ہے جو مصیبت کے آنے پر پہلے کیا جائے۔ اگر مصیبت آنے پر جزع فزع شروع کر دی، بے صبری کا اظہار کیا۔ اور بعد میں تھک ہار کر کہا کہ اچھا جی صبر ہی ہے۔ تو یہ کوئی صبر نہیں۔

صبر کے تین مادے

صبر کا پہلا مادہ تو وہی ہے جو پہلے بیان ہوا یعنی مصیبت کے آنے پر صبر کا اظہار کرنا اِن معانی میں کہ مصیبت کو لانے والا اور اِسے دور کرنے والا _____ اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ تو اس لحاظ سے صبر بہت بڑی چیز ہے۔ ملتِ ابراہیمی اور دینِ اسلام میں صبر بڑے بڑے اصولوں میں سے ہے۔ صبر، شکر، ذکر، تعظیمِ شعائر اللہ یہ سب بڑے بڑے اصول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی صبر کرنے والے کو اللہ تعالےٰ بے حد و شمار اجر عطا فرمائے گا۔

صبر کا دوسرا مادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا ہے۔ خدا کی اطاعت بغیر صبر کے نہیں ہو سکتی۔ صبر کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا، حج نہیں کر سکتا، روزہ نہیں رکھ سکتا۔ تو گویا اپنے آپ کو اطاعت پر جمانا اور ثابت قدم رہنا صبر کا دوسرا مادہ ہے۔

---

[1] مسلم ص۳۱۰ ج۱)

Marfat.com

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تیسرا مادہ اپنے نفس کو برائی اور معصیت سے روکنا ہے۔ نفس ہمیشہ آزادی چاہتا ہے اور برائی کی طرف مائل ہوتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ لہذا نفس کو نفسانی خواہشات اور برائی سے روکنا صبر ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ہ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ یعنی جو شخص خدا کے سامنے کھڑا ہونے یعنی محاسبے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا، تو اس کا ٹھکانا جنت الماویٰ ہوگا۔

مخالفین کی الزام تراشیاں

مخالفین کی جن باتوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، وہ کیا ہیں۔ مثلاً پہلی سورتوں میں گذر چکا ہے کہ وہ کہتے تھے اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ یعنی آپ نعوذ باللہ مجنون ہیں۔ حالانکہ خدا کا نبی اعقل الناس یعنی تمام نوع انسانی سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے۔ تمام لوگوں سے زیادہ دانشور، دانا اور ذہین ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ جس قدر ذہانت نبیوں کو عطا کرتا ہے، باقی مخلوق کو اُس کا عشر عشیر بھی نہیں دیتا۔ مگر مخالفین آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔ اور جب دیکھتے تھے۔ کہ کیا دیوانوں کے حالات، نظریات، خدمت خلق اور عبادت ایسی ہوتی ہیں تو پلٹ کر کہہ دیتے تھے کہ آپ کاہن ہیں۔ جب دست شناسی کرنے والوں سے مقابلہ کیا، جو انتہائی خود غرض اور جھوٹے ہوتے ہیں تو پھر بھی بات نہ بنی کیونکہ آپ کے اخلاق حمیدہ تو روز روشن کی طرح عیاں تھے، لہذا شاعر کہہ دیا۔ یہ شخص شاعری کرتا ہے اور اس کا کلام بڑا موثر ہے مگر جب شاعروں والی صفات بھی نہ پا سکے تو ساحر یعنی جادوگر کا خطاب دے دیا۔ کسی بدبخت نے کہہ دیا کہ اس پر جادو کیا گیا ہے۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا کہنے لگے یہ سحر زدہ آدمی ہے، اس کی بات نہ مانو۔

مخالفین بعض اوقات معبود برحق کے بارے میں طعن کرتے۔ کبھی پیغمبر کی ذات اور آپ کی جماعت پر طعن کرتے۔ جب مومن پاس سے گذرتے تو اُن پر ٹھٹھا کرتے۔ جیسے فرمایا اِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ یعنی کافر ایک دوسرے کو اشارے کرتے۔ اور کہتے یہ حوروں کے خاوند جا رہے ہیں، جنت کے مالک جا رہے ہیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے رہنے کے لیے گھر نہیں ہیں مگر جنت کے مالک ہیں۔ اس قسم کے تمسخر کرتے اور بیہودہ باتیں بناتے۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ مخالفین کی باتوں پر صبر کریں۔

مخالفین کی ایذا رسانیاں

مخالفین کی ایذا رسانیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا یعنی مسلمانوں کو اہل کتاب اور مشرکین کی زبانی بڑی

تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی، مگر اس کا علاج یہی بتایا اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا کہ اگر تم صبر کرو گے خدا تعالےٰ سے ڈرتے رہو گے، بُرائی کا جواب نیکی سے دو گے۔ بد اخلاقی کا جواب حسنِ اخلاق سے دو گے، تو پختہ بات یہ ہے کہ تم کامیابی سے ہم کنار ہو جاؤ گے۔

ایذا رسانی کی مثالیں آج کے زمانے میں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد احمد آباد میں ایک انگریز نے اپنے کتے کا نام "احمد" رکھا (العیاذ باللہ) اس بدبخت کے خلاف ساری دنیا میں احتجاج ہوا اور آخر میں اس نے معافی مانگ لی، افسوس کا اظہار کر دیا (I AM SORRY) مجھے علم نہ تھا، میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ یہ محض ایذا پہنچانے والی بات تھی، ورنہ اسے کسی چیز کا علم نہ تھا۔ جس پاک ذات کو دنیا کے کروڑہا انسان اپنا رہبر و راہنما مان رہے ہیں اور جس کا چرچا تمہارے درمیان بھی ہوتا ہے، کیا اُس کا تمہیں علم نہیں تھا۔

اسی طرح ایک خبیث جرمنی انگریز نولڈک نامی گذرا ہے، اُس نے کہا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد کو مرگی کے دورے پڑتے تھے اور اس دورے کی حالت میں وہ جو کچھ بڑبڑاتے تھے اسے لوگوں نے قرآن بنا لیا (معاذ اللہ) یہ تو آج کے تعلیم یافتہ دور کی باتیں ہیں اور اُس وقت کے مشرکین تو تھے ہی جاہل وہ پیغمبر علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ باتیں بناتے تھے۔ کبھی کہتے مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اُن کے نزدیک کھانا پینا اور چلنا پھرنا معیوب بات تھی، اُن کا خیال تھا کہ نبی کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر زمین میں بسنے والے فرشتے ہوتے تو ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے، لیکن زمین پر چونکہ انسان آباد ہیں، اس لیے اُن کی طرف نبی بھی انسان ہی آئے گا۔ کیونکہ انسان دوسری جنس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسوہ نہیں پکڑ سکتا۔ اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی تمہارے لیے رسول بہترین نمونہ ہے۔ تو بہرحال مخالفین اس قسم کی باتوں سے ایذا پہنچاتے تھے۔

مخالفین سے قطع تعلقی

الغرض اِن تمام تر الزام تراشیوں اور ایذا رسانیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ارشاد فرمایا کہ آپ صبر کریں وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا یعنی آپ

اِن کو اچھی طرح چھوڑ دیں، ان سے الگ ہو جائیں اور ایک حد تک قطع تعلق کر لیں۔ مگر اچھے اور احسن طریقے سے یعنی لڑائی بھڑائی سے نہیں بلکہ اس طریقے سے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تمہارے لیے تمہارا سلسلہ اور ہمارے لیے ہمارا طریقہ ہے مطلب یہ کہ علیحدگی بھی اختیار کرنی ہے تو هَجْرًا جَمِيْلًا والی، مہذب اور شائستہ لوگوں والی، لڑائی جھگڑا تو جاہلوں کا شیوہ ہے لہٰذا اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا یعنی جاہلوں کے پاس سے وقار کے ساتھ گذر جاؤ اور کہہ دو کہ بھائی! تم اپنا کام کرتے رہو، ہم اپنا کام کریں گے فَاعْمَلُوْا اِنَّا عَامِلُوْنَ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون لہٰذا خوش اسلوبی کے ساتھ علیحدگی اختیار کریں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1]۔ کہ یہ اُن سے ترک تعلقات بھی ظاہراً کریں اور دل میں یہی خیال کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت ہی دے دے تو اچھا ہے۔ دل سے قطع تعلق نہ کریں۔ دل سے ان کے لیے ہدایت کی دعا ہی کریں۔ نیز لوگوں کے سامنے اُن کی بدسلوکی کا شکوہ بھی نہ کریں۔ ہاں اللہ کے حضور التجا کر سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ عوام کے سامنے شکوہ نہ کریں۔ کہ ہجر جمیل کے منافی ہوگا۔ ہاں! قطع تعلقی کے باوجود جب بھی موقع ملے خیر خواہی کی بات کرتے رہو، کلمہ حق کہتے رہو، اور ان سے اظہار ہمدردی کرتے رہو کہ اسی کا نام ہجر جمیل ہے۔

جماعتی تنظیم کی اہمیت

یہاں پر ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ صبر کی اس لیے بھی ضرورت ہے۔ کہ مسلمانوں کی جماعت میں ابھی پوری طاقت نہیں ہے۔ ابھی جماعت کی تربیت اور تنظیم کی ضرورت ہے، اُس کی طرف توجہ دیں اور ان کی تکالیف پر صبر کریں۔ دوسری جگہ موجود ہے۔ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یعنی ان سے کہا گیا کہ ابھی ہاتھ نہیں اٹھانا۔ مقابلہ نہیں کرنا۔ بلکہ نماز پڑھتے رہو۔ تربیت حاصل کرو اور جماعت کو منظم کرو۔ جب یہ مراحل طے ہو جائیں گے اور مقابلے کے قابل ہو جاؤ گے، تو اس وقت مقابلہ بھی ہوگا اور ان کو سزا بھی دی جائے گی۔ تو گویا مکی زندگی کا سارا دور تنظیم و تربیت کا دور ہے۔ اور اس کے بعد آخری مرحلہ مدینہ طیبہ میں ہجرت کا آیا۔ نبیوں کی زندگی میں ہجرت آخری موڑ ہوتا ہے۔ اب ہر چیز برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ وطن، مال، جائداد ہر چیز کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا

---

[1] تفسیر عزیزی ص ۱۹۳ تا ص ۱۹۴ پ ۲۹

اور اب ان مظلوموں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ ظالموں کا محاسبہ کریں اب ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچکر تنظیم و تربیت کا کام مکمل ہوا، تو مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ مکی دور میں برداشت اور صبر و تحمل کی تلقین ہی کی گئی کیونکہ جماعت منظم نہیں تو مقابلہ میں شکست کی صورت میں مشن ہی ختم ہونے کا ڈر ہے۔ ہر چیز کی کامیابی کا ایک معین وقت ہوتا ہے۔ لہذا آپ کو ارشاد ہوا کہ فی الحال آپ ہجر جمیل اختیار کریں، جب موقع آئے گا تو مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

Marfat.com

تبارک الذی ۲۹

درسِ سوم

المزمل ۷۳
آیت ۱۱ تا ۱۴)

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا
وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ
وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ :۔ اور آپ مجھے چھوڑ دیں اور ان جھٹلانے والوں اور دولت والوں کو بھی چھوڑ دیں اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ﴿۱۱﴾ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم کی آگ ہے ﴿۱۲﴾ اور گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے ﴿۱۳﴾ جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی مانند منتشر ہو جائیں گے۔ ﴿۱۴﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ چھ اصول بتائے ہیں، جن کے ذریعے دنیا میں انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ اس انقلابی پروگرام کے متعلق سورۃ توبہ[1] اور سورۃ فتح میں ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ) یعنی اس پروگرام پر عمل کرنے کے لیے اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔ تاکہ اس کو سارے دینوں کے مقابلے میں غالب کر دے۔ ان مبینہ اصولوں میں رات کا قیام، قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھنا، رب تعالیٰ کے اسم کو یاد کرنا۔ کچھ علیحدگی اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو قوی بنانا، خدا تعالیٰ کو مالک اور متصرف سمجھنا، اُس کو معبود برحق جاننا اور اُسی کو کارساز سمجھنا۔ اور ایک اہم اصول صبر کا کہ اس راستے میں جو بھی تکلیف آئے اُس کو برداشت کرنا اور لوگوں سے احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کرنا شامل ہیں۔

مکذبین کے لیے مہلت

اب اگلی آیات میں مخالفت کرنے والے لوگوں کے متعلق ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ یعنی آپ مجھے چھوڑ دیں اور ان جھٹلانے والوں اور دولت والوں کو بھی چھوڑ دیں۔ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ مطلب یہ کہ مجھے چھوڑ دیں، میں ان سے خود سمجھ لوں گا یعنی سزا دوں گا۔ آپ ان کے متعلق

[1] توبہ ۲۳ پ۱۰ سورہ صف ۹ پ۲۸ سورۃ فتح ۲۸ پ۲۶۔

Marfat.com

جلد بازی نہ کریں اور یہ خیال نہ کریں کہ ان کو فوراً سزا ملنی چاہیئے، یہ میرا کام ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ آپ کا کام خدا کا پیغام پہنچانا ہے، مجرموں کو سزا دینا ہمارا کام ہے۔ ہم اپنی حکمت کے مطابق سزا دیں گے۔

سزا کے دو طریقے ہیں۔ حق کے پروگرام کی مخالفت کرنے والوں کو دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو یونہی نہیں چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ یہ مکذب ہیں۔ بعض اوقات اللہ دنیا میں ہی جہاد کے ذریعے سزا دے دیتے ہیں یا پھر کسی دوسرے خارجی ذریعہ یعنی افتاد اور مصیبت کی صورت میں سزا مل جاتی ہے۔ اور آخرت کی سزا تو ابھی باقی ہے۔ وہ آگے چل کر ملے گی۔

اولی النعمۃ کی تفسیر

تو فرمایا آپ ان جھٹلانے والے صاحب دولت لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کہ سچے عقیدے اور سچے دین کی مخالفت میں یہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں۔ ہم ان سے باز پرس کریں گے۔ دنیا میں بھی ان کو مصیبت میں مبتلا کریں گے اور آخرت میں بھی جواب طلبی ہوگی۔ یہ کہتے ہیں کہ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ یعنی ہمارے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہے ہمیں کوئی سزا نہیں مل سکتی۔ قرآن پاک میں موجود ہے اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یہ لوگ مال جمع کرتے اور گنتے رہتے ہیں۔ انہیں آرام و آسائش کی ساری چیزیں میسر ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، قیامت کے عقیدے کو جھٹلانے والے مترفین ہیں یعنی آسودہ حال لوگ ہیں۔ فرمایا آپ ان کو چھوڑ دیں اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم کی آگ ہے۔ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے۔ وَعَذَابًا اَلِيْمًا اور دردناک عذاب ہے۔ ہم ان کو ان میں مبتلا کریں گے۔

دولتمند ہر زمانے میں اولین مکذبین رہے ہیں

یہ آسودہ حال لوگ جو توحید، قیامت اور رسالت کو جھٹلاتے ہیں، یہ ہمیشہ سب سے پہلے تکذیب کرنے والوں میں ہوتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اللہ نے جتنی بھی قوموں کا ذکر کیا ہے۔ اولین مکذبین یہی دولت مند ہوئے ہیں۔ وہ خیال کرتے تھے کہ سرداری کا حق ہمارا ہے۔ ہم انسان کو رسول کیسے مان لیں۔ اور کیوں اس کی اطاعت کریں لوط علیہ السلام کی قوم نے کہا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ہم اس ایک انسان کی اتباع کیسے کریں۔ جب کہ اسے کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں۔ ہمارے پاس ہر قسم کا سامان موجود ہے۔ اور یہ قلاش ہے۔

Marfat.com

ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا مَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ تمہاری کوئی برتری بھی ہم نہیں دیکھتے۔ ہمارے مقابلے میں تمہارے پاس نہ مال و دولت ہے۔ نہ حکومت ہے، نہ فوج ہے۔ گویا اسی طرح مال و دولت اکثر لوگوں کو بہکانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اولین متبعین غریب لوگ ہوتے ہیں

بخاری[1] شریف کی حدیث میں ابوسفیانؓ اور ہرقل کا مکالمہ منقول ہے۔ ہرقل نے پوچھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ اُس کے پیچھے لگنے والے کیسے لوگ ہیں۔ یعنی بڑے لوگ ہیں یا کمزور۔ ابوسفیانؓ نے کہا کہ کمزور لوگ ہیں۔ ہرقل عیسائی مسلک رکھتا تھا۔ پہلی کتابوں کا عالم تھا، اس نے فوراً کہا وَھُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ یعنی رسولوں کے تابعدار ابتدا میں ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ جب کوئی طریق کار نہیں رہ جاتا تو امیر لوگ مجبور ہو کر آخر میں اسلام کی دعوت قبول کرتے ہیں۔ جو آخر تک پیغمبر کی بات کو نہیں مانتے، وہ مقابلہ کرتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرعون، ہامان اور نمرود وغیرہ کا حال مذکور ہے۔ یہی لوگ اولی النعمۃ ہیں۔

سرمایہ پرستانہ ذہنیت

مکے کے بڑے بڑے مخالفین ابوجہل، ولید، ابوسفیان وغیرہ انیس سال تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر میں جب اور کوئی راستہ باقی نہ رہا، تو پھر یا ہلاک ہوئے یا اسلام کا راستہ اختیار کیا۔ یہی دولت مند لوگ تھے جنہوں نے حضور نبی علیہ السلام کا انکار کیا۔ ایسے ہی سرمایہ دار لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ دولت کو نعمت نہیں سمجھتے، نہ حقوق ادا کرتے ہیں، نہ اس کو حاصل کرنے کے لیے جائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ یہی سرمایہ پرستانہ ذہنیت ہے آج کے دور میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ اسی ذہنیت کا شکار ہیں۔ اُن کا واحد مقصد حصولِ زر ہے۔ اُن کے ہاں ذرائع آمدن میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ جیسا کہ پہلی سورۃ میں گذر چکا ہے تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی یا پھر جَمَعَ فَاَوْعٰی دوزخ ایسے ہی لوگوں کو بلائے گی جو منہ پھیر کر پیچھے ہٹنے والے اور ہر طریقہ سے مال جمع کرنے والے ہیں۔ اور سمیٹ سمیٹ کر رکھنے والے ہیں۔

ہاں اگر ذرائع آمدن جائز ہوں اور اس میں سے حقوق بھی ادا کیے جائیں، تو ایسا شخص سرمایہ پرست نہیں ہوگا، بلکہ خدا پرست ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ ارشاد ہوا ہے۔ لَا تَاْکُلُوْا

---

[1] بخاری صفحہ ۱۲۰

Marfat.com

اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ[1] روزگار کے حصول میں جائز راستہ اختیار کرو۔ حرام راستے کے ذریعے مال مت کماؤ۔ ہمارے ہاں تو عام طور پر ذرائع آمدنی میں انشورنس، بنکاری فلم انڈسٹری۔ قمار بازی ہے۔ شراب کے لائسنس، فوٹوگرافی، مجسمہ سازی، گانا بجانا جیسی معروف چیزیں ہیں۔ یہ تمام ذرائع ناجائز اور حرام ہیں۔

حقوق العباد

شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں[2] کہ جب تک ان ناجائز ذرائع سے چھٹکارا حاصل نہ ہو، سوسائٹی کی حالت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اکساب ضارہ میں گداگری، چوری، ڈاکہ، دھوکہ فریب سب کچھ شامل ہیں۔ ایک اچھی حکومت کا فرض ہے۔ کہ ناجائز ذرائع کو ختم کر کے جائز ذرائع مہیا کرے، جن سے دولت کما کر حقوق بھی ادا کئے جائیں۔ مگر یہاں تو حقوق بھی ادا نہیں کئے جاتے، دولت کو تقسیم نہیں کیا جاتا، وراثت کی تقسیم صحیح نہیں ہوتی، لوگ وصیت نہیں کرتے۔ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے جو فرض ہے، قربانی نہیں کرتے جو واجب ہے۔ صدقہ فطر ادا کرنے میں پس و پیش کرتے حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ سائل اور محروم کو حق نہیں دیتے حالانکہ ان دولت مندوں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے حق مقرر کر رکھا ہے۔

جو شخص کمانے میں قانونِ خداوندی کی پابندی کرتا ہے وہ خرچ کرنے میں بھی سرمایہ پرستانہ ذہنیت سے نکل جاتا ہے۔ وہ خدا پرست ہو جاتا ہے۔ یہ سرمایہ دار سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے حق کا اتباع کیا تو ہمارے ذرائع ختم ہو جائیں گے۔ یہود کی مخالفت کی بھی یہی وجہ تھی۔ وہ سرکشی کرتے تھے یہود و نصاریٰ اپنی زبان سے کہتے تھے۔ کہ اگر ہم نے اس نبی کا اتباع کیا تو ہماری ریاست ختم ہو جائے گی۔ مدینے کا سود خوار یہودی کعب بن اشرف سب سے زیادہ مخالفت کرتا تھا۔ کیونکہ اُس کا سودی کاروبار سارے عرب میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسلام قبول کرنے سے اُسے کاروبار سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا[3] کہ آج

---

[1] کنز العمال ص ۱۲، ۱۳، ۱۴ ج ۴ و مشکوٰۃ ص ۴۵۲ بحوالہ بیہقی و شرح السنۃ [2] حجۃ اللہ ص ۴۳ ج ۱ [3] مسلم ص ۲۹۷ ج ۱

Marfat.com

سے سارا سود مٹا دیا گیا ہے۔ آج کے بعد کسی کو سود لینے کی اجازت نہیں۔ جو دیا ہوا ہے، وہ ختم ہے۔ صرف اصل رقم واپس لینے کا حق ہے۔ تو گویا اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے والے سرمایہ دار سچائی کی مخالفت کرتے ہیں۔

ہر جمعہ کے خطبہ میں آپ سنتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یہ سب کیا ہے اس میں تین چیزیں مثبت ہیں اور تین منفی احسان کرنا ضروری ہے۔ مگر یہ لوگ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان نہیں کرتے یہ دولت کو عیاشی، فحاشی اور ذاتی خواہشات کی تکمیل پر صرف کرتے ہیں۔ حکومتیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔ اپنے ذاتی عیش و آرام کے لیے سب کچھ کرتے ہیں۔ قوم عاد کے لوگ کیوں مخالفت کرتے تھے۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا، تم نے یہ بڑی بڑی عمارات بنائی ہوئی ہیں، مینار اور گنبد بنائے ہیں یہ تماشا دولت صرف کی ہے۔ فرعون بھی یہی کرتا تھا۔ اُس زمانے میں عام انسان کو بیل اور گدھے کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ اُن سے کام لیا جاتا تھا مگر اُن کا حق ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ کی یہی حالت تھی۔ ان کے سردار عیش کرتے تھے اور عام انسان ظلم کی چکی میں پستے تھے۔ وہ آج بھی مظلوم ہیں۔ آپ کے ملک میں سیکرٹریٹ کی تعمیر پر اربوں روپیہ صرف ہوا ہے قصر صدر پر پینتالیس کروڑ روپیہ صرف ہوا ہے۔ اُس زمانے میں بھی یہی کچھ تھا۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کوئی بڑا آدمی اس سے کم پر راضی نہیں ہوتا تھا کہ اُس کا باغ ہو، عمدہ حمام ہو، بڑی بلڈنگ ہو، نوکر چاکر ہوں۔ ان لوازمات کے حصول کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز ختم کر دی جاتی تھی۔ لوگوں کو حیوانوں کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ایسی باتیں ہیں۔ جن پر مؤاخذہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ صحیح نظام قائم ہو جائے تو قیام لیل کرنے والی جماعت جو اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور اس کے پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتی ہے ایسے سرمایہ پرستوں سے جواب طلبی کرے گی۔ اور انہیں سزا دے گی۔ اُن سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے لوگوں کے حقوق کیوں تلف کئے۔ جائز و ناجائز کا امتیاز کیوں روا

لہ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۵ ج۱

نہیں رکھا، یہ تو دنیا میں جواب طلبی ہوگی اور آخرت میں اور برزخ میں خدا تعالیٰ سزا دے گا۔

صاحب حکومت لوگ تو بگڑے ہوئے ہوتے ہیں، یہ لوگ صحیح نظام کس طرح قائم کر سکتے ہیں۔ درست نظام تو وہ قائم کریں گے، جن کا تعلق خدا کے ساتھ درست ہوگا۔ ایسے نظام کو قائم کرنے کے لیے جماعت کی ضرورت ہے، اُس جماعت کے افراد کی تربیت کی ضرورت ہے۔ آپ پہلی سورۃ میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ ان لوگوں کو سزا ملنے کی کیا وجہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ یعنی یہ بدبخت دوزخ میں اس لیے جا رہے ہیں۔ کہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے حکم تو یہ تھا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر انہوں نے تو کئی معبود بنا رکھے تھے۔ مذہبی لوگوں کی ناکامی کی وجہ بھی اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ایسے نمازیوں کے لیے جہنم ہے جو صحیح معنوں میں خدا کے انصاف پر یقین نہیں رکھتے وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور مسکینوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتے۔ طعام میں کھانا، پینا، پہننا اور دیگر تمام ضروریات شامل ہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے دولت مند! میں مہمان تھا تو نے میری مہمانی نہیں کی۔ میں بیمار تھا تو نے بیمار پرسی نہیں کی۔ انسانی حیران ہوگا کہے گا اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ تو تو رب العلمین ہے، بے نیاز ہے، تو کیسے بھوکا پیاسا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا۔ تو نے اُس کو کھانا نہیں دیا۔ فلاں بندہ پیاسا تھا، فلاں بیمار تھا۔ اور یہ کمزور آدمی مسافر بن کر تمہارے پاس آیا تھا، تم نے مہمانی نہ کی۔ اگر تم اس کی مہمانی کرتے۔ تو تم کو میری رضا حاصل ہوتی۔ اور آج کامیابی سے ہم کنار ہوتے۔ حکم ہوگا، پکڑو اِن کو، بیڑیاں ڈالو، اور جہنم میں ڈال دو۔ اُس دن اس طرح فیصلے ہوں گے۔

انسان کے بنیادی حقوق

کھانے کا معاملہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بنیادی حقوق ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے قرآن پاک کی آیات بتاتی ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بہشت میں رکھا، تو فرمایا۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ چار چیزیں بیان فرمائیں کہ اے آدم (علیہ السلام) یہاں تم کو بھوک نہیں لگے گی۔ تمہارے کھانے کا سامان ہوگا۔ پیاسے نہیں ہوگے، یہاں پانی ملے گا، برہنہ نہیں ہوگے، لباس ملے گا۔

---

[1] مسلم صفحہ ۲۱۸ ج ۲

Marfat.com

اور یہ کہ دھوپ نہیں لگے گی، تمہیں رہنے کے لیے جگہ ملے گی۔ یہ چار حقوق ہو گئے۔ یہ چار باتیں[1] ترمذی شریف کی روایت میں بھی مذکور ہیں ان کے علاوہ تعلیم اور صحت دو باتیں اور ہیں۔ یہ کل چھ باتیں آج بھی عالمی اداروں میں بنیادی حقوق تسلیم کی جاتی ہیں۔ آج امریکہ والے اور میکسیکو والے بنیادی حقوق کی بات کرتے ہیں یہ تو چودہ سو سال پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں۔ کوئی شخص ان حقوق سے محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ ہر شخص کو رہنے کے لیے جگہ چاہیئے۔ اُسے ضروری تعلیم حاصل ہونی چاہیئے۔ اور اس کی صحت کی حفاظت کی ضمانت ملنی چاہیئے۔ اُس کی خوراک اور لباس کا بندوبست ہونا چاہیے۔ مگر آج یہ حقوق انسان کو نہیں ملتے۔ ایک طبقہ ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور دوسرے محروم رہتے ہیں۔ ہمیشہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ دوسری طرف اشتراکی نظام میں اگر بیکاری کا سدّباب کیا گیا ہے تو وہ ایمان کے پروگرام کو سرے سے ختم ہی کر دیتے ہیں۔ اس نظام کی بنیاد ہی انکارِ خدا اور دہریت پر ہے۔

دینِ اسلام میں دونوں چیزیں ملتی ہیں۔ یہاں تعلق باللہ پہلی منزل ہے پہلے اپنا تعلق خدا کے ساتھ درست کرو۔ اپنا تعلق خدا کی تجلی کے ساتھ جوڑو۔ اس کے بعد بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کرو۔ ایسی ہمدردی جو تعلق باللہ پر مبنی ہو۔ اشتراکی ہمدردی کی کوئی وقعت نہیں یہ ابتدائی سورتیں ہیں ان میں یہ تمام اخلاقیات کی تعلیم موجود ہے۔ یہ سارا پروگرام انہیں مکی سورتوں میں ملتا ہے۔ جہاں ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے میں ساری بات سمجھا دی گئی ہے۔ آگے مدنی سورتوں میں پوری تفصیل آئے گی۔

الغرض اولی النعمۃ کے لفظ کے ذریعہ واضح کر دیا کہ یہ وہی دولت مند لوگ ہیں۔ جو حق کو جھٹلانے والے ہیں۔ نمرود، فرعون، ابوجہل، یہ سب اولی النعمۃ کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہی لوگ نبیوں کا مقابلہ کرنے والے، توحید کے منکر اور بنی نوعِ انسان کے ساتھ ظلم کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہمدردی اور احسان جیسی پسندیدہ چیزوں سے ناواقف ہیں۔

ظلم کا سدباب

شاہ ولی اللہ رح[2] فرماتے ہیں، کہ انبیاء کی بعثت کا ایک اہم مقصد لوگوں کے درمیان سے

---

[1] ترمذی ص۳۳۹ [2] حجۃ اللہ ص۱۵۱ ج۲

Marfat.com

ظلم کو مٹانا ہے۔ ہر شخص کو انصاف میسر ہو۔ آج بنی نوع انسان ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ مگر اس ظلم کو مٹانے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص کھانے پینے، پہننے اور رہائش جیسے بنیادی سامان سے آراستہ نہ ہو، وہ آخرت کے متعلق کوئی فکر نہیں کر سکتا وہ تو انہیں چیزوں کے حصول میں مصروف رہے گا، آخرت کی تیاری کب کرے گا۔ لہذا ایک سچے نظام میں انسان ان بنیادی ضرورتوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ ایسا نظام جس میں عدل و انصاف کی حکمرانی ہو، اور جس میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا گیا ہو۔

انسانی ہمدردی کا پروگرام

حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی[1] ہے لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَبِيتُ شَبْعَانَ وَجَارُهُ إِلَى جَنْبِهِ جَائِعٌ۔ تم میں سے کوئی صحیح ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک تمہارا پڑوسی بھوکا ہو۔ اور تم پیٹ بھر کر کھالو۔ یہی ظلم ہے۔ پڑوسی بھوکا ہے اور تم سوئے ہوئے ہو۔ یہ منافقوں کا ایمان ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ ایسا نظام رائج ہونا چاہیئے۔ جس میں کوئی بھوکا پیاسا نہ رہے۔ کوئی مظلوم نہ ہو، ہر ایک کو عدل و انصاف میسر ہو۔

یہ دولت مند مکذبین اپنی عیش و عشرت میں محو ہیں، انہیں دوسروں کی کیا فکر ہے۔ ان سے باز پرس ہوگی۔ صحیح نظام وہ ہوگا جو خلافت راشدہ کے نمونہ پر ہوگا۔ وہی نظام جو عمر بن عبدالعزیزؒ نے قائم کیا۔ اور ہندوستان میں ناصر الدین التمشؒ نے اپنایا۔ تاریخ میں موجود ہے کہ التمشؒ کی بیوی نے کہا کہ مہمان بہت آتے ہیں، کھانا پکانے کے لیے کوئی نوکر عطا کر دیں، تو سلطان نے کہا، کہ دنیا میں تکلیف برداشت کر لو، تاکہ تمہاری آخرت اچھی ہو جائے۔ اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کر کے مہمانوں کو کھلاؤ۔

مکذبین کے لیے رعایت

فرمایا چھوڑ دو مجھے اور جھٹلانے والوں کو، جو دولت مند ہیں۔ ان کو تھوڑی سی مہلت اور دے دو۔ یہ مہلت دنیا کی مہلت ہے۔ جب تک ایسی جماعت کا نظام نہ قائم ہو جائے، جو کہ مطلوب ہے۔ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ہمارے پاس ایسے لوگوں کے لیے بیڑیاں ہیں، اور جہنم ہے۔ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف[2] میں آتا کہ جب دوزخی تھوہر یا زقوم کا لقمہ حلق میں ڈالے گا تو وہ سو سال تک وہیں اٹکا رہے گا۔ اس کو

---

[1] طحاوی ص۲۷ ج۱ و مشکوٰۃ ص۴۲۴ بحوالہ بیہقی [2] ترمذی ص۳۷۱۔

Marfat.com

نیچے اتارنے کے لیے جب پانی کا گھونٹ پیئے گا تو وہ ایسا گرم ہوگا، جو آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دے گا۔ اور فرمایا اس کے علاوہ طرح طرح کا عذاب الیم ہوگا مجرموں کو ذلت کے ساتھ بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔ اور یہ اس دن ہوگا یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے، وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا اور پہاڑ ریت کے ٹیلے کی مانند منتشر ہو جائیں گے، جس طرح ہوا کا جھونکا آتا ہے۔ تو ریت کا ٹیلہ بکھر جاتا ہے اسی طرح پہاڑ بھی بکھر جائیں گے۔ اس دن ان مکذبین کو اور اولی النعمۃ کو سزا ملے گی۔ کیونکہ یہ انسانیت کے دشمن ہیں۔ انہوں نے اپنا تعلق اللہ تعالےٰ کے ساتھ درست نہیں کیا۔ اور مخلوق کے ساتھ بھی احسان نہیں کیا۔

Marfat.com

تبارک الذی ۲۹ — المزمل ۷۳

درس چہارم — (آیت ۱۵ تا ۱۹)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿۱۷﴾ ۖۚ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع

ترجمہ:- ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو شہادت دینے والا ہے تمہارے اوپر جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا ﴿۱۵﴾ پس فرعون نے رسول کی مخالفت کی تو ہم نے فرعون کو پکڑ لیا وبال والا پکڑنا ﴿۱۶﴾ پس تم کیسے بچو گے اگر تم نے (توحید و رسالت کا) انکار کیا اس دن سے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ﴿۱۷﴾ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا ﴿۱۸﴾ بے شک یہ نصیحت کی باتیں ہیں لہذا جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے ﴿۱۹﴾

گذشتہ سے پیوستہ

اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں چند اہم اصول بیان فرمائے، اُس کے بعد مخالفت کرنے والے مکذبین کا ذکر فرمایا اور کہا وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ یعنی آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان مکذبین کو جو نعمت والے ہیں۔ اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ مقصد یہ ہے کہ اُن کے ساتھ ابھی مقابلہ نہیں کرنا ہے، بلکہ صبر کرنا ہے، آپ برداشت کریں، میں خود ان کو سزا دوں گا۔ ان لوگوں سے جواب طلبی ہوگی جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس جماعت کے ذریعے باز پرس کریں گے جن کی تربیت سابقہ اصولوں کے مطابق آپ کریں گے۔ یہ چھ اصول ہیں جو اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ انہی اصولوں کی روشنی میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے لہذا فی الحال آپ اپنی جماعت کو تیار کریں۔

شاہد رسول

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور اصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے شَاهِدًا عَلَيْكُمْ جو شہادت دیتا ہے تمہارے اوپر۔ شہادت کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا

نبی شہادت دے گا۔ جنہوں نے مانا اُن کے بارے میں اور جنہوں نے نہیں مانا اُن کے متعلق بھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور وہ گواہ نبی ہوگا۔ یہ بھی فرمایا وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ ان پر ہم آپ کو بھی گواہ بنا کر لائیں گے۔ ایک تو یہ قیامت کی گواہی ہے۔ اور دوسرے حق و صداقت کی گواہی ہے۔ جو حضور علیہ السلام کے سپرد کی گئی ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ کا معنی یہ ہے کہ وہ تمہیں بتلانے والا اور آگاہ کرنے والا ہے۔ تمہیں تعلیم دینے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے۔ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا۔ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ یعنی فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کی بعثت بھی اس وجہ سے تھی کہ وہ مکذب تھا۔ اور اولی النعمۃ میں سے تھا، بڑا جابر اور ڈکٹیٹر تھا، بڑا ظالم بادشاہ تھا۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے دو قوموں کی طرف بھیجا تھا۔ ایک بنی اسرائیل جو آپ کا اپنا خاندان تھا۔ اور دوسرے قبطی جو مصر کے اصلی باشندے تھے اور جن میں فرعون بھی شامل تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام تو براہ راست بنی اسرائیل کی طرف ہی مبعوث تھے، اور فرعون کو صرف پیغام پہنچانا مقصود تھا۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں صاف موجود ہے۔ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ۔ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے تو یہ فرمایا۔ جیسے سورۃ شعراء میں آتا ہے۔ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ ہم دونوں بھائیوں کو رب العلمین نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور فرعون کے سامنے کہا کہ تیرے اندر پاک ہونے کا کوئی جذبہ موجود ہے کہ میں تیری راہنمائی کروں۔ تاکہ تو ہدایت پا جائے۔ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ فرعون نے تکذیب کی، اور نافرمانی کی ہے۔ جس طرح مکے کے سرداران حضور علیہ السلام کے مکذبین تھے۔ اسی طرح فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کا مکذب تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات اشارۃً بتا دی کہ جو حشر فرعون مکذب کا ہوا تھا، مکے کے مکذبین

لہ موضح القرآن سورۃ حج آیت ۷۸ مطبوعہ تاج کمپنی۔

Marfat.com

کا حشر بھی اُس سے مختلف نہیں ہو گا۔

موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت کی بعض دوسری وجوہات بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور موسیٰ علیہ السلام کی امت کے حالات بھی مِلتے جلتے ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کے بارے میں فرمایا کہ تم بھی اسی طرح بگڑو گے جس طرح یہود و نصاریٰ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم بگڑی تھی تم بھی اُن کے نقشِ قدم پہ چلو گے۔ اور اُن سے مشابہت اختیار کرو گے۔ لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ[1] بالکل اسی طرح مشابہت جس طرح جوتے ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے حالات بھی موسیٰ علیہ السلام سے مِلتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر نبی اور رسول اور صاحب خلافت بھی ہیں۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے نظام حکومت عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور صاحبِ خلافت بھی۔ جس قسم کی مخالفت کے حالات موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئے۔ اسی قسم کے حالات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والے دولت مند لوگ تھے تو آپ کا مخالف بھی یہی طبقہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین میں ملوک بھی تھے۔ تو حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی قیصر و کسریٰ تھے۔ اُن کی سلطنتوں کو درہم برہم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پروگرام میں شامل تھا، ابوجہل، ابولہب اور دیگر مخالفین اگرچہ ملوک نہیں تھے تاہم یہ بھی اُن کے قائم مقام تھے، ان کی ذہنیت بھی سرمایہ دارانہ تھی۔ ان کے مکانات تھے، تجارت تھی، خدا نے دولت دے رکھی تھی۔ تو فرمایا ابھی اُن کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اس کے بعد ملوک کی باری آئے گی اور اُن کے ساتھ جہاد کی منزل آئے گی۔

جماعتی تنظیم کی ضرورت

اس کے ساتھ ایک دوسری حقیقت بھی سمجھا دی گئی کہ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ آپ ان دولت مند مکذبین کو چھوڑ دیں، کیونکہ میں ان کو سزا دوں گا۔ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا یہ مجرم ہیں، آپ جلد بازی نہ کریں، لڑائی بھی نہ کریں، ابھی جنگ کی منزل نہیں آئی بلکہ تیاری کی منزل ہے۔ ابھی جماعت تشکیل دینے اور اُسے تربیت دینے کی منزل ہے، اُن کو اکٹھا کرنے کی منزل ہے۔

---

[1] بخاری ص۴۹۱ ج۱ و ص۱۰۸۸ ج۲، مسلم ص۳۳۹ ج۲، مستدرک ص۱۲۹ ج۱، ترمذی ص۳۱۷

Marfat.com

لہٰذا یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ یعنی اے ساتھی اکٹھا کرنے والے، اور لحاف اوڑھنے والے، کمبل اوڑھنے والے ابھی ان سے مقابلہ نہیں کرنا۔ ہم خود ان سے باز پرس کریں گے۔ چنانچہ ان آیات کے نزول کے تیرہ برس بعد میدانِ بدر میں اِن لوگوں سے باز پرس ہوئی۔ اور ان کو سزا دی گئی۔

قومی اور بین الاقوامی نبی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت میں آپ قومی نبی ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو قریش اور عربوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ عربی زبان بولتے ہیں۔ عربی زبان میں وحی الٰہی سناتے ہیں، عربوں کے ماحول میں رہتے ہیں۔ اور قریش کی سعادت آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اِس لحاظ سے آپ قومی نبی ہیں۔ جیساکہ خود قرآن پاک نے بیان فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ یعنی ہم ہر نبی کو اُس کی قوم کی زبان میں بھیجتے ہیں۔ آپ کی دوسری حیثیت بین الاقوامی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تمام اقوام کی طرف مبعوث فرمایا، جیساکہ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ نیز یہ بھی فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ یعنی اے نبی کریم ہم نے آپ کو تمام بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث فرمایا۔ تو گویا پہلی حیثیت سے آپ قومی نبی (NATIONAL PROPHET) ہیں اور دوسری حیثیت میں بین الاقوامی (INTERNATINAL PROPHET) ہیں۔

غلبہ اسلام بذریعہ اسلامی فتوحات

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ[2] میں اس کی تصریح یوں فرمائی ہے۔ کہ نبی ایک ایسا شخص ہے یہ ساری غیر محدود اقوام کا خود مقابلہ نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ نبی پہلے اپنی قوم کے لوگوں کو تربیت دے جب یہ لوگ اصلاح پذیر ہو جائیں تو انہیں لوگوں کو اپنا جارحہ بنائیں یعنی اِن لوگوں کو اپنا دست بازو بنائیں، اِسے آج کل کی زبان میں مجلس عاملہ (WORKING CMMITTEE) کہہ سکتے ہیں۔ اور انہیں لوگوں کے ذریعے دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کریں۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک میں عرب میں انقلاب آیا، کفر و شرک ختم ہوا اور مرکز اسلام قائم ہو گیا۔ بیرونِ عرب لڑائیوں میں سے صرف ایک غزوہ تبوک میں آپ نے شرکت فرمائی۔ ایک ہزار میل کا سفر طے کیا، آپ کے ساتھ تیس ۳۰ ہزار، چالیس ۴۰ ہزار یا اکسٹھ ۶۱ ہزار

---

[1] حجۃ اللہ ج۱ ص۸۴ تفہیمات الٰہیہ ج۱ ص۲۶۹ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۱۸ مکتبہ سلفیہ لاہور

Marfat.com

صحابہ کرامؓ تھے، تین مختلف روایات ہیں۔ واقدیؒ[1] کی روایت کے مطابق ستر ہزار آدمی تھے۔ باقی بیرونی دنیا سے معرکہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہوا۔ قیصر و کسریٰ سے مقابلہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں ہوا۔ اسی طرح ایران حضرت عمرؓ کی خلافت میں سعد بن ابی وقاصؓ کی کمان میں فتح ہوا۔ یہ قادسیہ کی جنگ مشہور ہے۔ جو تین دن تک لڑی گئی۔ یہ ایسی زبردست جنگ تھی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ تین دن رات متواتر لڑائی ہوئی اور آخر ایران فتح ہوا۔ یہ کسریٰ کی شکست تھی، البتہ قیصر چھ صدیاں بعد مغلوب ہوا۔ اگرچہ عرب علاقوں یعنی مصر، شام، فلسطین، حمص وغیرہ میں قیصر مغلوب ہو چکا تھا مگر خود روما ترکوں کے عہد میں مغلوب ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی[2] فرمایا تھا۔ کہ جب کسریٰ ہلاک ہوگا، تو کوئی دوسرا کسریٰ نہیں کھڑا ہوگا، اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو کوئی قیصر نہیں اٹھیگا۔ لیکن وَالرُّوْمُ ذَوَاتُ الْقُرُوْنِ[3] یعنی عیسائی قرناً بعد قرن آئیں گے۔ ان سے مسلمانوں کی ٹکر جاری رہے گی حتیٰ کہ ان کا آخری حصہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے تیار ہوگا اور تباہ ہو جائے گا۔ تو گویا عیسائی مسیح علیہ السلام کے زمانے میں جاکر مکمل طور پر مغلوب ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت میں عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچے گی۔ پھر جب مسیح علیہ السلام کا زمانہ آئے گا۔ تو دنیا میں کفر باقی نہیں رہے گا وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ اور صرف اللہ کا دین ہی باقی رہ جائے گا۔

الغرض اگرچہ بطور دلیل اسلام ہر زمانے میں غالب رہا مگر سیاسی غلبہ اسے خلفائے راشدین کے زمانے میں حاصل ہوا، اس زمانے میں کسی دوسری قوم کو مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی، وہ دب کر رہتے تھے یا صلح کر لیتے تھے۔

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میں ایسی خلافت بخشوں گا۔ کہ دین مستحکم ہوگا یہ اُسی زمانے کا جما ہوا دین ہے۔ جو آج تک آرہا ہے۔ اگر اُس زمانے میں دین اسلام کو رسوخ حاصل نہ ہوتا۔ تو بعد میں تو بڑی خرابیاں پیدا ہو گئیں، مسلمان خلافت کو ترک کر کے ملوکیت کی طرف واپس آگئے۔ درمیان میں کوئی اچھا آدمی آگیا تو حالات بہتر ہو گئے۔ بہرحال دین مٹا نہیں کیونکہ خلفائے راشدین کے زمانے میں اسے مستحکم کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے يُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ

---

[1] فیض الباری ص۱۲۶ ج۴ [2] مسلم ص۲۹۶ ج۲ بخاری ص۹۸۱ ج۲ [3] کنز العمال ص۲۶۱ ج۱۲ ص۱۳

چنانچہ اس دور کا مستحکم شدہ دین ہی اب تک چل رہا ہے۔

الغرض نبی علیہ السلام کو تسلی دی جا رہی ہے۔ کہ دیکھو! موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ دولت مند طبقہ سے تھا، حالانکہ اُن کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کی مالی حیثیت کچھ نہ تھی۔ نہ اُن کے ساتھ کوئی جماعت تھی۔ لیکن انقلاب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ برپا کیا۔ اتنے بڑے دشمن کو نیست و نابود کیا۔ اس مثال سے سمجھانا یہ مقصود ہے۔ کہ عرب کے قریش اگرچہ ملوک نہیں ہیں، مگر ان کی ذہنیت سرمایہ دارانہ ہے۔ فرعون کی طرح بالآخر یہ بھی مغلوب ہوں گے۔ ان کی دنیا میں بھی گرفت ہوگی، جیسا کہ مقام بدر پر ہوئی اور آخرت میں بھی سزا ہوگی۔

ارتکازِ دولت

ارتکازِ دولت بجائے خود ایک لعنت ہے۔ جہاں یہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے، وہاں مال کے جمع کرنے میں حلال و حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اور خرچ کرنے میں مستحقین کے حقوق ادا نہیں کیے جاتے۔ اسی لیے اسلام نے اس ذہنیت کو ناپسند کیا۔ اسلام نے دولت کے ارتکاز سے منع کیا ہے اور تقسیم کا حکم دیا ہے۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ تاکہ یہ دولت امیر طبقہ میں ہی گردش نہ کرتی رہے بلکہ اس کا بہاؤ غرباء، مساکین، ایتامیٰ کی طرف ہونا چاہیے، مال سے اپنی جائز ضروریات پوری کرنا فطری امر ہے۔ مگر دولت اپنے پاس مرتکز کر کے مت رکھو۔ ایسا کرو گے تو اولی النعمۃ کے گروہ میں شامل ہو جاؤ گے۔ جَمَعَ فَاَوْعٰی کی زد میں آجاؤ گے، جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ میں پکڑے جاؤ گے۔ یہی وہ ظالمانہ ذہنیت ہے جسے اسلام ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی ذہنیت سے حرص پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ یکسر ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

سود کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے سود کے متعلق فرمایا یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے۔ اور صدقہ خیرات کو بڑھاتا ہے یعنی اس کا اجر دُگنا تگنا کر دیتا ہے۔ سود خور کی ذہنیت ایسی بیان فرمائی جیسے کسی کو جن چمٹا ہوتا ہے۔ اور آدمی پاگل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سود خور کو اپنی دولت سے غرض ہوتی ہے، انسانی ہمدردی سے یکسر محروم ہوتا ہے ان ساہوکار مہاجنوں کو دیکھو، جو سود حاصل کرنے کے لیے کسی غریب بڑھیا کی جھونپڑی تک نیلام کرا دیتے ہیں۔ حالانکہ جس کے پاس لاکھوں روپیہ ہو، وہ کسی قرض خواہ کو کچھ عرصہ مہلت بھی دے

Marfat.com

سکتا ہے کہ وہ قرض چکا سکے۔ مگر یہاں تو خود غرضی انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ غریب شخص سائے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یعنی ایک مومن دوسرے کے حق میں عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے۔ کہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی طرح مومن بھی ایک دوسرے کا سہارا ہوتے ہیں۔ اس کی مثال انسانی جسم کے خلیات کی بھی ہے میڈیکل سائنس والے بتاتے ہیں کہ انسانی جسم میں چھوٹی چھوٹی اینٹوں کی مانند خلیات ہیں جن میں خون، رطوبت وغیرہ جاتے ہیں۔ یہ خلیات اُسی وقت تک درست رہتے ہیں جب تک وہ اپنی ضرورت کے مطابق مادہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر یہ خلیات ضرورت سے زیادہ خون اکٹھا کرنے لگیں گے، تو جسم میں ورم آجائے گا۔ اور جسم کا وہ حصہ بیمار ہو جائے گا، جہاں خون کی مقدار ضرورت سے زیادہ جمع ہو جائے گی۔ یہی حال ارتکازِ زر کا ہے۔ جب یہ کسی جگہ ضرورت سے زیادہ جمع ہو جائے گا اور حرام و مکروہات میں صرف ہو گا، تو نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ جسم میں ورم آجائے گا۔ اور اس کی اصلاح کی ضرورت پیش آئے گی۔

فرعون کی ہلاکت

تو ارشاد ہوتا ہے۔ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے۔ آپ کی بعثت کی پیش گوئی تورات میں آج بھی موجود ہے۔ کہ "اے موسیٰ! میں تیرے بھائی بندوں میں سے تیرے جیسا ایک رسول برپا کروں گا، اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔" بھائی بندوں سے مراد بنی اسماعیل ہیں۔ لہٰذا فرمایا تمہاری طرف اسی طرح رسول بھیجا ہے۔ جس طرح فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ پس فرعون نے رسول کی مخالفت کی۔ اسی طرح اے مکہ والو! تم بھی اپنے رسول کی مخالفت کر رہے ہو مگر یاد رکھو جس طرح اس مخالفت کی پاداش میں فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ہم نے فرعون کو پکڑ لیا۔ اسی طرح تمہیں بھی آخر کار اپنے رسول کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہو گا۔ اَخْذًا وَّبِیْلًا سے مراد وبال والا پکڑنا ہے یعنی سخت مہلک گرفت میں لینا ہے۔ اور پھر فرعون کو نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے غرق کیا

---

[1] مسلم ص ۳۲۱ ج ۲، مسند احمد ص ۴۰۵ ج ۴

Marfat.com

بلکہ اُس کی لاش کو آئندہ آنے والوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً اور اُسے پانی سے باہر نکال کر رکھ دیا۔ تو مکے والوں کو فرمایا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ یعنی اگر تم نے دینِ حق، توحید و رسالت کا انکار کیا، تو کیسے بچو گے۔ اُس دن سے يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا جو اپنی شدت کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ اُس دن آسمان پھٹ جائے گا۔ پہلے دریچے دریچے ہوگا، پھر درہم برہم ہو جائے گا۔ نیا آسمان اور نئی زمین قائم ہوگی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اس دن كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔

دوزخیوں کی غالب اکثریت

حدیث شریف میں آتا ہے[1]۔ کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کو طلب کریں گے۔ تو آدم علیہ السلام کہیں گے لَبَّيْكَ یعنی اے اللہ میں حاضر ہوں۔ اللہ فرمائے گا۔ اٹھو اور جہنم والوں کو الگ کر دو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے، کہ اے مولا کریم! دوزخ میں جانے والے کون لوگ ہیں۔ حکم ہوگا، ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ سُن کر صحابہ کرامؓ پریشان ہو گئے کہ کل مخلوق میں اتنی کثرت دوزخیوں کی ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا! اے ایمان والو! تم زیادہ پریشان نہ ہو۔ کیونکہ اس تعداد میں یاجوج ماجوج بھی شامل ہیں۔ ایک انسان کے مقابلے میں یاجوج ماجوج کی تعداد ۹۹۹ ہے۔ یہ بھی انسانوں کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ آج بھی دنیا کی کل پانچ ارب آبادی میں سے سوا چار ارب کافر ہیں، جو جہنمی ہیں۔ ایمان والے آج بھی اقلیت میں ہیں کل آبادی کا پانچواں حصہ یا اس سے بھی کم۔ مزید یہ کہ اہلِ ایمان میں سے بھی صحیح ایمان والے قلیل ہی ہیں، اکثریت تو مکذبین کی ہے۔

الغرض فرمایا کہ اُس دن حالت یہ ہوگی کہ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ آسمان پھٹ جائے گا۔ زمین بھی اپنی حالت پر قائم نہیں رہے۔ پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد نئی زمین پیدا ہوگی، اُس پر محاسبہ ہوگا۔ اور كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا۔ خدا کا وعدہ برحق ہے، اُس دن پورا ہو جائے گا۔

قرآن پاک کی نصیحت

یہ تمام حقائق بیان کرنے کے بعد فرمایا إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ یہ نصیحت کی باتیں

---

[1] ابن کثیر ص۲۳۸ ج۴ بحوالہ طبرانی روح المعانی ص۱۰۹ ج۳۰

Marfat.com

ہیں، جو اس سورۃ مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اللہ کا نبی لوگوں کو یاد دلاتا ہے اور نصیحت کرتا ہے کہ قیام لیل کرو۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ اپنا تعلق درست کرو علیحدگی میں خدا کا ذکر کرو۔ اُسی کو کارساز بناؤ مصیبت کے وقت صبر کرو۔ حقوق ادا کرو۔ قیامت آنے والی ہے۔ بڑا انقلاب آنے والا ہے۔ اگر کفر کروگے تو بچ نہیں سکوگے۔ لہذا فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنالے۔ کیونکہ اُس کی آخری منزل اللہ تعالےٰ کے حضور پیشی ہے۔ اس لیے اُسے وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے، اُسی راستے پر چل کر انسان اپنے رب کے ہاں سرخرو ہوسکتا ہے ورنہ اس کا حال وہی ہوگا۔ جو اِنْ كَفَرْتُمْ میں بیان کیا گیا ہے۔

تبارک الذی ۲۹ — المزمل ۷۳

درس پنجم — (آیت ۲۰ تقریباً نصف آیت)

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ط عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ
مَّرْضٰى لا وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ لا
وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ز فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ د

ترجمہ:۔ بے شک آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ رات کو قریب دو تہائی حصہ یا نصف یا ایک تہائی حصہ قیام کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ جو (صحابہ کرامؓ کا) گروہ ہے وہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی رات دن کا اندازہ کرتا ہے اللہ جانتا ہے کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے تو اس نے تمہارے اوپر مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا پس جتنا تمہارے لیے آسان ہو قرآن پاک پڑھ لیا کرو۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کئی بیمار ہوں گے اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو زمین میں سفر کریں گے، جو تلاش کریں گے اللہ کا فضل اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے لہٰذا قرآن پاک میں سے اتنا ہی پڑھو جتنا آسان ہو۔

کیا نماز تہجد فرض ہے

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رات کو قیام کا حکم دیا۔ یہ حکم سال بھر تک نافذ رہا۔ اور نماز تہجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر فرض رہی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سورۃ کے پہلے اور دوسرے رکوع کے درمیان بارہ مہینے کا وقفہ ہے۔ اور اس دوران تہجد کی نماز فرض رہی۔ البتہ دوسرا رکوع نازل ہونے پر اس آیت کے ذریعہ فرضیت ختم ہوگئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسانی فرما دی، مگر امت کے حق میں اس کا استحباب باقی ہے۔ بلکہ تمام نفلی نمازوں میں نماز تہجد کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔

ملہ مسلم ص ۲۵۶ ج ۱

Marfat.com

اس امر میں اختلاف ہے۔ کہ آیا قیام لیل کی فرضیت صرف امت کے لیے منسوخ ہوئی ہے یا خود پیغمبر علیہ السلام کے لیے بھی۔ بعض مفسّرین فرماتے ہیں۔ کہ فرضیت کا حکم نبی علیہ السلام کے کے لیے منسوخ نہیں ہوا۔ اور اس پر وہ سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ۔
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝
یعنی آپ رات کو قرآن کے ذریعے تہجد ادا کریں کہ یہ آپ کے لیے زاید ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ لہذا یہ نَافِلَةً لَّكَ حضور علیہ السلام کے لیے تو فرض ہے۔ مگر باقی امت کے لیے مستحب ہے۔

بعض فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ حضور علیہ السلام اس نماز کے اجر و ثواب کی وجہ سے اس کا التزام فرماتے رہے، مگر یہ آپ کے لیے بھی فرض نہیں ہے۔ بہر حال یہ نماز امت کے حق میں استحباب کا درجہ رکھتی ہے۔ اور استحباب بھی ایسا کہ ایک روایت میں حضور علیہ السلام نے فرمایا[1] رَكْعَتَانِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا یعنی رات کے درمیان دو رکعت نماز دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ اس قدر فضیلت بیان فرمائی ہے۔ مگر فرض نہیں ہے۔

اس کی مثال دوسرے احکام میں ایسی ہی ہے جیسے ابتدا میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ پھر بعد میں جب رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت اُٹھ گئی تاہم اس کا استحباب باقی رہا۔ اسی طرح تہجد بھی ابتدا میں فرض تھی۔ مگر ایک سال بعد اس کی فرضیت ختم کر دی گئی۔

قیام لیل کی تصدیق

ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ بے شک آپ کا پروردگار جانتا ہے۔ کہ آپ رات کو دو تہائی حصہ یا نصف حصہ یا ایک تہائی حصہ قیام کرتے ہیں اور نہ صرف آپ خود قیام کرتے ہیں۔ بلکہ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ آپ کے ساتھ جو صحابہ کرامؓ کا گروہ ہے، وہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ حکم ابتدا میں سب کے لیے تھا۔ یعنی حضور علیہ السلام کے علاوہ صحابہ کرامؓ بھی

---

[1] کنز العمال ص۵۵۷ ج۷)

Marfat.com

کبھی دو تہائی رات، کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے تھے۔ اور یہ قیام اللہ کے ارشاد یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ کی تعمیل میں تھا۔ اور اس کا مقصد تربیتِ صحابہ تھا جس کے اصول بھی اللہ تعالےٰ نے بیان فرما دیے جن کی وجہ سے اللہ تعالےٰ تمام دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں انقلاب لانا چاہتا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے[1]۔ کہ حضور علیہ السلام رات کی نماز میں اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ یہی حال صحابہ کرامؓ کا تھا۔ سردی کے موسم میں بعض اوقات پاؤں پھٹ جاتے تھے، اور اُن سے خون رِسنے لگتا تھا۔ آپ کی اور آپ کے متبعین کی یہ حالت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا انقلابی گروہ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ البالغہ[2] میں فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں انقلاب برپا کرنا اکیلے نبی کا کام نہیں۔ اسی لیے آپ کو ارشاد ہوا۔ کہ آپ ایک جماعت منظم کریں، اس کی تربیت کریں اس کو اپنا جارحہ بنائیں۔ تاکہ دنیا میں انقلاب لایا جا سکے۔ چنانچہ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ وہی گروہ ہے اس گروہ کا ذکر سورۃ فتح میں بھی آیا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ یعنی محمد اللہ کے برگزیدہ اور آخری رسول ہیں۔ اور جن کو آپ کی معیت نصیب ہوئی ہے، اُن کا خاصہ یہ ہے۔ کہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں (اپنوں کے درمیان) رحمدل۔ آگے اُن کے اور اوصاف بھی بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہی اصحاب کبار کے متعلق تخفیف کا حکم نازل ہوا۔ کہ بعض اوقات صحابہ کرامؓ اس فکر میں ساری ساری رات بیدار رہتے تھے۔ کہ کہیں دو تہائی یا نصف یا تہائی کے قیام سے محروم نہ رہ جائیں۔ اُس وقت۔ وقت کے اندازے کے لیے گھڑیاں تو ہوتی نہیں تھیں، اس لیے صحابہ کرامؓ فکرمند رہتے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ کہ رات دن کا اندازہ کرنا تو اللہ کے پاس ہے۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اتنے لمبے عرصہ کے قیام میں تخفیف کر دی گئی ہے

نماز تہجد میں تخفیف

ارشاد باری تعالےٰ ہوا عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ یعنی اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ کہ تم اُس کو پورا نہ کر سکو گے، یعنی یہ سخت حکم ہے رات کو اتنا لمبا عرصہ قیام کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں اس کے بعد ان وجوہات کا تذکرہ بھی کر دیا جن کی وجہ سے یہ کام مشکل ہے۔ لہذا ارشاد ہوا۔

---

[1] بخاری ص ۱۵۳ ج ۱ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۸ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور

Marfat.com

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا ہے تَابَ کا معنیٰ رجوع کرنا ہے۔ توبہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مہربانی کے ساتھ رجوع فرماتے ہیں اور درگذر کرتے ہیں۔ خطا و لغزش کو معاف فرماتے ہیں۔ یہاں بھی فتاب کا مفہوم یہی ہے۔ کہ قیام میں مہربانی کے ساتھ تخفیف کر دی گئی ہے اب دو تہائی یا نصف یا ایک تہائی رات کا قیام ضروری نہیں ہے بلکہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یعنی جتنا میسّر ہو، تمہارے لیے آسان ہو اتنا ہی قرآن پاک پڑھ لیا کرو۔

قیام لیل کا اصل مقصد تو تلاوتِ قرآنِ پاک ہی ہے اور اس کی بہترین تلاوت وہ ہے۔ جو نماز میں کی جائے، لہٰذا فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو، اسی قدر پڑھ لیا کرو اس سے مراد تربیت دینا ہے۔ جس کے ذریعے اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا ہے۔ اس کو خوب ٹھہر ٹھہر کر، واضح واضح پڑھنا ضروری ہے۔ تاکہ اس کا مفہوم ذہن میں اُتر جائے اور اسے آگے دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔

قیام لیل شیوہ سلف صالحین ہے

حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد[1] ہے۔ کہ قیام لیل کو اپنے لیے لازم پکڑو، کہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی عادت بھی یہی تھی۔ قیام لیل شیطان کو بھگانے، گناہوں کو مٹانے اور قرب خداوندی حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے اور اس کا اصل مقصد بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔ اگر تعلق باللہ درست ہو جائے گا تو دنیا میں صحیح کام ہو گا۔ اگر یہی درست نہ ہوا تو ہر کام شیطانی منشاء کے مطابق ہو گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جتنا ہو سکے قرآن پاک پڑھ لیا کرو۔ اور غافل ہرگز نہ ہو جانا۔

شیطانی وسوسہ

ایک روایت میں آتا ہے[2]۔ کہ ایک شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا۔ کہ یہ شخص ساری رات سوتا رہا ہے۔ اور بیدار نہیں ہوا، حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور سورج نکل آیا۔ آپ نے فرمایا، اس شخص کے کان میں شیطان نے پیشاب کیا ہے۔ یعنی اس پر شیطان کا اثر غالب رہا۔ شیطان ہی وسوسہ اندازی کرتا ہے، اور جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو آخر میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ نماز تہجد اگرچہ فرض نہیں ہے۔ مگر اس کو ترک نہیں کرنا۔ اسے ادا کرتے رہو

---

[1] ترمذی ص ۵۱۰

[2] بخاری ص ۱۵۳ ج ۱ مسلم ص ۲۶۴ ج ۱

Marfat.com

خواہ تھوڑا ہی قرآن پاک پڑھو۔

مطلق قرارت فرض ہے

فرض نماز ادا کر لینے سے باز پرس نہیں ہوگی۔ مگر قیام لیل ان لوگوں کے لیے جنہوں نے دنیا میں کام کرنا ہے، ایک حد تک لازم قرار دیا۔ مقصد یہ ہے۔ کہ قرآن پاک کا مطالعہ کریں۔ اس کو سمجھیں تاکہ پروگرام کو آگے چلانے میں آسانی ہو۔ اسی لیے فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ جتنا میسر ہو قرآن پاک پڑھ لیا کرو۔

ارکان صلوٰۃ میں قرآن پاک کا پڑھنا ایک رُکن ہے۔ جیسے نماز کے دیگر ارکان ہیں تکبیر تحریمہ، رکوع، سجدہ وغیرہ، اسی طرح قرأت، امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے استدلال کیا۔ کہ مطلق قرأت فرض ہے۔ اسی لیے سورۃ فاتحہ نماز کا رکن نہیں ہے بلکہ واجب کے درجے میں ہے۔ خداج والی حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ناقص ہوگی، باطل نہیں ہوگی۔ یہ بات دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ مطلق قرأت یعنی کوئی بھی سورۃ یا آیت پڑھنے سے فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔

تخفیف کی وجوہات

اس کے بعد وہ وجوہات بیان ہو رہی ہیں۔ جن کی بنا پر اللہ تعالےٰ نے قرأت قرآن میں تخفیف کا حکم دیا۔ فرمایا عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى یعنی اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ تم میں سے کئی بیمار ہوں گے۔ اگر ہر شخص پر تہجد فرض ہوتی، تو بیمار آدمی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا۔ بیماری انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحیمیت کے خلاف ہے۔ کہ بیمار آدمی کو کسی کام پر مجبور کیا جائے۔ وہ تو فرائض بھی مشکل سے ادا کرے گا۔ بعض اوقات فرض نماز بھی بیٹھ کر یا لیٹ کر ادا کرنا پڑتی ہے تو اس حالت میں قیام لیل کیسے ممکن ہوگا۔ لہذا بیماروں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو زمین میں سفر کریں گے وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ تو سفر کی حالت میں بھی دشواری ہے۔ اگر تہجد فرض ہو تو مسافر مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بعض اوقات سفر رات اور دن متواتر جاری رہتا ہے۔ تو اس حالت میں تہجد کیسے ادا کریں گے۔ لہذا اس وجہ سے بھی اللہ نے تخفیف فرمائی۔

اب سفر کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں جیسے فرمایا يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے سفر کریں گے۔ تلاش فضل سے ایک تو مراد رزق حلال ہے۔ رزق حلال

میں تجارت کرنا، ملازمت پر جانا، مزدوری کرنا یہ سب باتیں ظاہری طور پر فضل میں آتی ہیں۔ باطنی طور پر فضل میں حصول علم، سفر حج و عمرہ یا کسی بزرگ عالم دین سے ملاقات کا سفر ہے۔ کہ اس سے باطنی طور پر اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے تو فرمایا کہ سفر میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا، لہٰذا تخفیف فرما دی۔

فرضیتِ جہاد

نمازِ تہجد میں تخفیف کی تیسری وجہ یہ بیان فرمائی وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ قتال کے لیے نکلیں گے۔ اس حالت میں انہیں تخفیف کی ضرورت ہے۔ قتال میں بھی بڑی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ اور جہاد فرض ہے اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام ایک انقلابی دین ہے۔ اس لیے عقائد کی درستگی اور امن و امان کے قیام کے لیے جہاد بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے۔ اَلْجِہَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ کسی عدل کرنے والے کا عدل اور ظلم کرنے والے کا ظلم اسے مٹا نہیں سکتا۔ جہاد کو ترک کرنے سے ذلت، مصیبت اور غلامی آئے گی، ہر چیز میں خرابی پیدا ہو گی۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جو پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا، اس میں فرمایا[2] مَا تَرَکَ قَوْمٌ الْجِہَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا ضَرَبَہُمُ اللّٰہُ بِالذُّلِّ یعنی جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دے گی، ذلیل ہو جائے گی۔

جہاد کا موقعہ تو اس ارشاد کے تقریباً بارہ سال بعد میدانِ بدر میں آیا۔ مگر پہلے ہی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ اور بتا دیا کہ جہاد کا وقت آنے والا ہے۔ اس کے بغیر امن قائم نہیں ہو گا۔ حدود قائم نہیں ہو سکیں گی۔ دین کی حفاظت نہیں ہو گی۔ سرکشوں کی سرکوبی کے لیے جہاد کے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے لہٰذا اب لمبا قیام لیل منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اور آسانی دے دی گئی ہے۔ فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ لہٰذا قرآن پاک میں سے اتنا ہی پڑھو یعنی اسی قدر قیام کرو، جتنا آسان ہو تاہم اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تربیت کیلئے ضروری ہے۔

---

[1] ابوداؤد ص ۳۴۳ ج ۱

[2] جمع الوسائل شرح الشمائل ص ۲۲۲ ج ۲

تبرک الذی ۲۹ — المزمل ۷۳

درس ششم — (بقیہ آیت ۲۰)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۱۴

ترجمہ:- اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض اور تم جو بھی نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے تو تم اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے وہ بہتر ہے اور اجر کے اعتبار سے بڑی ہے اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے ﴿۲۰﴾

گذشتہ سے پیوستہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی روایت[1] میں تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ کہ سورۃ مزمل نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی بیس میں سے پہلے رکوع کی اُنیس آیتیں مکی دور کے ابتدائی حصے میں نازل ہوئیں، جب کہ آخری آیت اس کے ایک سال بعد نازل ہوئی۔ ابتدائی آیات میں قیام لیل کا حکم فرض کے طور پہ دیا گیا تھا۔ کہ خود نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ جو آپ پر ایمان لائے۔ وہ دو تہائی رات یا نصف یا ایک تہائی ضرور قیام الیل میں گذار دیں۔ مگر اس آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ تم اس کی پابندی نہیں کر سکو گے، لہٰذا اس عمل میں تخفیف فرما دی۔ اب یہ نماز فرض تو نہیں رہی تاہم اس میں اتنی سہولت دے دی کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یعنی جتنا میسر آسکے، اتنا ہی پڑھ لیا کرو۔ پانچ دس منٹ، آدھا گھنٹہ آدمی وضو کر کے دو رکعت ہی پڑھ لے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[2] ہے رَكْعَتَانِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ جوف لیل کے اندر ادا کی گئی یہ دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت

نماز تہجد میں تخفیف کے بعد فرمایا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یعنی فرض نماز کو ہر حالت میں

---

[1] مسلم ص ۳۵۶ ج ۱ [2] کنز العمال ص ۵۵۷ ج ۷

قائم رکھو۔ یہ معاف نہیں ہوگی۔ ابتدائے اسلام میں تین نمازیں فرض تھیں۔ یعنی نماز تہجد اور قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فجر اور عصر کی نمازیں۔ بعد میں نماز تہجد کی فرضیت تو اٹھ گئی، البتہ معراج شریف کے موقع پر پانچ نمازیں فرض ہوگئیں۔ حضور علیہ السلام[1] نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ یعنی چوبیس گھنٹے میں یہ پانچ نمازیں ہر مسلمان عاقل، بالغ مرد و زن پر فرض ہیں۔ انہیں قائم رکھو۔ اقامت کا معنیٰ درست کرنا ہے اور اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ سے مراد نماز کو حتی الامکان درست طریقے سے ادا کرنا ہے۔ کہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ وقت کی پابندی کرو، طہارت کا خیال رہے۔ اس کے شرائط، واجبات، مستحبات وغیرہ سب کو احسن طریقے سے ادا کرو گے تو اقامت ہوگی۔ سنن ابو داؤد کی روایت[2] میں آتا ہے۔ کہ آدمی نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے۔ مگر اس کا کسی نماز سے صرف دسواں حصہ قبول ہوتا ہے نو حصے لغو ہوتے ہیں۔ بعض آدمیوں کی نماز کا اس سے زیادہ حصہ قبول ہوتا ہے۔ اور بعض کا اس سے زیادہ۔ حتیٰ کہ فرمایا جس کی آدھی نماز قبول ہو جائے، وہ بڑا عظیم المرتبت انسان ہے۔ نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ اُمُّ الْعِبَادَاتِ الْمُقَرِّبَةِ اِلَى اللّٰهِ تمام عبادتوں کی جڑ ہے اور اللہ کا قرب دلانے والا عمل ہے۔ لہٰذا یہ فرض نماز کسی بھی حالت میں فوت نہیں ہونی چاہیئے۔ نماز خدا تعالےٰ کی حضوری اور اس کی طرف متوجہ ہونے کی ایک صورت ہے۔ یہ خدا کے غضب اور ناراضگی کو دور کرتی ہے۔ جس طرح مالک سے بھاگا ہوا کوئی غلام خود بخود واپس آکر اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو جائے تو مالک کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص نماز میں اللہ تعالےٰ کے حضور آکر کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ نماز ایک ایسی عبادت ہے۔ جو کہ ہر ایک مسلمان پر فرض کی گئی ہے باقی عبادات مثلاً زکوٰۃ اور حج صرف مالداروں پر فرض ہے۔ ناداروں پر نہیں۔ اسی طرح بیمار اور اندھے پر جہاد فرض نہیں ہے۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

زکوٰۃ کی فرضیت

اس کے بعد وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ یعنی زکوٰۃ ادا کرو۔ اگر صاحب مال ہو، صاحب نصاب ہو

---

[1] ابو داؤد ص۵۶ ج۱ مسلم ص۹۱ ج۱ [2] ابو داؤد ص۱۱۵ ج۱

Marfat.com

سال گزر گیا ہے۔ تو زکوٰۃ فوراً ادا کرو۔ یہ مالی فریضہ ہے۔ نماز بدنی فریضہ تھا، زکوٰۃ مالی فریضہ ہے زکوٰۃ بھی مکی دور میں فرض ہو گئی تھی مگر اس کا نصاب اور مقدار مقرر نہیں کی گئی تھی، ہجرت کے دوسرے سال زکوٰۃ کا نصاب وغیرہ متعین ہوا۔ اس سے پہلے صرف یہی حکم تھا۔ کہ اپنے مال کا کچھ حصہ محتاجوں کی اعانت کے لیے خرچ کرو۔ نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون تولے چاندی یا بیس مثقال سونا مقرر ہوا۔ مویشیوں کا نصاب الگ مقرر ہوا۔ مقدارِ زکوٰۃ کے طور پر سونے اور چاندی کا چالیسواں حصہ، پانچ اونٹ میں سے ایک بکری، تیس گائے بھینس میں سے گائے یا بھینس کا ایک سالہ بچہ، اس سے زیادہ پر دو سالہ اور پھر تین سالہ۔ اسی طرح چالیس بکریوں میں سے ایک بکری کی زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ زمین کی پیداوار میں سے عشر یعنی دسواں حصہ اور اگر زمین میں کان نکل آئے تو پانچواں حصہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

نماز کی برکات

نماز کے متعلق فرمایا کہ یہ تعلق باللہ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ پاکیزگی طہارت، اتفاق و اتحاد فکر کی یکسانیت، انسانی ہمدردی، وقت کی پابندی یہ ہیں وہ دنیوی فوائد جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں۔ نماز نہ پڑھنے والے طہارت تک سے محروم ہوتے ہیں۔ کتنی بڑی سعادت ہے جو ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔ وہ اتحادِ فکر سے محروم ہوتے ہیں۔ صف بندی اتحادِ فکر کا ایک بڑا نمونہ ہے۔ نماز ایک عظیم نعمت ہے۔ خدا تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس میں مناجات ہے تعظیم الٰہی ہے۔ لہٰذا ارشاد فرمایا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ نماز پابندی سے ادا کرو زکوٰۃ ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔ یہ دونوں چیزیں فرائض میں داخل ہیں۔

قرضِ حسن

اس کے بعد فرمایا وَاَقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی اللہ کو قرض دو، اچھا قرض۔ یہاں قرض سے مراد قرضِ حسن بھی ہے۔ اور مطلقاً صدقہ خیرات بھی۔ زکوٰۃ کے علاوہ جو مال اللہ کی رضا کے لیے غربا و مساکین پر خرچ کیا جائے وہ قرضِ حسن ہے، قرضِ حسن دینے والے کو پورا اعتماد ہوتا ہے۔ کہ یہ مجھے واپس مل جائے گا۔ یعنی جب مقروض اپنی ضرورت پوری کرے گا۔ تو قرض کی رقم واپس لوٹا دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو جو قرض یعنی صدقہ خیرات کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ اس کا اجر و ثواب بھی اللہ کے ہاں ضرور ملے گا۔ اسی لیے فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا

---

[1] بقرہ آیت ۲۴۵

Marfat.com

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط یعنی جو اللہ کو قرض حسن دے گا، وہ اس کا دگنا چوگنا واپس لوٹائے گا۔

قرض سے مراد وہ قرض بھی ہے۔ جو ایک شخص دوسرے کو دیتا ہے تاکہ وہ اپنی ضرورت پورا کرنے کے بعد قرض کی رقم واپس کر دے۔ یہ قرض جو بغیر کسی مفاد کے دیا جائے، وہ قرض حسن کہلاتا ہے۔ آج کل تو سودی کاروبار کا زمانہ ہے۔ قرض حسن کی رسم مٹ چکی ہے۔ کوئی شخص قرضِ حسن دینے کے لیے تیار نہیں۔ مال سے مفاد دو طرح کا ہوتا ہے۔ مال خرچ کرنے والا یا تو اس سے دنیوی مفاد حاصل کرتا ہے یا اخروی۔ جو شخص صدقہ خیرات کرے گا، اُس کا مقصد اُخروی مفاد حاصل کرنا ہوگا۔ اگر وہ رقم منافع پر دے گا تو اس سے دنیوی مفاد حاصل کرے گا۔ قرض حسن میں دنیوی مفاد کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ یہ حرام ہے کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ حَرَامٌ یعنی ہر قرض جو نفع کھینچ کر لائے وہ حرام ہے[1]۔

امام اعظمؒ کا تقویٰ

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق منقول ہے[2]۔ کہ آپ جس آدمی کو قرض دیتے تھے، اُس کی دیوار کے سائے میں بھی نہیں بیٹھتے تھے، کہیں یہ بھی مفاد میں نہ آجائے۔ آپ بہت بڑے سخی، صوفی اور بزرگ امام تھے۔ اور بہت بڑے تاجر بھی تھے۔ آپ نے اپنی تجارت کے ذریعے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچایا اہلِ علم کی ایسی خدمت کرتے تھے، جس کی نظیر نہیں ملتی حصولِ علم کے لیے طلباء کی مالی امداد کرتے تھے مگر کسی کو پتہ نہیں لگنے دیتے تھے۔ نیکی کے کاموں میں بے پناہ خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ اُن کو مال بھی وافر دیتا تھا۔ امین ایسے تھے کہ آپ کے پاس بے شمار امانتیں جمع رہتی تھیں وفات کے وقت تقریباً پانچ کروڑ درہم کی امانتیں امام صاحب کے پاس موجود تھیں[3]۔ ہر چیز پر متعلقہ آدمی کی چٹ لگی ہوئی تھی۔ وصیت میں لکھا تھا۔ کہ یہ امانتیں امانت داروں تک پہنچا دی جائیں۔

الغرض قرض حسن کے معاملہ میں امام صاحب اس قدر محتاط تھے۔ کہ مقروض کی دیوار کے سائے میں بھی نہیں بیٹھتے تھے۔ کیونکہ قرض دیکر اس سے مفاد حاصل کرنا روا نہیں۔

قرضِ حسن کا دوہرا اجر

بعض روایات میں آتا ہے[4]۔ کہ حضور علیہ السلام نے معراج کے موقع پر دیکھا کہ بہشت کے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰ مخطوطہ [2] [3] امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی ص۹۱ بحوالہ موفق

[4] تفسیر عزیزی فارسی ص۲۰۵ پارہ ۲۹

Marfat.com

ایک دروازے پر لکھا تھا۔ کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے ایک درہم صدقہ کرے گا، اُس کو کم از کم دس درہم کا اجر ملے گا۔ اور جو کوئی ایک درہم قرض حسن دیگا، اُس کو اٹھارہ درہم کا اجر ملے گا۔ یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس کی وجہ دریافت کی کہ صدقہ کے مقابلہ میں قرض حسن دینے والے کا اجر کیسے بڑھ گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ صدقہ خیرات کا معاملہ یہ ہے۔ کہ یہ کبھی مستحق کو پہنچتا ہے۔ اور کبھی غیر مستحق بھی لے جاتے ہیں۔ مگر قرض ایک ایسی چیز ہے جو صرف مستحق ہی حاصل کرتا ہے۔ جس کو ضرورت نہ ہو، وہ قرض حاصل نہیں کرتا۔ تو قرض کا اجر دوہرا ہوتا ہے۔ ایک درہم جو قرض میں دیا تھا، جب وہ واپس لے لیا تو باقی نو درہم کا اجر باقی رہا جو دگنا ہو کر اٹھارہ درہم بن گیا۔ اسی لیے فرمایا وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔

قرض کے لین دین میں مشکلات

اِس زمانے میں قرض کے لین دین میں بھی سخت مشکلات پیش آرہی ہیں۔ اب خلوص و خیر خواہی کا فقدان ہے۔ ذہنیت سود خوری والی عام ہوگئی ہے۔ اسی طرح قرض لینے والے بھی نیک نیت نہیں رہے۔ قرض لے کر واپس نہیں کرتے۔ یہ بھی بڑا ظلم ہے مطل الغنی ظلم[1] ولی الواجد یحل عرضہ[2] جب ضرورت پوری ہوگئی ہے۔ تو قرض کی رقم واپس کرنی چاہیئے۔ قرض دینے والوں کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ قرض دے کر کوئی مفاد حاصل کیا جائے۔ سود یا منافع لیا جائے۔ یہ خود غرضانہ ذہنیت کی غمازی ہے۔

سود قطعی حرام ہے

جب سے یہودیوں کا ایجاد کردہ بنکاری کا سسٹم جاری ہوا ہے "زر زر را می کشد" والا معاملہ ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی بڑی بڑی رقمیں بنک میں جمع ہیں۔ رقم محفوظ رہتی ہے۔ اور اس پر سال بہ سال سود ملتا رہتا ہے۔ بس سود کھاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا واضح ارشاد ہے اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا یعنی اللہ نے تجارت حلال کی ہے اور سود قطعی حرام قرار دیا ہے جو سود کو حلال سمجھ کر کھاتا ہے۔ وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتا ہے، اور جو اسے حرام سمجھ کر کھاتا ہے۔ وہ گنہگار ہے۔ اُسے توبہ کرنی چاہیئے۔ اور آئندہ کے لیے باز آجانا چاہیئے۔ کسی مسلمان کے لیے سود کھانا روا نہیں۔ اگر کہیں سے سود کی رقم مل ہی جائے تو یہ سمجھ کر کسی غریب آدمی کو دے دے کہ اس سے کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اِس سے ایسی توقع رکھنے سے بھی کفر میں داخل ہونے کا خطرہ ہے۔ اس کو یوں سمجھے

---

[1] ترمذی ص۳۲۸، نسائی ص۲۳۰ ج۲ [2] نسائی ص۲۳۱ ج۲، ابن ماجہ ص۱۷۵

Marfat.com

کہ ایک نجاست تھی جو کپڑے یا بدن کو لگ گئی اور اُسے کسی محتاج کو دیکر نجاست کو دور کر لیا۔

تو فرمایا، یہ تین چیزیں ہیں۔ نماز قائم کرو۔ زکواۃ ادا کرو، قرض حسن دو۔ جب محتاج کی ضرورت پوری ہو جائے تو قرض کی رقم واپس لے لو۔ اس میں تمہارے لیے ڈبل اجر و ثواب ہے۔ قرض حسن میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہے۔ کہ نہ تو مقروض پہ احسان جتلائے اور نہ سختی سے تقاضا کرے۔ اگر مقروض مہلت طلب کرے تو مہلت دے دے۔ یہ تمام لوازمات قرض حسن میں آتے ہیں۔

نیکی کا اجر عظیم

قانون یہ ہے وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تم جو بھی نیکی آگے بھیجتے ہو، خواہ وہ قیام لیل ہو، ذکر ہو، تسبیح ہو، مراقبہ ہو، صدقہ خیرات ہو، نماز ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، کوئی بھی نیکی ہو۔ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ تم اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ هُوَ خَيْرًا وہ بہتر ہے۔ تَجِدُوْهُ مفعول اوّل ہے۔ اور خیراً مفعول ثانی۔ ہُوَ تاکید ہے یا بدل۔ اور بعض نے اس کی قرأت هُوَ خَيْرًا وَّاَحْسَنَ اَجْرًا بھی کی ہے۔ مبتدا خبر بھی بنایا گیا ہے۔ پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا یہ بہتر ہے۔ اور اجر کے اعتبار سے بڑی ہے۔ یعنی اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ انسان جو بھی بھلائی کا کام کرتا ہے۔ وہ محفوظ رہتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی تمام شرائط پوری ہوں۔ انسان عالم آخرت میں اسے پالے گا۔

استغفار کی برکات

اللہ تعالیٰ نے چوتھا قانون یہ فرمایا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے بخشش اور معافی مانگتے رہو۔ نماز قائم کرو۔ زکواۃ ادا کرو۔ قرض حسن دو، ان میں استغفار بھی ہے۔ کثرت سے استغفار کرو۔ نیکی کرنے کے بعد بھی بخشش طلب کرو۔ نماز کے بعد حضور علیہ السلام نے تین دفعہ استغفار کرنے کی تعلیم دی[1]۔ انسان جو بھی نیکی کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جانے کا امکان ہے۔ کوتاہیاں رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا استغفار کیا کرو تاکہ کوتاہیاں اور تقصیریں معاف ہوں۔ استغفار تسبیح سے بھی مقدم ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کشف المحجوب[2] والوں نے بھی لکھا ہے کہ کسی شخص نے کسی بزرگ سے دریافت کیا کہ میں تسبیح یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ کا وظیفہ زیادہ کروں یا استغفار کا۔ انہوں نے کہا استغفار زیادہ کیا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے صابن کی جس طرح صابن کپڑے کی میل کچیل دور کرتا ہے۔ اسی طرح استغفار دل کی میل کچیل دور کرتا ہے۔ اور سبحان اللہ، الحمد للہ کی مثال تو خوشبو

---

[1] ترمذی ص۷۰ [2] ص۷۰

Marfat.com

کی ہے۔ اگر کپڑا پاک صاف ہے تو تھوڑی سی خوشبو بھی کارآمد ہوگی۔ اور اگر کپڑا ہی گندا ہے۔ تو خوشبو لگانے سے اُس کی بدبو میں اضافہ ہوگا۔ اسی لئے حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَتُبْ عَلَیَّ اے اللہ مجھے معاف کردے۔ یا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اور پھر سید الاستغفار بھی ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ یہ اتنا کارگر وظیفہ ہے کہ فرمایا[2] اگر کسی کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو اللہ تعالےٰ معاف کردے گا، استغفار کے جتنے بھی کلمات ہیں، کہتے رہنا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ دل کی توجہ بھی ہونی چاہیئے۔ کہ اے مولا کریم! مجھ سے کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، میں ان سے معافی مانگتا ہوں۔ انہیں اپنی مہربانی سے ڈھانپ لے۔ غفر کردے۔ غفر کا معنی معاف کر دینا۔ ڈھانپ دینا ہے۔ لہذا استغفار کثرت سے کیا کرو۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے[3] کہ استغفار تنقیہ ہے۔ اگر آدمی تنقیہ کرتا رہے۔ تو اس کے بدن میں فضلات نہیں رہیں گے اور وہ صحت مند ہوگا۔ بالکل اسی طرح کہ اگر جسم میں خون، بلغم، خوراک کے فضلات جمع رہیں گے، قبض رہے گی اور آدمی بیمار ہوگا۔ اگر اس کی تنقیہ ہوتی رہے تو صحت بحال رہے گی۔ اسی طرح استغفار کے ذریعے سے انسان کی غلطیوں کی تنقیہ ہوتی رہے گی اور اس کی روحانی صحت قائم رہے گی۔

تو فرمایا اللہ سے بخشش طلب کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ معافی مانگتا ہے۔ التجا کرتا ہے۔ اس کو اللہ تعالےٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

---

[1] ابی داؤد ص ۲۱۲ ج ۱ [2] ترمذی ص ۴۸۹ ج ۲ [3] تفسیر عزیزی فارسی پارہ ۲۹ ص ۲۰۶

سورۃ المدثر

Marfat.com

تبارک الذی ۲۹
درس اوّل

المدثر ۷۴
(آیت ۱ تا ۴)

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ مدثر مکی ہے اور یہ چھپن آیتیں ہیں اور اس سورت میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالےٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ﴿۳﴾
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ﴿۴﴾

اے لحاف اوڑھنے والے ﴿۱﴾ آپ اٹھ کھڑے ہوں اور مخلوق کو ڈرائیں ﴿۲﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں ﴿۳﴾ اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھیں ﴿۴﴾

کوائف سورۃ

اس سورۃ کا نام سورۃ المدثر ہے۔ پہلی آیت میں مدثر کا لفظ مذکور ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ اس کی چھپن ۵۶ آیات اور دو سو پچپن الفاظ ہیں۔ یہ سورۃ ایک ہزار دس ۱۰۱۰ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ سورۃ مدثر نازل ہوئی مگر صحیح بات یہ ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر اتقان[1] میں اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی بیان کیا ہے کہ سورۃ علق کی ابتدائی آیتوں کے بعد متصلاً سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور حضور علیہ السلام کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا گیا۔ اس کے بعد سورۃ مزمل کا پہلا رکوع نازل ہوا۔ اور بعض فرماتے ہیں[2] کہ سورۃ

---

[1] روح المعانی ص ۱۱۵/۳۰ ، تفسیر اتقان ص ۲۴/۱ ، تفسیر مظہری ص ۱۲۳/۱۰

[2] روح المعانی ص ۱۷۸/۳۰ ۔ تفسیر طبری ص ۲۵۲، ۲۵۳/۳۰

Marfat.com

نازل ہوئی، اور درمیان میں کچھ عرصہ تک وحی منقطع رہی۔ اس عرصہ کو فترتِ وحی کا زمانہ کہا جاتا ہے جس کی مقدار تین سال تک بتائی جاتی ہے۔ اس دوران میں نبی علیہ السلام کو وحی کے انقطاع کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوئی تھی۔ آپ اس کے لیے بہت زیادہ شائق تھے۔ لہٰذا آپ غارِ حرا میں ایک مہینہ تک اعتکاف بیٹھے تھے۔ اُسی غارِ حرا میں جسے آج کل جبلِ نور کہتے ہیں۔ اور جہاں آپ نبوت ملنے سے پہلے اکثر بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کا رُخ انور خانہ کعبہ کی طرف ہوتا تھا۔ اُسی حالت میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی فَجَاءَ الْحَقُّ وَهُوَ فِي الْحِرَا یعنی حضور علیہ السلام کے پاس حق آگیا اور آپ غارِ حرا میں تھے۔ نبوت ملنے کے بعد فترتِ وحی کے زمانہ میں آپ ایک دفعہ پھر غارِ حرا کی طرف متوجہ ہوئے اور توشہ وغیرہ لے کر مدتِ بھر کے لیے اعتکاف کیا۔

وجہ تسمیہ

اس اعتکاف کے بعد جب آپ پہاڑ سے نیچے اُترے تو آپ نے ایک آواز سُنی۔ آپ کو یہ آواز اُسی فرشتے کی معلوم ہوئی جو پہلی دفعہ وحی لایا تھا، آپ نے دائیں بائیں دیکھا، مگر کچھ نظر نہ آیا، وہی آواز جب دوبارہ آئی تو آپ نے نگاہ اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا، تو فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان فضا میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ اور ساری فضا اُس سے پُر تھی۔ اُسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دہشت کی کیفیت سی طاری ہوئی۔ آپ گھر تشریف لائے اور گھر والوں سے فرمایا دَثِّرُوْنِیْ مجھ پر کپڑا ڈال دو، مجھے سردی لگ رہی ہے۔ دثار موٹے کپڑے یا کمبل کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق لحاف پر بھی ہوتا ہے۔ بلکہ ہر اُس کپڑے پر ہوتا ہے۔ جو اوپر اوڑھا جاتا ہے۔ جو کپڑا جسم کے ساتھ پیوستہ ہوتا ہے اُسے شِعار کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ملتا ہے[1] جس میں فرمایا اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ یعنی عام لوگ دثار (بیرونی کپڑے) کی مانند ہیں اور انصار مدینہ شعار (اندرونی کپڑے) کی طرح ہیں۔ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کے ساتھ ایسا ہی قریبی تعلق ہے۔ جیسا اندرونی کپڑے کو جسم کے ساتھ۔ چنانچہ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اسی لفظ دثار سے مدثر ہے۔ یعنی کمبل اوڑھنے والے اور اسی لفظ کو سورۃ کا عنوان بنایا گیا ہے۔

بعض فرماتے ہیں۔ کہ مدثر، تدثیر کا معنیٰ ہلاک کرنا بھی ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] روح المعانی ص۱۱۵ ج۲۹ مظہری ص۱۲۳ ج۱۰ [2] کنز العمال ص۴ ج۱۳

Marfat.com

نے فرمایا[1] میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد بھی ہوں۔ احمد بھی ہوں۔ میں مقفّی بھی ہوں، سب سے پیچھے آنے والا، عاقب کا معنیٰ آخر میں آنے والا۔ اور میں حاشر ہوں اَلَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ لوگ میرے قدموں میں اکٹھے کئے جائیں گے یعنی دنیا میں مختلف قومیں اور آخرت میں سارے لوگ۔ فرمایا اَنَا الْمَاحِیْ میں ماحی بھی ہوں یعنی مٹانے والا، مہلک الَّذِیْ یَمْحُ اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ اللہ تعالےٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا۔ تو گویا آپ کا لقب کفر کو مٹانے والا بھی ہے۔ مدثر کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ یعنی کفر و شرک کو مٹانے والا، مدثر کا پہلا معنیٰ کمبل یا لحاف اوڑھنے والا اور دوسرا معنیٰ کفر و شرک کو مٹانے والا ہے۔ تو فرمایا یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ اے لحاف اوڑھنے والے یا کفر و شرک کو مٹانے والے آپ اٹھ کھڑے ہوں۔ اور مخلوق خدا کو ڈرائیں۔

پہلی منزل ذاتی تکمیل

مفسرین کرام اس سورۃ کی تطبیق سابقہ سورۃ مزمل کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ وہاں ارشاد تھا یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور مزمل کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک تَزَمَّلَ کمبل اوڑھنے والے اور دوسرا ساتھی اکٹھا کرنے والے۔ وہاں پر دونوں معنی درست ہیں۔ کیونکہ ابتدا میں یہی حکم تھا۔ کہ پہلے ساتھی اپنے ساتھ ملائیں تاکہ اس پروگرام کو آگے بڑھایا جا سکے۔ غیر محدود لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنا اکیلے نبی کا کام نہیں، بلکہ ساتھ جماعت بھی درکار ہے، لہٰذا جماعت کا تذکرہ ہوا، اور تربیت کا پروگرام وضع ہوا۔ کہ قُمِ الَّیْلَ آپ خود بھی رات کو قیام کریں وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ اور ایک گروہ بھی جو آپ کے ساتھ ہے۔ قیام لیل کا سب سے بڑا مقصد قرآن پاک میں غور و فکر کرنا ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اور قرآن کو ترتیل سے پڑھیں، پروگرام سمجھ میں آجائے گا۔ یہ ضروری ہے۔ کیونکہ آگے دنیا میں انقلاب برپا کرنا ہے۔

تو گویا پہلی منزل ذاتی کمال کی ہے، تربیت کی ہے۔ اسی لیے پہلی سورۃ میں فرمایا کہ آپ رات کو کھڑے ہوں، اس سے تہذیب نفس حاصل ہو گی، کمال حاصل ہو گا، روحانیت حاصل ہو گی۔ اور تعلق باللہ مضبوط ہو گا۔ جس کی ضرورت ہے۔ اور جس کے بغیر کوئی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ تو فرمایا پہلے آپ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تکمیل کے لیے قیام لیل کریں۔ جب ذاتی تکمیل کا مرحلہ طے ہو جائے گا۔ تو

---

[1] مسلم ص ۲۶۱ ج ۲ بخاری ص ۵۰۱ ج ۱

Marfat.com

دوسروں کی تکمیل کا موقعہ آئے گا۔ کیونکہ دوسروں کو کامل بنانے کے لیے پہلے خود کمال حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں جو یہ فرمایا ہے هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ یعنی ہم نے انسان کو دو اُونچے راستے دکھلائے یا دو گھاٹیوں کی طرف راہنمائی کی، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ انسان خود اپنی ذات میں کامل ہو اور کمال حاصل کرنے کا طریقہ یہ بتایا قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا رات کا کچھ حصہ قیام کرو وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا اور قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھو۔ اس کے بعد فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کے نام کو یاد کرو، کیونکہ تعلق باللہ اور کمال حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اور یہ تعلق تنہائی میں پیدا ہونا زیادہ آسان ہے۔ اللہ کے ساتھ تنہائی میں تعلق جوڑو۔ اور اس کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کرو۔ اس کے بعد فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ یعنی خدا کو ہی کارساز بناؤ، اُس کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ عقیدے کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور کسی چیز پر بھروسہ نہ کرو۔ مادی اسباب ایک درجے تک استعمال کرو۔ تاثیر اللہ نے پیدا کرنی ہے۔ چاہے تو تاثیر پیدا کر دے، چاہے تو نہ کرے۔ یہ تمام باتیں ذاتی تکمیل کی تربیت کے لیے ہیں۔ اُس کے بعد جب مخالفین سے مقابلہ ہوگا تو وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ جو وہ کہتے ہیں، اس پر صبر کرو۔ اپنے اندر برداشت پیدا کرو۔ ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لو، مگر اچھے طریقے سے۔ یہ سب تربیت کے اصول ہیں، جو ذاتی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔

قول و فعل میں مطابقت

جب ان اصولوں پر کسی جماعت کی تکمیل ہو جائے گی تو پھر دوسرا پروگرام شروع ہوگا۔ جس کا مقصد دوسروں کی تکمیل ہے۔ سورۃ مزمل میں ذاتی تکمیل کا پروگرام تھا۔ اس سورۃ میں دوسروں کی تکمیل ہے۔ وہاں بھی لفظ قُمْ سے ابتدا کی گئی، اور یہاں بھی قُمْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں پر حکم تھا۔ کہ رات کو قیام کریں اور اس میں قرآن پاک تلاوت کریں۔ اب جب کہ قرآن پڑھ لیا، سمجھ لیا، روحانیت میں کمال حاصل کر لیا تو اس سورۃ میں فرمایا قُمْ فَاَنْذِرْ کہ آپ اٹھ کھڑے ہوں اور ذاتی تکمیل کے بعد دوسروں کی تکمیل کا ذمہ اٹھائیں، مخلوقِ خدا کو ان کے انجام سے ڈرائیں۔ گویا دوسروں کو راہِ راست کی دعوت دینے سے پہلے ذاتی تکمیل ضروری ہے۔ اگر یہ نہیں ہوگا۔ تو قول و فعل میں تضاد واقع ہوگا۔ اور یہ کسی صورت میں مستحسن نہیں ہے۔

اسی تضاد کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی مذمت فرمائی۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ پہلے خود نیکی کرو، پھر دوسروں کو تلقین کرو، تو اس کا اثر ہوگا۔ اگر خود عمل نہیں کروگے تو تمہاری بات رائیگاں جائے گی۔ تمہاری نصیحت بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص خود عمل نہیں کرتا اور محض دوسروں کو نصیحت کرتا ہے۔ اس میں کماحقہٗ کامیابی نہیں ہوتی اگرچہ محض اچھی بات کہنے کو بھی ایک درجے تک اچھا مان لینا چاہیے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ جو خود عمل نہیں کرتا، صرف اچھی بات کہہ دیتا ہے۔ وہ بھی کسی حد تک قابل قبول ہے۔ مگر اس میں کمال نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص خود عمل نہیں کرتا اُس کی نصیحت اسی طرح ضائع ہو جاتی ہے۔ جس طرح چٹان پر پڑی ہوئی مٹی بارش سے اُتر جاتی ہے۔ اور وہاں کوئی فصل نہیں ہو سکتی۔

انبالے والے سائیں توکل شاہؒ مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ نیک اور صالح مرد تھے۔ کسی حد تک مجذوب بھی تھے۔ ایک عورت بچے کو آپ کے پاس لائی کہ حضرت! یہ گڑ بہت کھاتا ہے اسے دم کر دیں۔ اس کے دانت خراب ہو گئے۔ مگر یہ گڑ کھانے سے باز نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا، اس بچے کو کل میرے پاس لانا، دم کروں گا۔ وہ عورت چلی گئی تو شاگردوں نے پوچھا کہ کیا بات تھی آپ نے اُس عورت کو کل آنے کو کہا۔ فرمایا، آج تو میں نے خود گڑ کھایا ہوا تھا، بچے کو دم کیسے کرتا۔ تو گویا یہ اُن کے کمال کا معیار تھا۔ کہ جو کام خود کیا ہے۔ اُس سے دوسرے کو کیسے منع کروں۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کامل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اُن کی تربیت فرماتا ہے۔ اُن کی تربیت نبوت سے پہلے بھی کمال درجے کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مکروہات اور بری باتوں سے بچاتا ہے۔ انہیں مکمل گارنٹی حاصل ہوتی ہے۔ وہ بذاتہٖ کامل ہوتے ہیں کیونکہ انہیں دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بننا ہوتا ہے۔ اور اس طرح وہ دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں۔

دوسری منزل
اصلاحِ عالم

ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے لحاف اوڑھنے والے یا کفر و شرک کو مٹانے والے قُمْ فَاَنْذِرْ آپ اٹھ کھڑے ہوں اور مخلوق خدا کو انکے مستقبل کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔ ہر نبی منذر یعنی ڈرانے والا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ یعنی رسول خوشخبری

Marfat.com

بھی سناتے ہیں اور ڈراتے بھی ہیں۔ جس زمانے میں یہ سورۃ نازل ہوئی، اُس زمانے میں کفر و شرک کی بہتات تھی، لہٰذا موقعہ کی مناسبت سے انذار کا حکم دیا۔ کہ ساری دنیا بُرائی سے پُر ہے انہیں برائی کے انجام سے ڈرائیں۔ ہاں جب نیکی کا دور دورہ ہوگا، تو انہیں بشارت بھی سنائی جائے گی۔ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی جو لوگ ایمان قبول کر چکے ہیں توحید کو مان چکے ہیں۔ نیکی کے کام انجام دیتے ہیں، اُن کو بشارت بھی سنائیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ سورۃ مزمل میں قیام لیل کے آداب ہیں اور سورۃ مدثر میں قیام نہار کے آداب ہیں۔ یعنی رات کو قیام لیل کے ذریعے تعلق باللہ کو مضبوط کریں۔ اور دن کی روشنی میں مخلوق خدا کو ڈرائیں۔ کہ اصلاح عالم کے لیے ضروری ہے۔

رب کی بڑائی

اس کے بعد فرمایا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یعنی اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ اس وقت دنیا کی حالت یہ ہے۔ کہ کوئی بادشاہوں کی تعریف کرتا ہے، کوئی شہنشاہوں کی اور کوئی سرمایہ داروں کی۔ کوئی کسی ڈکٹیٹر کی تعریف میں رطب اللسان ہے، اور کوئی اپنی قوم کی بڑائی بیان کر رہا ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ وہی بڑا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ چنانچہ نماز جس میں اِخبات اور طہارت دونوں عناصر شامل ہیں، اُس کی ابتدا اَللّٰہُ اَکْبَرُ سے ہی ہوتی ہے۔ یہ تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی۔ یہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔ اِسی لیے فرمایا کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ کَبِیْرٌ، اَللّٰہُ الْکَبِیْرُ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وغیرہ (اللہ کے ناموں) ان میں سے کوئی بھی لفظ کہہ سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایسا لفظ ہونا چاہیئے۔ جو اللہ تعالےٰ کی عظمت اور کبریائی پر دلالت کرتا ہو۔ اس سے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ کہ صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہی کہہ سکتے ہیں اور کسی لفظ کی اجازت نہیں دیتے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کے علاوہ اَللّٰہُ الْکَبِیْرُ یا اَللّٰہُ الْاَکْبَرُ

لہ جامع صغیر ص۱۴ ہدایہ اولین ص۱۰۱

کہہ سکتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔

الغرض آپ کو حکم ہوا۔ کہ صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ کسی شہنشاہ، سرمایہ دار یا خاندان یا قبیلے کی بڑائی بیان نہ کریں۔ بلکہ خدا تعالےٰ ہی بڑا ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ارض و سما میں بڑائی کے لائق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ البتہ نبی کی تعظیم ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ نبی کی تعظیم رسالت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کسی بادشاہ، استاد، ماں باپ کی تعظیم ہوگی، تو اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق ہوگی، کہ اُس نے تعظیم کا حکم دیا ہے۔ ان کو بھی چاہیئے کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کریں۔ اگر حاکم خدا کا فرمانبردار ہو، تو فرمایا اُسکی اطاعت کرو۔ اگر نافرمان ہے۔ اس کی اطاعت مت کرو۔ کیونکہ[1] لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی اگر کوئی امیر خدا کی نافرمانی کا حکم دے، تو مت مانو۔ انکار کر دو، کیونکہ اطاعت صرف معروف میں ہے۔ اس لیے یہ بات قانون کے طور پر بتا دی، کہ خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کرو، یہی اِخبات ہے۔ اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ کہ بڑائی کا مالک وہی ہے۔ اُس کے علاوہ اور کسی کی بڑائی بذاتہٖ نہیں۔ اگر حکم خداوند کے تابع ہوگا، تو احترام کیا جائے گا۔ ورنہ نہیں تو گویا اِخبات یعنی خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا پہلا خلق ہے۔

لباس کی پاکیزگی

دوسرا خلق لباس کی پاکیزگی ہے۔ فرمایا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ یعنی اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو۔ لباس کی پاکیزگی بدن کی پاکیزگی چاہتی ہے۔ اور بدن کی پاکیزگی ماحول کی پاکیزگی چاہتی ہے۔ اِسی طرح ظاہری پاکیزگی باطنی پاکیزگی کی خواہش مند ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ پاکیزگی کی ضرورت ہر مقام پر ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں[2]۔ کہ باطن کو پاک کرو۔ اگر باطن میں شرک یا کوئی شائبہ، نفاق، الحاد، شک، تردد یا بدعقیدگی کا ہوگا تو بدن ناپاک ہوگا۔ اِسی لیے مشرکوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اور منافقوں کے متعلق فرمایا اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ یعنی وہ ناپاک ہیں اور اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں اگر نہ بھی پلید ہوں مگر باطن میں پلید ہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ اپنے باطن کو کفر و شرک سے پاک کرو۔ اپنے دل کو نور

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۲۱ بحوالہ شرح السنۃ [2] تفسیر عزیزی فارسی پارہ ۲۹ ص۲۹۱

Marfat.com

ایمان و توحید سے منور کرو، تو ظاہر میں بھی پاکیزگی آئے گی۔

ماحول کی پاکیزگی

جس طرح لباس اور بدن کی طہارت ضروری ہے۔ اسی طرح مکان کی طہارت بھی لازمی ہے گندی جگہ پر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مکان کو صاف رکھو، اس کے بعد گلیوں کو صاف رکھو، ورنہ گندگی پھیلے گی، اپنے شہر کو صاف رکھو، میونسپلٹی کو صاف رکھو کہ بیماری نہ پھیلنے پائے۔ پھر آگے بڑھ کر اسمبلی کو صاف رکھو تاکہ گندے اور غلیظ آدمی وہاں نہ جا سکیں۔ وہاں اچھے لوگوں کو بھیجو جن کا ظاہر اور باطن پاک ہو نجس لوگ اسمبلیوں میں جائیں گے تو گندگی پھیلائیں گے۔ ملک کو پاک رکھنے کا مطلب یہی ہے۔ کہ اس کے قانون ساز اداروں میں اچھے لوگ جائیں جو ایسے قانون وضع کریں جن کی وجہ سے ملک سے غلاظت دور ہو۔ برائی، عیاشی اور فحاشی سے طہارت حاصل ہو۔ اگر ایک ملک میں پاکیزگی کا دور دورہ ہوگا۔ تو اس کے اثرات دوسرے ملکوں تک بھی پہنچیں گے۔

خوراک کی پاکیزگی

اسی طرح ہر شخص کے لیے خوراک کی پاکیزگی بھی ضروری ہے اگر لباس اور بدن تو صاف ہو مگر کھانا حرام کمائی کا ہو یعنی رشوت، دھوکے فریب، ناجائز تجارت کا ہو، تو طہارت نہیں ہو گی۔ لہٰذا اپنی غذا کو پاک بنانا بھی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ نَّبَتَ لَحْمُهٗ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ یعنی جس شخص کا گوشت حرام مال سے پلے گا، وہ دوزخ میں جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا لباس کے ساتھ ساتھ خوراک کی طہارت بھی ضروری ہے۔

علیٰ ہذا القیاس خیالات کی پاکیزگی، ریاست کی پاکیزگی، مذہب کی پاکیزگی بھی لازمی ہے طہارت کا مطلب صرف استنجا اور وضو کر لینا نہیں یا کپڑے دھو لینا اور نہا لینا نہیں، بلکہ طہارت اپنے وسیع تر مفہوم میں ہر جگہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اللہ تعالیٰ طہارت پسند لوگوں کو محبوب رکھتا ہے۔ نجس آدمی پاکیزہ مقام میں بھی نہیں جا سکتا۔ وہاں پر پاک ہو کر پاک لوگ ہی جائیں گے۔

بہرحال وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ میں طہارت کا اصول اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ طہارت کس طرح اختیار کرنی چاہیئے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے اظہار کی تعلیم دی۔ اور فرمایا کہ بڑائی صرف اللہ ہی کی بیان کرو، اُسی کے سامنے عاجزی اختیار کرو اور طہارت حاصل کرو۔

ک مشکوٰۃ ص۲۴۶ بحوالہ بیہقی

Marfat.com

درسِ دوم (آیت ۵ تا ۱۰)

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿۸﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اور گندگی سے دور رہیں ﴿۵﴾ اور کسی پر احسان مت کرو کہ اس سے مفاد حاصل کرو ﴿۶﴾ اور اپنے رب کے لیے صبر کریں ﴿۷﴾ پھر جب پھونکا جائے گا ناقور کے اندر ﴿۸﴾ پس وہ دن بڑا سخت ہوگا ﴿۹﴾ کافروں پر وہ سخت دشوار ہوگا ﴿۱۰﴾

گذشتہ سے پیوستہ

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے لحاف اوڑھنے والے، قُمْ آپ اُٹھ کھڑے ہوں، فَاَنْذِرْ اللہ کی مخلوق کو بُرے انجام سے ڈرائیں۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ اُسی کو سب سے بلند اور برتر خیال کریں۔ اور اس بات پر یقین رکھیں۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔

اخلاق کی پاکیزگی

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ثیاب سے مراد جسم پر پہننے والے ظاہری کپڑے بھی ہیں۔ اور اِن کا اطلاق اخلاق پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی اخلاق کو پاک رکھو۔ جیسا کہ محاورے کے طور پر کہتے ہیں فُلَانٌ نَقِيُّ الذَّيْلِ طَاهِرُ الثَّوْبِ یعنی فلاں شخص پاکیزہ کپڑے والا ہے یعنی اچھے اخلاق کا مالک ہے پاک دامن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عمدہ اخلاق کا حامل ہے۔ تو گویا طہارت سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں طہارتیں ہیں، اور اسلام نے دونوں کا حکم دیا ہے۔

ظاہری طہارت

ظاہری طہارت تو یہ ہے کہ انسان کے جسم کے ساتھ کسی قسم کی نجاست نہ لگی ہوئی ہو یعنی بول و براز، خون یا پیپ، یا قے وغیرہ۔ نیز اُس کا لباس بھی صاف ستھرا ہو۔ کیونکہ جسم اور لباس کی پاکیزگی کے بغیر انسان اپنے مالک کے حضور نماز میں بھی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ نماز کے شرائط میں داخل ہے۔ اسی طرح مکان کا پاک ہونا بھی ضروری ہے کہ ناپاک جگہ پر نماز نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کی جگہ کے متعلق فرمایا نَظِّفُوْهَا یعنی اسے پاک رکھو۔ وہاں کسی قسم کی گندگی نہیں

Marfat.com

ہونی چاہیئے۔ اسی لیے بوچڑخانہ جیسی نجاست آلود جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت فرمادی۔ اسی طرح راستے میں نماز پڑھنے سے منع فرمادیا، کہ وہ بھی نجاست سے آلودہ ہوسکتا ہے گھر کے صحن کے متعلق فرمایا نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ اپنے صحنوں کو پاک رکھو۔ اور یہودیوں سے مشابہت اختیار نہ کرو۔ خیبر اور دوسرے علاقوں کے یہودی کاشتکاری کرتے تھے، اُن کے صحن اکثر گندگی اور گوبر وغیرہ سے بھرے رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اُن کی مشابہت وغیرہ سے منع فرمادیا۔ مگر آج کل تو اُلٹی حالت ہے۔ یہود و نصاریٰ صفائی کی پابندی کرتے ہیں، اور مسلمان نجاست میں آلودہ ہوگئے ہیں۔ اِس زمانے میں ظاہری اور باطنی گندگی مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے، حالانکہ طہارت دین اسلام کا ایک اہم ترین اصول ہے۔

باطنی طہارت

باطنی طہارت، ظاہری طہارت سے بھی اہم ہے۔ جس شخص کا عقیدہ گندہ ہے وہ حظیرۃ القدس تک کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔ کفر، شرک، نفاق، بدعات جیسی چیزوں سے انسان کا دل و دماغ ناپاک ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات اس کی روح ناپاک ہوجاتی ہے حالانکہ اُس کی طہارت سب سے پہلے ہونی چاہیئے۔ باطنی طہارت کے لیے ضروری ہے۔ کہ کمائی حلال ہو، لباس مشکوک اور حرام مال سے مبرا ہو، خوراک حلال اور اور طیب مال سے ہو۔ اِسی لیے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی پاک اور طیب چیزوں کو اپنی خوراک کا جزو بناؤ۔ عبادت کی قبولیت کا یہی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ یعنی اللہ کا پیغمبر طیب چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے۔ اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ یہ ایک عام قانون بنا دیا کہ طیب چیزیں استعمال کرو، اور حرام، مشکوک اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرو۔ طہارت سے محبت فرشتوں سے مشابہت پیدا کرنا ہے

گندگی سے پرہیز

تیسرا خلق یہ بیان فرمایا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ یعنی گندگی سے دور رہیں۔ اس گندگی سے مراد بھی بدعقیدگی کی گندگی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ یعنی شرک و کفر کی گندگی سے بچو۔ اسی طرح ایک جگہ رجز کا اطلاق عذاب پر بھی ہوا ہے جیسا کہ فرمایا فَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ یعنی بنی اسرائیل پر آسمان سے طاعون کی صورت

لہ ترمذی ص۳۹۷

Marfat.com

میں رجز اتاری گئی، جس سے آناً فاناً ہزاروں لوگ موت کا شکار ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ گندگی کو اپنے قریب نہ آنے دیں، اسے دور ہی رکھیں۔ خاص طور پر بدعقیدگی اور اخلاق رذیلہ کی گندگی سے بچیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اسے سماحت سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ اپنے اندر سماحت کا اخلاق پیدا کریں۔ سماحت کا لفظ حدیث میں آتا ہے جس کے عام معنی تو فیاضی ہے۔ مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان پر بہیمیت اور خسیس خواہشات غالب نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ یہ چیزیں غالب آجائیں تو انسان میں حرص، لالچ اور خود غرضی جیسی قبیح عادات پیدا ہونگی۔ لہذا انسان کے اندر سماحت کی صفت پیدا ہونی چاہیئے، سارے انبیاء علیہم السلام اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ اس کے بغیر انسان اجتماعی حیثیت کے حامل کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اعمال کی درستگی حقوق کی ادائیگی اور خوش معاملگی کے لیے صفتِ سماحت کا ہونا لازمی ہے۔

احسان

اخلاق عالیہ میں چوتھا خلق یہ بیان فرمایا وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی کسی پر ایسا احسان نہ کریں جس کا بدلہ زیادہ طلب کریں۔ کسی کے ساتھ احسان کرنا نوع انسانی کا تقاضا ہے، مگر اُس احسان کے عوض میں کوئی مفاد حاصل کرنا یا اس کی خواہش ہی دل میں رکھنا نفس احسان کے خلاف ہے۔ احسان کر کے جتلانا احسان کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور یہ عدل کے بھی خلاف ہے۔ کہ مہربانی کرے اور پھر اس کا معاوضہ یا بدل طلب کرے۔ اور عدل ہی ایسی چیز ہے جس سے اجتماعی کام آسانی سے ہو سکتے ہیں۔ اگر عدل نہیں ہوگا، تو اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچے گا۔ اور سارا نظام ہی خراب ہو جائے گا۔

شادی کی رسوم میں نیوندرے کا کیا مقصد ہے۔ یہ دیا ہی اس نیت سے جاتا ہے۔ کہ اس سے بڑھکر وصول کیا جائے گا۔ اور اگر دوسرا شخص نہ دے سکے تو گلہ شکوہ شروع ہو جاتا ہے۔ غیبت ہوتی ہے ناراضگی تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ سب مکروہ ہے۔ اور صفت عدل کے منافی ہے۔ لہذا کسی پر احسان کرنے کے بعد نہ اُسے جتلاؤ۔ نہ اُس سے مفاد حاصل کرو۔ یہ صفت عدالت کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کا جزو رہی ہے اور دین حق کی ایک اہم ترین صفت ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۴/۱ طبع رشیدیہ دہلی۔

Marfat.com

بعض فرماتے ہیں۔ کہ نیکی کرنے کے بعد اس کا احسان مت جتلاؤ۔ خدا کے سامنے اس بات کا اظہار کہ بہت زیادہ نیکی کی ہے، کسی طرح مناسب نہیں۔ کیونکہ کیا معلوم وہ نیکی شرائط کے مطابق تھی یا نہیں۔ اور کیا وہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی ہے یا نہیں۔ لہٰذا عجز و انکساری سے بارگاہ رب العزت میں درخواست کرو کہ وہ اسے قبول فرمالے۔ یہ کبھی نہ کہو کہ ہم نے بہت نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں یا صدقہ خیرات کیا ہے۔ یہ سب اُسی کی توفیق سے ہے۔ اور ان نیکیوں کے مفید ہونے کا انحصار ان کی قبولیت پر ہے۔

دین کا خلاصہ

یہ چاروں اخلاق دین کا لب لباب ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[1] کہ دین کے تمام شرائع اور احکام انہی کے تحت آتے ہیں۔ کوئی حکم اِخبات کے تحت آتا ہے، کوئی سماحت کے، کوئی عدالت کے تحت۔ (کوئی طہارت کے تحت)

حکم انذار کے تحت جب ان لوگوں کو ڈرایا جائے گا، تو ظاہر ہے۔ کہ ان میں سے ایسے خود غرض مغرور، اور نجس لوگ ہوں گے جو مخالفت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح قرآنِ پاک میں فرعون کا حال بیان ہوا ہے۔ وہ کہتا تھا۔ خدا کون ہے جسے تم بار بار پکارتے ہو، مجھ سے بڑا کون ہے۔ مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ میں ہی تمہارا اِلٰہ ہوں۔ میرے سوا اور کون ہے۔ آج بھی بڑے لوگ اپنی ہی بڑائی کے خواہشمند ہیں۔ یہ کسی اور کی بڑائی کو پسند نہیں کرتے۔ جب اِن کو کہا جائے کہ رب کی بڑائی بیان کرو تو ان کو غصہ آجاتا ہے۔ مقابلہ کرتے ہیں اور حقیقت کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب انہیں کہا جاتا ہے۔ کہ نجاست اور گندگی سے دور رہو، گندے عقیدے کو چھوڑ دو تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے، بلکہ اس پر ڈٹے رہتے ہیں۔ جب انہیں انصاف کی بات بتائی جاتی ہے تو اس پر آمادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنی غلط روش پر قائم رہتے ہیں۔

ظلم کی بیخ کنی

شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں[2]۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد ظلم کا خاتمہ ہے رَفْعُ التَّظَالُمِ مِنْ بَیْنِ النَّاسِ۔ انسانیت پر جو بھی ظلم ہوتا ہے۔ وہ حق تلفی ہوتی ہے۔ جب تک ظلم کا دور دورہ رہے گا، حق تلفی ہوتی رہے گی۔ انبیاء علیہم السلام کا فرض رہا ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۳ تا ۵۵ ج ۱

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۱ ج ۱

Marfat.com

کہ وہ جور و ستم کے خلاف جہاد کریں۔ لہٰذا آج بھی مظلوم کا حق دلانا انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ مزدور اور کسان کا حق دلانا، کمزور طبقہ کی مدد، ظلم کو دفع کرنا بہترین عمل ہے۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کسی پر احسان مت جتلاؤ کہ اس سے مفاد حاصل کرو، مفاد پرستی انصاف کے خلاف ہے۔ ہر شخص کو انصاف میسر آنا چاہیئے انسانیت سے ظلم کو دور کرنا ضروری ہے۔

صبر کی تلقین

اس کے بعد فرمایا کہ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی اپنے رب کے لیے صبر کریں۔ اس راستے میں تکالیف آئیں گی، مخالفت ہوگی مگر اس کے باوجود صبر کا دامن نہیں چھوڑنا پچھلی سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دلائی تھی کہ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ یہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کریں۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی صبر کی تلقین کی تھی۔ یہاں بھی یہی ارشاد ہوا کہ مخالفین کی ایذا رسانی پر برداشت کریں، استقلال سے کام لیں صبر ملّت ابراہیمی کا ایک اہم ترین اصول ہے۔ جس طرح اللہ کی وحدانیت، ذکر الٰہی، نعمتوں پر شکر، نماز اور تعظیم شعار اللہ بڑے بڑے اصول ہیں۔ اسی طرح صبر بھی اہم اصول ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ صبر و نماز سے کام لیں، گھبرائیں نہیں۔ سورۃ نٓ میں بھی گذر چکا ہے وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ یعنی مچھلی والے کی طرح بے صبری نہ کرنا۔ انہوں نے بھی ذرا سی بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں امتحان میں ڈال دیا۔ نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے ساری امت کو صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔ تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنا، اطاعت پر جمے رہنا اور ناگوار حالات میں بھی صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ عام صبر اور اللہ کے لیے صبر کرنے میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان میں ایسی قوت برداشت پیدا ہو جائے جس میں امیر اور غریب کا امتیاز ختم ہو جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ کہ امیر آدمی کی طرف سے زیادتی ہو تو صبر کرے اور غریب کی طرف سے تعدی ہو تو صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے۔ یہ رب کے لیے صبر نہیں ہوگا۔ رب کے لیے صبر وہ ہوگا، جو سب کے لیے یکساں ہو۔ اسی لیے فرمایا کہ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی اپنے رب کے لیے صبر کریں۔

لہ تفسیر عزیزی فارسی پارہ ۲۹ صہ ۲۱۲

Marfat.com

قیامت کی ہولناکیاں

قیامت کا ذکر ہر شخص کے ایمان کا جزو ہے۔ لہذا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی کا ذکر فرمایا۔ یعنی جو کچھ پیچھے بیان ہو چکا ہے اس کا نتیجہ آگے چل کر نکلے گا۔ فرمایا فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ پھر جب پھونکا جائے گا اُس ناقور کے اندر۔ ناقور کا معنی کھوکھلی چیز جیسے بگل ہوتا ہے یا سینگ جو اندر سے خالی ہوتا ہے تو فرمایا جب اس کریدی ہوئی چیز میں پھونکا جائے گا یعنی قیامت برپا ہو جائے گی فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ پس یہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ جنہوں نے اپنے اندر اخلاق حسنہ پیدا نہیں کئے اور جنہوں نے صبر نہیں کیا انہیں پتہ چل جائے گا۔ کہ یہ کتنا دشوار دن ہے۔ اور خاص طور پر عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ کافروں پر یہ دن سخت دشوار ہوگا۔ جنہوں نے حق کے مشن کی مخالفت کی اُن کے لیے بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ اُن کے لیے آسانی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے دنیوی زندگی میں دشواری کے کام ہی سرانجام نہیں دیے تھے۔ لہذا اُس روز ایسا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

البتہ ایمان والوں پر یہ دن نرم ہو جائے گا۔ کیونکہ ایمان کی بدولت انہیں فلاح حاصل ہونے والی ہے۔ اُن کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام بھی اُن کی سفارش کریں گے۔ ایمان اور توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی بھی اُن کے شامل حال ہو جائے گی۔ لہذا اس دن ایسے لوگوں کی سختیاں کم ہو جائیں گی۔ مگر کافروں پر یہ دن بہت ہی دشوار ہوگا۔

Marfat.com

درس سوم (آیت ۱۱ تا ۲۵)

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾
وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ
اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا
﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ
قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ
﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جسے میں نے اکیلے پیدا کیا ﴿۱۱﴾ اور میں نے اُسے لمبا چوڑا مال دیا ﴿۱۲﴾ اور (مجلس میں) حاضر ہونے والے بیٹے دیے ﴿۱۳﴾ اور ہموار کر دیا میں نے اس کے لیے ہر قسم کا دنیوی سامان ﴿۱۴﴾ پھر وہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ﴿۱۵﴾ ہرگز نہیں بیشک یہ شخص ہماری آیات کے ساتھ عناد رکھتا تھا ﴿۱۶﴾ میں اس کو چڑھائی پر چڑھاؤں گا ﴿۱۷﴾ اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا ﴿۱۸﴾ پس یہ مارا جائے اس نے کیسا اندازہ لگایا ﴿۱۹﴾ پھر مارا جائے اُس نے کیسا اندازہ لگایا ﴿۲۰﴾ پھر اُس نے دیکھا ﴿۲۱﴾ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا ﴿۲۲﴾ پھر پشت پھیری اور تکبر کیا ﴿۲۳﴾ پس اس نے کہا یہ جادو ہے جو نقل ہوتا چلا آتا ہے ﴿۲۴﴾ یہ تو انسان کا ہی کلام ہے ﴿۲۵﴾

گذشتہ سے پیوستہ

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی تکمیل کے بعد بنی نوع انسان کی خیر خواہی اور ہمدردی کے لیے انذار کا حکم دیا۔ فرمایا یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی اے لحاف یا کپڑا اوڑھنے والے آپ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور اللہ کی مخلوق کو بُرے انجام سے خبردار کریں۔ اس کے بعد اس راستے کی سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لیے فرمایا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اس راستے میں اپنے رب کے لیے صبر کریں۔ درمیان میں اچھے اخلاق اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ بنیادی اصول بتا دیے گئے۔ اور مشن کی بات کو واضح کر دیا گیا۔ نیز فرمایا کہ اس حالت میں وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ وہی سب سے بڑا ہے۔

سابقہ سورۃ سے مطابقت

پچھلی سورۃ میں یہ اصول بیان کیا گیا تھا کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی مشرق و مغرب کا رب وہی اللہ ہے۔ لہٰذا اُسی کو اپنا کارساز بناؤ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اُسی کے بھروسے پر کام کریں۔ وہاں تھا فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا اور یہاں اس سورۃ میں فرمایا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ کیونکہ عظمت و کبریائی اُس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں۔ کسی قوم، قبیلے، خاندان یا سردار کے لیے بڑائی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے لباس کو پاک صاف رکھیں۔ اپنے ماحول کو پاک رکھیں اور اس طرح طہارت کا اصول اختیار کریں۔

یہ بھی فرمایا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ گندگی کو دور پھینکیں۔ یہ گندگی خواہ کفر و شرک کی ہو یا حرص و لالچ کی، خود غرضی کی ہو یا نفاق کی، ہر قسم کی نجاست سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ اور کسی پر ایسا احسان نہ کریں، جس کا بدلہ زیادہ طلب کریں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ انسانیت کی بھلائی کے لیے احسان کریں کہ یہ انسانیت کا تقاضا ہے۔ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے۔ اسی طرح تم مخلوق خدا پر احسان کرو۔ اُن سے کسی معاوضہ یا تعریف کی امید نہ رکھو اللہ تعالیٰ نے ابرار کی صفت میں فرمایا لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا یعنی ہم جو احسان کرتے ہیں، ہم اُس کے عوض میں شکریہ یا بدلہ نہیں چاہتے۔

یہ چار بنیادی اخلاق بیان کرنے کے بعد اِس راستے میں سختی برداشت کرنے کا حکم دیا۔ اور قیامت کے متعلق آگاہ کیا۔ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ بڑا سختی کا دن ہوگا۔ خاص طور پر کافروں کے لیے بڑی دشواری ہوگی۔

گذشتہ سورۃ میں تھا ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ یعنی ان دولت مند مکذبین کو چھوڑ دیں۔ یہ حق و صداقت کی مخالفت کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور پاکیزگی کے پروگرام میں حائل ہوتے ہیں۔ انہیں چھوڑ دیں اور یہاں فرمایا ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا یعنی مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جسے میں نے اکیلے پیدا کیا۔ وہاں پر بھی دولت مند طبقے کی ذہنیت بیان کی گئی تھی، اِس سورۃ میں بھی دولت مندوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہاں بھی انہیں مہلت دینے کا ذکر تھا، یہاں بھی مہلت کا ذکر کر کے صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

Marfat.com

ولید ابن مغیرہ

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں۔ کہ یہاں جس دولت مند شخص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ ولید ابن مغیرہ ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ ان آیات میں مذکورہ باتیں اسی شخص کے ساتھ ہوئی تھیں ارشاد ہوتا ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا آپ چھوڑ دیں مجھے اور اس شخص کو جس کو میں نے پیدا کیا وَحِیْدًا، اکیلا وَحِیْدًا اگر فاعل سے حال بنایا جائے تو اُس کا معنیٰ ہوگا، جس کو پیدا کیا میں نے تنہا۔ کیونکہ پیدا کرنے میں اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ میں نے اُس شخص کو پیدا کیا ہے۔ اس کی پیدائش میں کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا میں وحید ہوں، یگانہ ہوں۔ میں اس سے نپٹ لوں گا۔

وَحِیْدًا مَنْ سے بھی حال بن سکتا ہے۔ یعنی جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ جب انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ تو بالکل اکیلا ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی فوج یا جتھہ نہیں ہوتا۔ کوئی مال و دولت نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ لباس تک نہیں ہوتا۔ بالکل برہنہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ آج یہ انسان مال و دولت اور فوج و قبیلہ پر فخر کرتا ہے۔ حالانکہ پیدائش کے وقت یہ بالکل اکیلا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ یہ سب کچھ اُسے اللہ نے عطا کیا۔

مال کی کثرت

وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا میں نے اُسے لمبا چوڑا مال و دولت دیا۔ مال کی تمام اقسام اُسے عطا کیں۔ ولید ابن مغیرہ مکے کے رؤسا میں سے تھا، اُس کے پاس زمین اور باغات تھے۔ تجارت اور نقدی تھی۔ اور مویشی بھی تھے۔ مَمْدُوْدًا سے مراد وہ مال جس سے امداد ملتی رہتی ہے۔ اَمَدَّکُمْ بِاَمْوَالٍ جس مال سے امداد آتی ہے۔ یہ تینوں قسم کے مال ولید کے پاس تھے طائف میں اُس کا باغ تھا۔ سال بھر موسم کے مطابق اس کی پیداوار آتی رہتی تھی۔ کوئی موسم ایسا نہ تھا جس میں کوئی نہ کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو۔ تجارت بڑی وسیع تھی۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں[1] کہ مجموعی طور پر ایک کروڑ پاؤنڈ سالانہ اُس کی آمدنی تھی۔ اُس دور میں اتنی بڑی آمدنی والا شخص بڑی پوزیشن کا مالک تھا۔ آج کل تو ارب پتی لوگ بھی موجود ہیں۔ مگر اس زمانے میں ایک کروڑ پونڈ کی آمدنی بہت بڑی بات تھی۔ تجارت میں ہر وقت لاکھ دو لاکھ پونڈ کی سرمایہ کاری ہوتی تھی۔ ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو سو غلام ہوتے

---

[1] تفسیر مظہری ص۱۲۷ ج۱۰، روح المعانی ص۱۲۲ ج۲۹، ابن کثیر ص۴۴۲ ج۴۔

Marfat.com

تھے۔ کوئی شام سے قافلہ آرہا ہے کوئی یمن سے آرہا ہے۔ کوئی کہیں جارہا ہے۔ کہیں سے اناج آرہا ہے کہیں کپڑے کی تجارت ہو رہی ہے۔ کہیں کھالوں کا کاروبار ہے، کہیں دوسرے سامان کا لین دین ہے۔ غرض مال و دولت کی ہر وقت فراوانی تھی جس سے امداد ملتی رہتی تھی۔ مویشی بھی بہت تھے۔ بھیڑ بکریوں کے کئی گلے تھے۔ یہ سب مَالًا مَّمْدُوْدًا میں آتا ہے۔ کہ ہم نے اُس کو لمبا چوڑا مال دے رکھا تھا۔

وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا اور مجلس میں حاضر ہونے والے بیٹے بھی دیے۔ وہ بیٹے جو عزت و وقار کا موجب تھے۔ اور کام کاج میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ بیٹوں کی تعداد بعض روایات[1] میں تیرہ ہے۔ مگر عام مشہور دس کی تعداد ہے۔ ولید خود اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وراثت میں بھی کافی مال تھا۔ خود بھی خوب کمایا۔ بڑا چوہدری اور سردار تھا۔ ہر کوئی احترام کرتا تھا۔ مال اور اولاد اس کی عزت میں اضافہ کا باعث تھیں۔ ولید خود اور اس کے بعض بیٹے کفر کی حالت میں مرے۔ البتہ اُس کے چار بیٹوں نے اسلام قبول کیا[2]۔ خالد بن ولید اسی ولید کے بیٹے تھے۔ جن کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا[3] سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ یعنی یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ یہی خالد بن ولید عظیم المرتبت جرنیل تھے، جنہوں نے شام فتح کیا۔ یرموک کی لڑائیاں سر کیں۔ عراق کی مہمات پر غلبہ پایا، کفار کو مغلوب کیا جنگ احد تک تو اسلام کے مخالفین کے ساتھ رہے۔ مسلمانوں کو احد کے میدان میں انہی کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اِن کے دِل کو اسلام کی طرف پلٹ دیا تو پھر اللہ کی تلوار ثابت ہوئے۔ دوسرے بیٹوں میں ولید بن ولید اور عمارہ بن ولید ہیں۔ ولید بن ولید مکی زندگی میں قید تھے۔ برادری نے بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے باپ سخت سزائیں دیتا تھا۔ انہوں نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ حضور علیہ السلام کافی عرصہ تک ان کی رہائی کے لیے نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے اور ان کا نام لے کر رہائی کی دعائیں کرتے رہے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ وَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَعَيَّاشَ بْنَ رَبِيْعَةَ وَهِشَامَ بْنَ سَلَمَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ صحیح بخاری[4]

ولید کے بیٹے

---

[1] روح المعانی ص۱۲۲ ج۲۹، تفسیر ابن کثیر ص۴۲۲ ج۴ [2] روح المعانی ص۱۲۲ ج۲۹، تفسیر عزیزی ص۲۱۵ پارہ ۲۹
[3] بخاری ص۵۳۱ ج۱، ترمذی ص۵۴۷، مسلم ص۲۳۷ ج۱، بخاری ص۴۱۱ ج۱ و ص۹۴۶ ج۲)

Marfat.com

کی روایت کے مطابق آپ دعا کرتے کہ اے اللہ! ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ، ہشام بن سلمہ اور دوسرے کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ وہ کافروں کے ہاتھ سے بڑی تکلیف اٹھا رہے ہیں جب آپ نے قنوت نازلہ پڑھنا چھوڑ دی تو ایک شخص نے عرض کیا۔ حضور! آپ نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے، اب آپ نے چھوڑ دی۔ فرمایا وَمَا تَرَاهُمْ قَدِمُوا کیا تم دیکھتے نہیں کہ جن کے بارے میں پڑھتے تھے، وہ آگئے ہیں۔ اللہ نے ان کو کافروں کی قید سے رہائی دے دی ہے اور وہ پہنچ گئے ہیں۔

ولید بن ولید کا حال بھی عجیب لکھا ہے[1]۔ کہتے ہیں کہ یہ بدر کی لڑائی میں کفار کی طرف سے آئے تھے۔ مگر دل سے لڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ سمجھتے تھے۔ کہ یہ غلط کام ہے۔ دل سے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر چکے تھے، مگر اس کا اظہار ابھی نہیں کیا تھا۔ بدر کی جنگ میں مسلمانوں کے قیدی بنے اور فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔ مگر معاً بعد اسلام قبول کر لیا۔ کسی نے کہا کہ پہلے اسلام کا اظہار کر دیتے تو فدیہ سے بچ جاتے۔ کہا اگر ایسا کرتا تو لوگ سمجھتے کہ فدیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے، حالانکہ میں نے تو محض رضائے الٰہی کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ ولیدؓ ابن ولید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہی فوت ہوئے[2]۔ حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص مبارک انہیں کفن کے طور پر پہنائی اور دفن کیا۔

مال و دولت کی حرص

فرمایا یہ مال اور اولاد ہی دو چیزیں ہیں، جن کی وجہ سے اکثر لوگ غافل ہو جاتے ہیں۔ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا یعنی ہمارے پاس مال و دولت بہت ہے۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ اور ہمیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ یہ دونوں چیزیں ولید ابن مغیرہ کو حاصل تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا کہ میں نے بھی اس کے لیے تیاری کی ہے، خوب تیاری، یہ شخص مال و دولت بیٹے، خاندان، عزت ہر چیز میسر ہونے کے باوجود ایسا حریص ہے کہ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ طمع کرتا ہے۔ کہ میں اسے اور زیادہ دوں، مال چیز ہی ایسی ہے۔ کہ لالچی کی آنکھ

---

[1] مسلم ص ۲۳۷ ج ۱ [2] تفسیر عزیزی ص ۲۱۵ پارہ ۲۹ [3] تفسیر عزیزی ص ۲۱۵ پ ۲۹

Marfat.com

نہیں بھرتی۔ وہ ننانویں کے چکر میں رہتا ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو اور زیادہ مال جمع ہو۔ جیسا فرمایا جَمَعَ فَاَوْعٰی۔ جمع کرنے میں حلال وحرام کی تمیز بھی نہیں کرتا۔ اس کے سر پر ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ مال میں اضافہ ہو۔ یہی سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے۔ مستحقین کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ غربا و مساکین کا خیال نہیں رکھتا۔ مزدور اور کمزور کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ عبادات پر خرچ نہیں کرتا۔ حج پر نہیں جاتا۔ عمرہ ادا نہیں کرتا، قربانی نہیں کرتا۔ مساجد و مدارس پر خرچ نہیں کرتا بلکہ اپنے بنک بیلنس کی طرف دھیان رکھتا ہے۔ یا رسم و رواج پر خرچ کرتا ہے۔ شادی بیاہ میں کنجریاں نچواتا ہے۔ ٹیلی ویژن اور کھیل تماشے پر خرچ کرتا ہے۔ مکانوں کی ٹیپ ٹاپ کی طرف توجہ ہے مگر تبلیغ اسلام کی طرف دھیان نہیں وہ چاہتا ہے۔ کہ نہ اس کی کمائی پہ کوئی پابندی ہو، نہ خرچ کرنے پر قدغن لگے۔ عیش و آرام کی چیزوں پہ خرچ کرنا چاہتا ہے۔ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ۔ چاہتا ہے کہ اور زیادہ مال آئے۔ تاکہ میں اور زیادہ عیاشی کروں۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت پہلے بھی تھی اور آج بھی موجود ہے۔ ننانویں فیصدی لوگ حقوق ادا نہیں کرتے۔ کوئی خال خال انسان ہی ایسا ہے۔ جو پورے طور پر حقوق ادا کرتا ہو۔ ورنہ تجزیہ کر کے دیکھیں کہ دولت کی کثرت کس جگہ پہ صرف ہو رہی ہے

ولید کی بدبختی

انسان کی سرمایہ دارانہ ذہنیت اور مال و دولت کی حرص کو بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ کَلَّا ہرگز نہیں یعنی جاہ و مال کے حاملین کو دوام ہرگز حاصل نہیں۔ جو مالک الملک کوئی چیز عطا کر سکتا ہے۔ وہ چھین بھی سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہوا، ولید بن مغیرہ کی زندگی کا آخری دور روبہ تنزل تھا۔ اُسے موت ذلّت کی حالت میں آئی۔ جوان اور قابل بیٹے مسلمان ہو گئے۔ جس کی وجہ سے اُسے بڑا صدمہ پہنچا۔ اور مال و دولت میں بھی زوال آنے لگا۔ اس کے علاوہ آخرت کی گرفت تو بہر حال قائم ہے۔

فرمایا کَلَّا اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا۔ یہ شخص ہماری آیات کے ساتھ عناد رکھتا تھا۔ وہ اس بات کا سخت دشمن تھا کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مشن کامیاب ہو جائے۔ وہ تو اپنی سرداری قائم رکھنا چاہتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے بھی فیصلہ کر لیا کہ سَاُرْھِقُہٗ صَعُوْدًا کہ ہم اِس کو چڑھائی پر چڑھائیں گے یعنی دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھا کر نیچے گرا دیں گے۔ اس کی سزا یہ ہوگی۔ یہاں اِس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ مکذبین آج جس چیز کو ترقی سمجھ رہے ہیں وہی اُن کے لیے آخرت میں تنزل کا سبب ہوگی، ترقی تو ایمان، اعمال صالحہ، توحید، اخلاص

بنی نوع انسان کی ہمدردی میں ہے، نہ کہ مال جمع کرنے میں۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ اُس بدبخت نے اِن تمام امور پہ غور و فکر کیا اور اس بات کا اندازہ لگایا کہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو مشن پیش کر رہے ہیں، وہ ٹھیک ہے یا غلط ہے۔ فَقُتِلَ پس یہ مارا جائے كَيْفَ قَدَّرَ اُس نے کیسا اندازہ لگایا۔ سوچ بچار کے بعد ثُمَّ نَظَرَ پھر اس نے دیکھا، جیسے غرور و تکبر سے دیکھتے ہیں۔ ثُمَّ عَبَسَ پھر تیوری چڑھائی وَبَسَرَ اور منہ بسورا، ترش رو ہوا۔ ثُمَّ اَدْبَرَ پھر پشت پھیری وَاسْتَكْبَرَ اور تکبر کیا۔ کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات کرتے ہیں۔ اُن کی بات کچھ معنی نہیں رکھتی۔ تکبر کیا جیسے سورۃ قیامت میں آئے گا ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى گھر کی طرف جا رہا ہے جیسا کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر جا رہا ہو، حالانکہ اس نے تکذیب کی۔ نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ نہ ہی نیکی کی۔ بلکہ اکڑتا ہوا جا رہا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ پروگرام کے مطابق وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اپنے رب کی بڑائی بیان کرتا۔ طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتا حلال و حرام میں تمیز کرتا، برخلاف اِس کے اس نے کفر اور غرور کیا۔

اسلام کے خلاف پراپیگنڈا

حق کو تسلیم کرنے کی بجائے کہتا ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ یعنی یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادو کی بات کرتا ہے۔ پہلے بھی جادوگر ہوا کرتے تھے۔ جو اپنے جادو کے ذریعے لوگوں کو متاثر کرتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی جادو کر رہا ہے۔ اس قسم کا پروپیگنڈا ایک دولت مند اسلام کے پروگرام کے خلاف کر رہا ہے۔ اس پروگرام کو جادو اس لیے کہتے تھے۔ کہ اور کوئی بات درست نہیں بیٹھتی تھی جیسا کہ پہلی سورت میں گذر چکا ہے۔ کبھی شاعر کہتے مگر شاعری والی بات نہ پاتے۔ پھر کاہن کہتے تو اس میں کامیاب نہ ہوتے، جادوگر کہتے۔ تو اس کا ثبوت بھی پیش نہ کر پاتے۔ اور سوچتے کہ آخر کیا بات ہے۔ کہ آپ کی بات لوگوں کو اپیل کرتی ہے۔ لوگ کیوں گرویدہ ہوئے جاتے ہیں اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یہ تو انسان کا کلام ہے۔ کلام الٰہی نہیں۔ اسلام کی مخالفت میں یہ آخری حربہ استعمال کرتے کہ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے سے انکار کر دیتے۔ اس بات سے ثابت کرنا یہ مقصود تھا۔ کہ اسلام کا پروگرام، اللہ کا پروگرام نہیں بلکہ انسانی ذہن کی تخلیق ہے اور یہ قابل عمل نہیں۔ اس طرح گویا لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتے۔ تاکہ ایمان اور اسلام کا مشن یہیں ختم ہو جائے۔ مگر یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا بھیجا ہوا پروگرام

Marfat.com

ہے۔ یہ ضرور کامیاب ہوگا۔ اور مکذبین اور دولت مند کو اپنے مشن میں ناکامی ہوگی۔ اسی لیے پہلے فرمادیا کہ فَاصْبِرْ یعنی اے نبی علیہ السلام! آپ ان کی ایذا رسانیوں پہ صبر کریں۔ ہم ان کو ضرور سزا دیں گے۔ آئندہ آیات میں کفار کے لیے سزا کا بیان آئے گا۔

Marfat.com

درس چہارم (آیت ۲۶ تا ۳۱)

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾
لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا
مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا
يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع ۱ ۳۱ ۱۵

ترجمہ: عنقریب میں اس کو سقر میں ڈالوں گا ﴿۲۶﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ سقر کیا ہے ﴿۲۷﴾ نہ باقی رکھتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے ﴿۲۸﴾ انسان کو جھلسا دے گی ﴿۲۹﴾ مقرر ہیں اس پر انیس ۱۹ فرشتے ﴿۳۰﴾ اور ہم نے نہیں مقرر کئے دوزخ کے کارکن مگر فرشتے اور ہم نے یہ تعداد کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے۔ تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے اور اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو اور تاکہ اہل کتاب اور مومن اس میں شک نہ کریں اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے یا جو کافر ہیں وہ کہیں گے اس مثال کو بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کیا منشا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسی طرح سے بہکاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔ اور یہ تو انسانوں کے لیے یاد دہانی ہے ﴿۳۱﴾

گذشتہ سے پیوستہ

ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اُن بنیادی اصولوں کا ذکر کیا جن پر یقین رکھنا اور عمل پیرا ہونا ہر ایک شخص کے لیے ضروری ہے۔ وہ پاکیزہ اصول اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان، اس کی بڑائی کا تذکرہ، طہارت اور پاکیزگی کا اختیار کرنا۔ ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پرہیز اور ظلم و تعدی سے پاک رہنا ہیں۔ اِن اصولوں کی مخالفت کرنے والے عام طور پر دولت مند لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آسودہ حال لوگوں کی ذہنیت کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ صحیح پروگرام کی کس کس طرح مخالفت کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ کہ یہ انسان کا کلام ہے۔ اِس کے الٰہی

Marfat.com

پروگرام ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ آپ صبر کریں۔ انتقام لینے میں جلدی نہ کریں ہم خود ایسے لوگوں سے نمٹ لیں گے اور ان کو سزا دیں گے۔

مکذبین کے لیے سزا

آگے ان مکذبین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ۔ یقین جانیں عنقریب میں ان کو سقر میں ڈالوں گا۔ سقر دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسے لظیٰ، جہنم، نار، ھاویہ اسی طرح سقر بھی ایک نام ہے جس کا معنیٰ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ بعض مفسرین[1] فرماتے ہیں کہ سقر دوزخ کے طبقات میں سے پانچواں طبقہ ہے۔ جو لوگ دنیا میں عناد، تکبر اور تکذیب کی آگ اپنے اندر اکٹھی کرتے رہے، قیامت کو وہ اسی میں ڈالے جائیں گے۔

سقر کی حقیقت

پھر فرمایا وما ادرٰیک ما سقر آپ کو کس نے بتلایا کہ سقر کیا ہے۔ قرآن پاک کا یہ انداز ہے کہ بعض اوقات بات استفہام کی صورت میں سمجھائی جاتی ہے جیسے اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ اسی طرح یہاں فرمایا وَمَا اَدْرٰیکَ مَا سَقَرُ یعنی سقر کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی بیان فرمایا لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ یعنی سقر ایسی چیز ہے۔ جو نہ باقی رکھتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے۔ یعنی کوئی بھی مکذب اس کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ وَلَا تَذَرُ اور نہ چھوڑنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جلانے کے بعد بالکل فنا نہیں کر دے گی، بلکہ انسان پلٹ کر اپنی اصل حالت پر آجائے گا۔ اس طرح انہیں مسلسل سزا ملتی رہے گی۔ دوسری جگہ اس کی تفصیل یوں بیان کی کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ[2] جب انکی کھالیں جل جائیں گی۔ تو اس کی جگہ نئی کھال دے دی جائے گی۔ اور وہ اپنے کئے ہوئے کا وبال چکھتے رہیں گے۔ جب تک ان کے جسموں میں کفر، شرک اور تکذیب کا بھرا ہوا زہر نکل نہ جائے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے کسی شخص کے جسم میں صفرا کا مادہ ہو، جب تک وہ موجود رہے گا۔ بخار آتا رہے گا۔ اگر بلغم کا مادہ گل سڑ جائے تو بلغمی بخار آئے گا۔ اور جب تک وہ مادہ خارج نہیں ہوگا، بخار نہیں اترے گا۔ ان لوگوں نے اپنے جسموں میں پاکیزہ اخلاق پیدا نہیں کئے بلکہ زہریلا مادہ پیدا کیا۔ جب تک وہ مادہ باقی رہے گا ان کے جسموں کو سزا ملتی رہے گی اور اس سے رہائی ممکن نہیں ہوگی۔

---

[1] تفسیر عزیزی صفحہ ۲۲۲ پارہ ۲۹ [2] نساء آیت ۵۶ پ ۵

اور وہ آگ ایسی ہے کہ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ انسان کو جھلسا کر رکھ دے گی، جلا ڈالے گی۔ بشر انسان کو کہا جاتا ہے اور بشرہ جسم پر بولتے ہیں۔ ظاہری کھال کو بشرہ کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے

سزا کے لیے انیس فرشتے

سقر کے انتظام کے متعلق فرمایا عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ یعنی دوزخ میں سزا دینے کے لیے انیس فرشتے مقرر ہیں۔ یہ دوزخ کے بڑے بڑے داروغے یا آفیسر ہیں، جو سزا دینے پر مامور ہیں۔ اس پر مشرکین نے اعتراض کیا۔ ان میں ابوالاسود بن کلدہ جمحی پہلوان تھا۔ انیس کے عدد پر مذاق کرتا تھا۔ کہنے لگا کہ انیس میں سے سترہ فرشتوں کو تو میں خود پکڑ لوں گا اور تم سب مل کر بھی باقی دو سے نہیں نمٹ سکو گے، اس قسم کا ٹھٹا کرتا تھا۔ ابوجہل بھی کہتا تھا۔ کہ دوزخ پر مقرر انیس فرشتوں کا مقابلہ ہم کر سکتے ہیں۔

فرشتے روحانی مخلوق ہے۔ جن اور فرشتے انسانوں کی نسبت بہت زیادہ طاقتور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی طاقت بخشی ہے۔ کہ ایک فرشتہ ایک کروڑ آدمی کو ہتھیلی پر رکھ کر جہاں چاہے پھینک دے لہذا سزا دینے کے لیے تو ایک فرشتہ بھی کافی ہے۔ احادیث میں فرشتوں کے متعلق جو تفاصیل آئی ہیں، اُن میں فرشتوں کی خوفناکی بھی پائی جاتی ہے۔ اور خوبصورتی بھی۔ مثلاً موت کے وقت جو فرشتے مومنوں کے پاس آتے ہیں۔ وہ نہایت حسین شکلوں میں ہوتے ہیں۔ اور کافروں اور منافقوں کے پاس آنے والے فرشتے خوفناک شکلوں میں آتے ہیں، اُن کی شکلیں سیاہ ہوتی ہیں اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضور علیہ السلام نے ارشاد[1] فرمایا کہ کافر یا منافق شخص کو قبر میں جب فرشتے سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے، تو وہ کسی سوال کا جواب نہیں دے سکے گا۔ ہاہا کرتا رہے گا۔ لَا اَدْرِیْ یعنی میں نہیں جانتا۔ افسوس! میں نہیں جانتا۔ لوگ کچھ کہا کرتے تھے، مگر میں نہیں جانتا۔ اس پر فرشتے اُنہیں مختلف قسم کی سزائیں دیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بعض کے سروں پر ہتھوڑے پڑیں گے۔ اور بعض پر قبر سمٹ جائے گی۔ بعض کے متعلق فرمایا کہ اُن پر ننانوے سانپ مسلط کر دیے جائیں گے۔ حالانکہ ڈسنے

---

[1] مسند احمد ص ۲۸۸ ج ۴ ابوداؤد ص ۲۵۸ ج ۲

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ساتھی ہے۔

تین چیزوں پر ایمان نہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہ ضروری ہے۔ اس کی صفات پر ایمان نہ ضروری ہے۔ اس کی ذات پر ایمان نہ ضروری ہے۔ اس کی صفات پر ایمان نہ ضروری ہے۔ اس کی ذات پر ایمان نہ ضروری ہے۔

تین چیزوں پر ایمان نہ ضروری ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی زندگی نہ ضروری ہے۔ اس جہان کے حادث ہونے پر ایمان نہ ضروری ہے۔ یہ ہمیشہ سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھر فنا ہو جائے گا۔

تین چیزوں پر ایمان نہ ضروری ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہ ضروری ہے۔ تقدیر پر ایمان نہ ضروری ہے۔ یعنی کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو آئندہ ہوگا۔ سب کا سب اللہ تعالیٰ کے علم، ارادے اور مشیت کے مطابق ہوگا۔ اسی طرح قیامت، جنت اور دوزخ پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہ کل نو ایمانیات ہو گئیں، جن پر ایمان نہ لازم ہے۔

پانچ چیزوں کا تعلق عملیات سے ہے۔ مثلاً توحید و رسالت کا اقرار زبان سے کرنا۔ اور اس پر یقین رکھنا۔ باقی چار عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان سب پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح پانچ چیزیں منہیات سے متعلق ہیں، یعنی وہ چیزیں جن سے منع کیا گیا ہے۔ ان پر بھی یقین رکھنا ضروری ہے۔ ان میں زنا حرام ہے۔ چوری حرام ہے۔ قتل نفس حرام ہے۔ کسی پر

لہ ترمذی ص۵۰۵ مسلم ص۲۴۲/۲ بخاری ص۹۴۹/۲ ص۲ بیان القرآن ص۵۷/۱ مطبوعہ تھانہ بھون۔

Marfat.com

بہتان باندھنا حرام ہے۔ اور نیکی کے کام میں مخالفت کرنا بھی حرام ہے۔ یہ تمام باتیں بیعت والی آیت جس میں عورتوں سے بیعت کرنے کی شرائط بیان ہوئی ہیں سورۃ ممتحنہ میں موجود ہیں۔ تو گویا یہ سب مل کر انیس ہوگئے۔ جن میں سے ہر ایک کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے

حکمائے اسلام اور مفسر مہائمی[1] کہتے ہیں کہ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے۔ کہ انسان کے حواس ظاہرہ اور باطنہ پانچ پانچ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو قوتیں رکھی ہیں، ان کی تعداد تو ہے ۱۷ اس طرح کل انیس ہیں سے ہر ایک قوت کے مقابلہ میں ایک ایک فرشتہ مقرر ہے۔ حواس ظاہرہ میں آنکھ یعنی قوت باصرہ ہے۔ سونگھنے کے لیے قوت الگ ہے۔ چکھنے کی قوت جدا ہے ٹٹولنے کی قوت جدا ہے۔ اور پانچویں قوت سننے کی علیحدہ ہے۔ ان سب کے محکمے جدا جدا ہیں۔ اسی طرح باطنی حس مشترک ہے۔ وہم، خیال، حافظہ اور قوائے متحرکہ باطنی حواس ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو قوتیں رکھی ہیں۔ اُن میں جذب کرنے والی قوت ہے۔ غذا اور دیگر ضروریات زندگی کو اپنے اندر روکنے والی طاقت ہے۔ ہضم کرنے والی قوت ہے۔ فضلات کو دفع کرنے اور باہر نکالنے والی قوت ہے۔ جسم کی ساختوں کو غذا پہنچانے والی قوت ہے اور نشو ونما دینے والی طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو بید و تناسل کے لیے بھی قوت رکھی ہے۔ اس طرح حواس ظاہرہ اور باطنہ کی کل انیس قوتیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں رکھی ہیں۔ ہر ایک قوت کے مقابلہ میں ایک فرشتہ مقرر ہے۔ ہر فرشتے کا محکمہ الگ ہے، دوسرے محکمے سے اس کا کچھ واسطہ نہیں۔ کان کو آنکھ کے محکمہ سے کوئی تعلق نہیں، اور آنکھ کو لمس کے محکمہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہر ایک کا محکمہ جدا جدا ہے۔ فرشتے اپنے اپنے محکمہ کے مطابق سزا دیں گے۔

انسانی مشین کو چلانے والے فرشتے

جسم انسانی کی بیرونی حفاظت اور اندرونی ساخت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے شمار فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ صرف جگر کی ساخت پر غور کریں جہاں انسانی جسم کے لیے خون پیدا ہوتا ہے۔ انسان جس قدر غذا استعمال کرتا ہے۔ وہ معدے سے ہو کر باریک نالیوں کے ذریعے جگر میں پہنچتی ہے اور جگر اس کو خون میں تبدیل کرتا ہے۔ یہ خون بڑی نالیوں کے ذریعے قلب میں پہنچتا ہے۔ اور قلب اس کی پمپنگ کر کے سارے جسم میں بھیجتا ہے۔ فضلات کو باہر نکالتا ہے۔ سانس کے ذریعے

---

[1] تبصیر الرحمن و تیسیر المنان ص ۲۷۵ ج ۲

Marfat.com

اکسیجن اندر داخل کرتا ہے۔ اور تازہ دم ہوکر انسان کو غذا ملتی ہے۔ صرف ایک جگر کی ساخت میں اتنی بڑی فیکٹری لگی ہوئی ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا کارخانہ اس کے عشر عشیر کے برابر بھی نہیں، ہندوستان میں ٹاٹا کے فولاد کے کارخانے میں دس لاکھ مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر جگر کی فیکٹری کے مقابلہ میں ٹاٹا کمپنی بھی گرد ہے۔ وہاں تو کروڑہا فرشتے کام کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے اتنا بڑا کارخانہ قائم کر دیا ہے۔ باقی ساختوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ایک تولید و تناسل کے اجزاء کے لیے اللہ نے بڑا وسیع سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ بے شمار فرشتے اپنی اپنی ڈیوٹیاں انجام دے رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی توجیہ

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انیس فرشتوں کی حکمت یہ ہے۔ کہ انسانیت انیس چیزوں پر مشتمل ہے[1]۔ ایک تو ظاہری جسم ہے۔ یہ انسان کا خاکی ڈھانچہ ہے۔ اندر نسمہ ہے، روح

---

[1] حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور مفسر قرآن حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور بعض دیگر محققین کی تحقیق کے مطابق یہ چند سطور حسب مقام علمی استفادہ کی خاطر لکھی جاتی ہیں۔

آلاتِ کسب نفس میں انیس[19] ہیں۔ دو ہاتھ، دو پاؤں۔ زبان۔ دل۔ اعضاءِ تناسل شکم پشت (حواس خمسہ ظاہرہ) باصرہ، لامسہ، سامعہ، شامہ۔ ذائقہ (حواس باطنہ) حس مشترک۔ وہم۔ خیال۔ فکر۔ عقل، قوت شہوانیہ۔ قوت غضبیہ ان آلات کے استعمال میں جو بھی تقصیر کرے گا یا ان کو غیر محل میں صرف کرے گا۔ دوزخ میں ہر ایک پر اللہ تعالےٰ سزا کے لیے الگ الگ موکل مقرر کرے گا۔

اگر انسان کے جسم میں اخلاط (HUMOURS) سڑ جائیں تو بدن میں بخار اور حرارت پیدا ہو جائے گی جس سے انسان کا جسم جلتا رہے گا۔ اسی طرح انسان میں نسمہ (VESMIC BODY) جو اس مادی (فیزیکل) جسم میں پرورش پا رہا ہے۔ اگر انسان کے اخلاق، عقائد، افکار و آراء بگڑ جائیں تو اعمال سوء کے نتائج اس میں جمع ہوتے رہتے ہیں یہ زہریلے مواد ہیں۔ جب ایسے انسان جہنم کے قریب جائیں گے تو یہ مواد بھڑک اٹھیں گے۔

انسانی روح کے مراکز بھی انیس ہیں۔ حواس ظاہرہ و باطنہ۔ روح۔ سر (قلب و عقل کا بطن) خفی (سر کا بطن) اخفی (خفی کا بطن) انانیت کبریٰ، نور القدس۔ الحجر البحت (انانیت کبریٰ اور نور القدس کا بطن جو تجلی الٰہی کا نمونہ ہے) ان مراکز کے ذریعہ انسان اپنی تکمیل کرتا رہتا ہے اور کر سکتا ہے۔ نفس سے مراد انسان کی انانیت ہے جس کو انا (میں) سے تعبیر کرتا ہے۔

باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۸ پر

ہے۔ الغرض یہ کل انیس چیزیں ہیں۔ ہر ایک جزو نہایت لطیف ہے۔ اس میں دس تو قوائے ظاہرہ اور باطنہ ہیں، اس کے علاوہ نفس ہے، قلب، عقل اور روح ہے۔ روح کا بطن سِر ہے۔ سِر کا بطن

بقیہ حاشیہ :- جنہوں نے دنیا میں راستی کو اپنا شعار بنالیا۔ اور نامۂ اعمال ان کو دائیں ہاتھ میں ملا۔ وہ تمام حقوق واجبات کو ادا کر کے جنت کی طرف روانہ ہوگئے اور "زبانیہ" کی گرفت سے بچ گئے۔ انہیں دخول جنت کا ویزا مل گیا

انسان کی ساخت ہی ایسی ہے، انسان اپنے قصد و ارادہ سے جو کام کرتا ہے۔ اس کی جوابدہی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان تمام قوتوں (الٰہی قوتوں) کو جو فطرت کے مطابق کام میں لاتا ہے تو ان قوتوں کو جلا ملتی ہے۔ اور اعمال صالحہ کے ثمرات اس کے نامہ میں جمع اور محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ اصحاب الیمین جنہیں کامیابی کی سند یمین میں ملے گی یہ اصحاب المیمنہ بھی کہلاتے ہیں (مبارک، برکت والے)

(الف) یہ آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے دائیں طرف سے اخذ کئے گئے تھے۔

(ب) راستی شعار۔

(ج) موقف میں عرش کی دائیں طرف۔

(د) اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

(د) جانب راست جنت کی طرف روانہ ہونے والے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ (حسن بصریؒ)

ان کے مقابل اصحاب الشمال (مشئمہ۔ نحوست والے نامبارک لوگ) جہنمی لوگ جب وہاں پہنچیں گے تو ان سے اصحاب یمین پوچھیں گے۔ اس لیے کہ مجرم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کس جرم کی سزا اس کو مل رہی ہے وہاں خود بخود ہر مجرم کو معلوم ہو جائے گا۔ اصحاب الشمال جواب دیں گے۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ انسانی بھلائی کے اس پروگرام پر عمل نہیں کرتے تھے۔ جو انسانوں میں اتحاد فکر، اجتماعیت، مساوات، اخلاص سے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز　　(اقبال)

طہارت و پاکیزگی۔ وقت کی پابندی۔ تنظیم و ڈسپلن جیسی بیسیوں بھلائیاں سکھلاتا تھا اور جس کی آخری کڑی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے (تعلق باللہ انسان کی ذاتی ضرورت ہے) اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ انسان کے دل میں خدا پرستی اور خدا شناسی کی قوت پوشیدہ ہے۔ جب انسان نماز کے ذریعہ اس کو ترقی دیتا ہے تو انسان میں آخر کار ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اس آئینے میں تجلی الٰہی کو دیکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کے

باقی حاشیہ ص۱۳۹ پر

Marfat.com

خفی ہے، خفی کا بطن اخفیٰ ہے۔ اور اخفیٰ سے آگے باریک اور لطیف چیز انانیت کبریٰ ہے اس سے آگے نور قدس ہے، اور آخر میں حجر بہت ہے۔ جو کہ تجلی الٰہی کا نمونہ ہے۔ جو روح انسانی پر پڑتی ہے

بقیہ حاشیہ :۔ تقاضوں کو خدا کا حکم سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ ایسا انسان خدا کے کمزور اور مسکین بندوں کے حقوق ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے آپ کو ان کا خادم جانتا ہے کسی کا حق چھیننے کا کوئی عزم نہیں کرتا۔ لیکن نماز سے پہلے اپنے نفس کو کفر، شرک، نفاق، الحاد، شک، عقائد باطلہ، نیات فاسدہ، اخلاق ذمیمہ، بد باطنی (غل) کینہ (حقد) دغا بازی (فراڈ) حسد و تکبر سے پاک کرنا ضروری ہے۔ پھر جسم و بدن، لباس کو بول و براز خون، پیپ، مواد منویہ مذی وغیرہ سے پاک کرے حدث اصغر و اکبر سے بدن کو وضو، و غسل اور تیمم کے ذریعے پاک کرے۔

ظاہری جسم کو فضلات غیر طبعی بال بغل، زیر ناف، ناخن، میل کچیل سے۔

مال کو زکوٰۃ و صدقات ادا کرنے سے۔ اور حرام کی آمیزش سے پاک کرے۔ سود، رشوت، جوا، بدکاری کی کمائی۔ انشورنس۔ قمار۔ دغا، فریب، چوری وغیرہ حرام کی کمائی سے پاک صاف کرنا ضروری ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى

نماز میں بھی انیس ۱۹ باتیں ہیں | طہارت بدن۔ جامہ۔ طہارت اصغر و اکبر، تکبیر تحریمہ۔ استقبال قبلہ۔ ستر عورت قیام۔ قرأت، رکوع سجود، قعود۔ اذکار و تسبیحات و تکبیرات، تشہد، درود۔ دعا۔ حضور قلب (دل) نیت، اسلام طمانینت ارکان، ترک کلام و عمل منافی۔ و ترک التفات دائیں بائیں طرف۔ رکعات نماز بھی انیس ۱۹ ہیں، دو فجر، چار ظہر چار عصر، تین مغرب، چار عشاء، اور رکعت رات کی نماز اس پر ایک عدد اضافہ برائے رعائت عدد طاق یعنی وتر۔

سنن و نوافل تو مکملات و متممات ہیں۔

ساعات بھی انیس ۱۹ ہیں۔ پانچ نماز کے لیے وضع کر لیے گئے۔ باقی کی باز پرس سے انسان بچ جائیں گے ورنہ انیس ۱۹ زبانیہ سزا کے لیے مسلط ہوں گے۔ ہر ہر ساعت کے لیے ایک ایک عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ

طعام مسکین —— وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ

اگر ہم محتاجوں کو کھانا کھلاتے تو انیس ۱۹ گھنٹے وہ فراغت سے بسر کرتے اور ان کی انیس ۱۹ قوتیں تازہ دم اور بحال ہوتیں۔ اگر وہ ان انیس ۱۹ گھنٹوں میں ان طاقتوں کو اطاعت میں مصروف رکھتے تو ہمارے نامۂ اعمال میں بھی نیکیاں درج ہوتی رہتیں۔

کھانا کھلانے میں بھی انیس ۱۹ باتیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ ہل چلانا تخم پاشی۔ آب پاشی۔ حفاظت، گہنا

باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۰ پر

Marfat.com

انسانیت ان اجزا سے مرکب ہے۔ کافر و مشرک نے ان انیس اجزا کو خراب کر دیا۔ یہ خدا پرستی کے مرکز تھے۔ لہذا سزا دینے کے لیے ہر ایک سنٹر کے مقابلہ میں ایک فرشتہ ہوگا۔

بقیہ حاشیہ :۔ ملنا صاف کرنا۔ کھلیان کی حفاظت کرنا، حمل و نقل، پیسنا چھاننا۔ گوندھنا، پکانا، نمک و سالن ملانا، اٹھا کر محتاج کے سامنے عزت سے رکھنا، رخصت کرنے میں عجلت نہ کرنا۔ احسان نہ جتلانا۔ بار بار اس کو یاد نہ کرنا۔ ایک مسکین کو کھانا کھلانے سے انیس زبانیہ کے مقابلے میں انیس عمل ہوتے ہیں۔

(التعظیم لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفَقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ)

خوض ـــــ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ

بیہودہ باتیں کرتے تھے (مثلاً حسن زنان کا ذکر، عیش دولت مندان۔ نخوت بادشاہان اور ان کے اسباب اقتدار کے تذکرے، جنگ و مشاجرات کے قصے۔ مذاہب باطلہ کا تذکرہ۔ فاسقوں کے فسق کی کہانیاں۔ نکتہ چینی و طعن دوسروں کے کلام پر اور اس کی خرابیاں اور خلل کا تذکرہ۔ نزاع و جدال۔ مذاہب و اقوال میں تعصب و خصومت اپنے حقوق سے زیادہ کی وصولی کے لیے سخن پروری و سخن سازی۔ شعر و شاعری، ہجو و مدح سے تلذذ۔ فحش و اعضاء مستورہ کا ذکر۔ اور پردہ نشینوں کا ذکر۔ ایک دوسرے کے ساتھ سخت گوئی بے حیا۔ احمق و جاہل لوگوں کی طرح۔ گالی دشنام سب و شتم اور آبرو میں قدح کرنا۔ لعنت غیر مستحق پر۔ حد سے زیادہ مزاح و ہنسی، دل لگی۔ انبساط مقدار سے زیادہ جو موجب رنج و ملال ہمنشیں ہو سکتا ہے۔ تہمت و بہتان اور بے گناہوں کو امور قبیحہ کے ساتھ متہم کرنا۔ استہزاء اور تمسخر اور بیہودہ خندہ زنی، مسلمانوں سے وعدہ خلافی، دروغ گوئی و مبالغہ آرائی۔ لوگوں کے اسرار و رموز کا افشاء اور امور مستورہ اور خانگی امور کا برملا اظہار کرنا، بددعا کرنا۔ غیبت۔ سخن چینی اور غمازی (چغلخوری) روبرو مدح سرائی کرنا، فخر و مباہات کا اظہار، قومی و نسلی برتری۔ اپنے بڑوں کے غرور کا طمطراق۔ لایعنی سمینار فضول قسم کے کلوکیم۔ ڈرامے، ثقافتی شو۔ عشقیہ ناول، اشعار خوانی، سینما، فلم ایکٹرسوں کے گانے ساز باجے، مضحکہ خواہ ـــــ سکولوں، کالجوں، بازاروں، جلسوں، میلوں، عرسوں میں ہو۔ یا سینما، تھیٹر وغیرہ میں

(۱) وَقَدْ نَزَّلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ

(۱) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم مسلمانوں کی جانب یہ حکم قرآن میں نازل کر چکا ہے کہ جب تم کسی مجلس میں یہ سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور اُسکی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے پاس اس وقت تک نہ

باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۱ پر

Marfat.com

انیس کا عدد ایمان کی آزمائش کے لئے ہے

بعض فرماتے ہیں[1]، دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ دوزخ کے ایک طبقے میں گنہگار مومن بھی جائیں گے وہ بھی دوزخ کا فرشتہ دیکھے گا کہ اس مومن نے تصدیق

بقیہ حاشیہ :- حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ ۔ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ (پ ۵ النساء ۱۴۰)

(۲) وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

(پ ۷ الانعام)

بیٹھو جب تک وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں ورنہ تم بھی ایسی حالت میں انہی جیسے ہو گے۔

(۲) اور اے مخاطب جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بے ہودہ نکتہ چینی کر رہے ہوں تو تو ان لوگوں سے کنارہ کش رہ یہاں تک وہ کسی دوسری بات میں بحث شروع کر دیں اور اگر شیطان تجھ کو کبھی یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے پر پھر ایسے ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

تکذیب قیامت ——— وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ

اس میں بھی انیس[19] باتیں ہوں گی۔ آسمان کا پھٹنا۔ زلزلہ زمین۔ انتشار کواکب۔ آفتاب و ماہتاب کا بے نور ہونا۔ پہاڑوں کی حرکت۔ سمندروں کا گرم ہونا۔ لوگوں کا زندہ ہو کر فوج در فوج حاضر ہونا۔ پسینے کا بدنوں سے بہنا۔ سایہ کا نہ ملنا۔ طول قیام۔ تجلی قہری کے ظہور پر سوال و حساب، وزن اعمال، یمین و یسار اعمال ناموں کا ملنا۔ بہشت یا دوزخ کی طرف روانگی پل صراط سے گذرنا۔ جنت یا دوزخ میں داخل ہونا۔

وقوع موت ——— حَتّٰٓی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ

آخر موت و ہلاکت کے انقلاب نے ہماری آنکھیں کھول دیں (اَمَّا ھٰذَا فَقَدْ جَآءَہُ الْیَقِیْنُ) کمزوروں، محتاجوں، مظلوموں کی اپیل کے آخری دن اور فیصلے پر ہم یقین نہیں رکھتے تھے۔ اپنے آپ کو کسی کے آگے جوابدہ نہیں خیال کرتے تھے۔ اور اس ذمہ داری کا جو احساس دلانے والے تھے۔ ہم ان کو بھی جھٹلاتے تھے۔

قومی اور بین الاقوامی انقلاب کے اصولوں کا خلاصہ

(۱) انقلاب کا پہلا اہم اصول وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۲ پر

---

[1] تفسیر عزیزی صفحہ ۲۲۶ پ ۲۹

Marfat.com

قلبی میں کتنا خلل ڈالا ہے۔ اور اقرار لسانی اور عمل ارکان میں کتنا خلل ڈالا ہے۔ تین تو وہاں مقرر ہوں گے اور ایک فرشتہ یہاں ان تینوں پہ ہوگا۔ باقی ہر ایک دروازے میں تین تین فرشتے ہوں گے۔ وہ کافروں کے لیے ہوگا۔ اس لیے انیس فرشتوں کی تعداد مقرر فرمائی ہے۔

بقیہ حاشیہ :۔ (۲) تمام اقوام میں عدل وانصاف قائم کرنے کا پختہ ارادہ۔

(۳) اپنے اندر اپنے اعمال وافعال کی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا۔

(۴) تعلق باللہ کا قیام

(۵) ظاہری پاکیزگی کے ساتھ خیالات وافکار وافعال کی پاکیزگی۔

(۶) انسانی سوسائٹی میں زرپرستی وسرمایہ پرستی کا استیصال

(۷) مساکین وغرباء کی خدمت

(۸) ہر شخص کا اقامت دین کی تبلیغ وتنظیم میں اپنی ذمہ داری سے حصہ لینا۔

(۹) اللہ تعالےٰ کو ہی تمام طاقتوں سے اوپر اور اسی پہ بھروسہ کرنا۔

(۱۰) سچا مسلمان نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کو برداشت کرتا ہے (لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ)

(۱۱) ہر قسم کی ظلم وزیادتی کو مٹانا۔ اور سوسائٹی کو تمام گندگیوں سے پاک وصاف کرنا۔ اور ذاتی مفاد کو قربان کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کرنا۔

(۱۲) انسان جب تک تمام نفسانی (نفسیاتی سائیکالوجیکل) غلاظتوں سے۔ غصہ۔ بھوک، پیاس اور تمام بری خواہشات سے اپنے مزاج وطبیعت کو پاک وصاف نہ کرے۔ تو اس کو آرام وسکون کبھی میسّر نہ ہوگا، اس طرح جب تک اس کو بری باتیں سوچنے اور برے کاموں کے کرنے سے نفرت نہ ہو اطمینان حاصل نہ ہوگا۔

امام ولی اللہؒ کی وصیت۔

حضرت مولانا شیخ نور اللہ پھلتیؒ کو امام ولی اللہؒ نے بیعت کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی!

"یَدُہٗ فِیْ کُلِّ ذٰلِکَ یَدِیْ۔ لِسَانُہٗ لِسَانِیْ۔ اُوْصِیْہِ فِیْ خَاصَّۃِ نَفْسِہٖ بِتَقْوَی اللّٰہِ

"اس کا ہاتھ ان سب باتوں میں میرے ہاتھ کی طرح ہے!" اور اس کی زبان میری زبان ہے!" میں اسے وصیت

باقی حاشیہ ص۱۴۳ پر

Marfat.com

بعض مفسرین نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے۔ کہ نہیں مقرر فرمایا ہم نے دوزخ والے ان فرشتوں کو مگر ملائکہ۔ یہ انیس ملائکہ ہیں، سزا دینے کے لیے بڑے بڑے آفیسر ہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً اس کی حکمت قرآن پاک نے خود بیان فرمائی وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی ہم نے یہ تعداد کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے۔ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے۔ کیونکہ اہل کتاب کو علم ہے۔ کہ ان کی کتابوں میں بھی انیس کا ذکر آیا ہے۔ اب جب کہ قرآن پاک بھی یہی تعداد بیان کر رہا ہے۔ تو انہیں اس تعداد پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ یقین آجانا چاہیئے۔ اس کی دوسری حکمت یہ ہے کہ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا یعنی اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو۔ ان کا ایمان تازہ ہو۔ کہ پہلی کتابوں میں بھی یہی بات ہے۔ اور ہماری کتاب میں بھی یہی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اہل کتاب اور مومن کسی غلط بات سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔ البتہ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے یا جو کافر ہیں، وہ کہیں گے مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا

بقیہ حاشیہ :۔ وَمُجَانَبَةِ الْهَوٰى وَالْقِيَامِ بِالْاَذْكَارِ۔ وَكَظْمِ الْغَيْظِ لِلّٰهِ فِي اللّٰهِ وَلُزُوْمِ جَادَةِ السُّنَّةِ۔ وَتَرْكِ السُّؤَالِ مِنَ النَّاسِ۔ وَاَنْ يَّعْتَقِدَ فِي الْمُحَدِّثِيْنَ وَفُقَهَآءِ الْاِسْلَامِ وَمَشَائِخِ الصُّوْفِيَةِ خَيْرًا وَاُوْصِيْهِ بِمَنْ مَّعَهٗ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَحُضَّهُمْ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَيَجْتَهِدَ فِيْ اِصْلَاحِ اَمْرِ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَآءِ"

(تفہیمات الٰہیہ ص۴۱)

مطبوعہ حیدر آباد سندھ

کرتا ہوں اس کے اپنے نفس کے بارہ میں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اور خواہشات سے کنارہ کشی کرتا رہے اور اذکار میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصے کو دباتا رہے۔ اور سنت کے راستے کو لازم پکڑے اور لوگوں سے سوال نہ کرے اور محدثین۔ فقہاء اسلام اور مشائخ کرام صوفیہ کے بارہ میں نیک گمان رکھے۔ اور اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر برانگیختہ کرتا رہے اور فقراء اور غرباء (کمزور طبقوں) کے معاملہ کی ہمیشہ اصلاح کرتا رہے۔ (سواتی)

Marfat.com

مَثَلًا ط اس مثال کو بیان کرنے میں اللہ کا کیا منشا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مکھی اور مچھر کی مثال بیان کی ہے۔ کیا خدا کے پاس اور کوئی مثال نہ تھی۔ یہاں بھی انہوں نے یہی اعتراض کیا۔ کہ انیس کی تعداد بیان کر کے اللہ تعالےٰ نے کون سی مثال بیان کی ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان کے اعتراضات کی وجہ سے ان کی گندگی اور نجاست بڑھتی رہے گی، مگر سمجھدار اہل کتاب یقین کر لیں گے کہ واقعی کلام الٰہی کا بیان پہلی کتابوں کے مطابق ہے۔ ایمانداروں کا تو ہر حکم پر ایمان ہے۔ اور ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

تو فرمایا كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ط اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے، اسی طرح سے بہکاتا ہے، گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا۔ اللہ تعالےٰ نے اسی مضمون کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہماری طرف آنا چاہیں گے، ہم ان کے لیے راستے واضح کر دیں گے۔ نیز فرمایا۔ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ظالموں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔ یعنی جو آدمی ظلم کرتا ہے۔ اس نے اسی بات پر کمر باندھ لی ہے کہ سچی بات نہیں مانے گا تو اللہ تعالےٰ کا فیصلہ ہے نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ ایسا شخص دوزخ کی طرف ہی جانا چاہتا ہے۔ تو ہم اُسے ادھر ہی لے جائینگے۔

ہدایت یا گمراہی کسی سبب کی بنا پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ظالم عنادی اور ضدی ہوتے ہیں۔ البتہ جو لوگ ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو ہدایت سے نوازتا ہے۔ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ کا یہی مطلب ہے۔

یہ انسانوں کے لیے باعث نصیحت ہے

انیس فرشتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کہ فرشتوں کی کل تعداد صرف انیس نہیں ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ط یعنی تیرے رب کے اِن لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔ اور کسی کے علم میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک اور علیم کل ہے۔ فرشتوں کی تعداد کو وہی جانتا ہے۔ مگر دوزخ کے یہ انیس بڑے بڑے فرشتے خاص حکمت کے تحت مقرر کئے گئے ہیں۔ اور ان فرشتوں اور ان کی تعداد اور ان کے فرائض وغیرہ کا ذکر محض بے فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ یہ تو انسانوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ تاکہ وہ برے افعال سے بچ جائیں۔ اور اپنے مستقبل کو خراب نہ کریں۔

درس پنجم (آیت ۳۲ تا ۴۲)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا
لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ
اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ
﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ
فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾

ع ۱۶ مع عذاب المتخرین ۱۲

ترجمہ:- ہرگز نہیں اور چاند کی قسم ہے ﴿۳۲﴾ اور رات کی قسم ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر چلی جاتی ہے ﴿۳۳﴾ اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جاتی ہے ﴿۳۴﴾ بے شک یہ بہت بڑی باتوں میں سے ایک ہے۔ ﴿۳۵﴾ یہ بنی نوع انسان کو ڈرانے والی ہے ﴿۳۶﴾ تم میں سے جو چاہتا ہے آگے بڑھے یا پیچھے ہٹ جائے ﴿۳۷﴾ ہر شخص اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے ﴿۳۸﴾ البتہ صرف دائیں ہاتھ والے ﴿۳۹﴾ یہ لوگ جنت میں (داخل) ہوں گے پوچھیں گے ﴿۴۰﴾ دوزخیوں سے ﴿۴۱﴾ تم کو جہنم میں کس چیز نے ڈالا ہے ﴿۴۲﴾

گذشتہ سے پیوستہ

پہلی آیات میں ذکر آچکا ہے۔ کہ اے نبی کریم! يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی ان مخالفت کرنے والوں، سرمایہ داروں کو ڈرائیں، ان پر قرآن حکیم کا پروگرام پیش کریں۔ اور پھر یہ پاکیزہ اصول بھی بتلا دیا۔ کہ ان لوگوں سے انتقام لینے میں جلد بازی نہ کریں۔ آپ ان کو چھوڑ دیں، میں خود ان سے نمٹ لوں گا۔ اور ان کو سزا دوں گا۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ یہ مکذبین قرآن پاک کو کلام الٰہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ کہ یہ تو انسان کا کلام ہے، گویا انہوں نے قرآن پاک کے پروگرام کا انکار کر دیا۔ مگر جیسا کہ پہلی آیات میں گزر چکا ہے، ان کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ایسے لوگوں کو میں سقر میں ڈالوں گا، جو کہ دوزخ کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ہماری آیات کے ساتھ عناد رکھنے والے ہیں۔ ان کو جہنم میں ڈالونگا جس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ اس میں بھی حکمت ہے، یہ بات پہلی کتابوں میں بھی

Marfat.com

موجود ہے۔ لہٰذا اہلِ کتاب اس کو دیکھ کر یقین کر لیں گے۔ اور اہل ایمان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے گا۔ البتہ نافرمان لوگ محض اعتراض ہی کرتے رہیں گے۔

اسلام کی کامیابی پر گواہی

اِن آیات میں فرمایا کَلَّا یعنی ہرگز نہیں۔ مکذبین کو خبردار کیا جا رہا ہے۔ کہ تم کہتے ہو کہ قرآن پاک انسان کا کلام ہے، نیز یہ کہ دوزخ پر انیس فرشتوں کی تعداد کم ہے، ہم اِن سے مقابلہ کر لیں گے اور قرآن پاک کے پروگرام کی مخالفت کریں گے تو فرمایا کَلَّا ہرگز ایسا نہیں۔ مشرکین خیال خام میں مبتلا ہیں، انہیں اپنے کئے کی سزا ضرور چکھنی ہو گی۔

قرآن پاک کے پروگرام کی کامیابی پر یہاں تین چیزوں کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے فرمایا وَالْقَمَرِ یعنی چاند کی قسم ہے۔ وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ اور رات کی قسم ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر چلی جاتی ہے۔ وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جاتی ہے۔

اسلام کا سیاسی غلبہ

چاند کی قسم کھانے سے مراد یہ ہے۔ کہ دیکھئے چاند کس طرح آہستہ آہستہ بدر کامل بنتا ہے، یعنی اپنے پورے کمال تک پہنچتا ہے حالانکہ پہلے دن وہ بالکل ہلال ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ آج اگر اسلام اور مسلمان تم کو کمزور نظر آتے ہیں۔ تو یاد رکھو، وہ دن دور نہیں جب یہی لوگ اپنے کمال تک پہنچیں گے چنانچہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم قریش نے آپ کی مخالفت کی، مگر انہیں میں سے ایسے لوگ بھی تھے، جو ابتدا ہی میں حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ یہی لوگ آپ کے دست و بازو بنے، حتیٰ کہ بدر کے معرکہ میں قریش کلیۃً مغلوب ہو گئے۔ عرب کے باقی قبائل منتظر تھے۔ کہ دیکھیں ان لوگوں کا کیا بنتا ہے، جن کو قریش نے مکہ سے نکال دیا تھا۔ پہلے ہی مقابلہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی جس سے مسلمانوں کی کامیابی کی منزل قریب آگئی۔ معاہدہ حدیبیہ کو اللہ تعالےٰ نے فتح مبین قرار دیا اور پھر فتح مکہ کے بعد عرب قبائل دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو گئے۔ عام طور پر لڑائی کی ضرورت باقی نہ رہی اور اس طرح پہلے قریش مغلوب ہوئے، پھر باقی عرب قبائل اور پھر ان لوگوں کے ذریعے باقی دنیا نے اسلام قبول کیا ایران فتح ہوا، روم اور سپین فتح ہوا۔ حتیٰ کہ نصف دنیا پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ گویا پچاس سال کے عرصہ میں آدھی دنیا اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی اور باقی آدھی دنیا میں مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہی اس طرح عملی طور پر ساری دنیا میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ اسلام کے پروگرام کے سامنے سب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ تمام ادیان کے مقابلے میں اسلام کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا۔ یہ صرف دلیل کا غلبہ نہیں تھا، کیونکہ دلیل کا غلبہ تو اسلام کو اول روز سے حاصل تھا، اور آج اس گئے گزرے زمانے میں بھی ہے، مگر یہ سیاسی غلبہ تھا، کہ اسلام کے مقابلہ میں باقی تمام ادیان فی الواقع مغلوب ہوگئے۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ گویا جس طرح ہلال سے بدر بن جاتا ہے۔ اسی طرح ابتداء میں مسلمانوں کی بے سروسامانی صرف پچاس سال کے عرصہ میں دنیا کی سب سے بڑی قوت بن گئی۔ چاند کی قسم کھانے سے یہی مراد ہے۔

اسلام کی روشنی

ان آیات میں غلبہ اسلام کے ثبوت میں دوسری گواہی رات کی پیش کی گئی وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ یعنی رات جب پیٹھ پھیر کر چلی جاتی ہے۔ قرآن پاک نے کفر و شرک کو عام طور پر رات کی تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر اپنی کتاب اس لیے نازل فرمائی کہ لِيُخْرِجَهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ تاکہ لوگوں کو کفر و شرک اور برائی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور اسلام کی روشنی کی طرف لائے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ اَفَمَنْ كَانَ مَيْتًا۔ یعنی جو مردہ تھا، کفر و شرک میں مبتلا تھا، اس کو نور ایمان دے کر زندہ کر دیا۔ وہ لوگوں کے اندر روشنی کے ساتھ پھر رہا ہے۔ کیونکہ اسلام روشنی دیتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم تاریکی سے نکال لیتی ہے۔ الجھاؤ اور تذبذب ختم ہو جاتا ہے، ہر چیز واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔ انسان اندھیروں میں بھٹکنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔ آج انسان کفر و شرک اور معاصی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے سوا چار ارب انسان آج بھی اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں، کیونکہ ان کے پاس روشنی والی چیز موجود نہیں۔ ادھر مسلمانوں کو لیجئے۔ دنیا میں اسی کروڑ بلکہ ایک ارب کے قریب آبادی ہے، مگر حالت تمام قوموں سے بدتر ہے۔ حتیٰ کہ افریقہ کے وحشیوں سے بھی حالت گری ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے قرآن پاک کے پروگرام سے روگردانی اختیار کر لی۔ آج کسی مسلمان سے دریافت کر کے دیکھ لیں کہ تمہارا پروگرام کیا ہے۔ بس دنیا کمانا، محنت و مشقت کرنا، تجارت کرنا، کھانا پینا، اور بلڈنگیں بنانا۔ آج مسلمان اپنا پروگرام بھی بھول چکے ہیں۔ اس کے اشارات اگلی آیات میں ملتے ہیں۔

جہنم کی ہولناکی

الغرض وَالصُّبْحِ اِذَآ اَدْبَرَ۔ سے مراد یہ ہے۔ کہ اسلام صبح کی روشنی کی طرح دنیا میں

Marfat.com

پھیلے گا، جس طرح سورج نکل آتا ہے۔ اور ہر ایک کو بیدار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی روشنی ہر ایک تک پہنچے گی۔ اس سے کوئی محروم نہیں رہے گا۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ قرآنِ پاک جادو ہے، انسان کا قول ہے۔ اور اس کا پروگرام ناکام ہو جائے گا۔ کَلَّا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ جس طرح چاند ہلال سے بدر بنتا ہے اسی طرح اسلام پھلے پھولے گا اور بدر کامل بنے گا۔ اور جس طرح طلوع فجر پہ رات کی تاریکی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا میں اسلام کی روشنی سے کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ کفر مغلوب ہوگا، اور اسلام غالب ہوگا۔

ان تینوں چیزوں کی قسم اٹھا کر فرمایا۔ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ۔ یعنی یہ ایک بہت بڑی شے ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اِنَّهَا کی ضمیر سقر کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی یہ دوزخ بہت بڑی چیز ہے جس میں مخالفین کو ڈالا جائے گا۔ مکذبین کو قسم اٹھا کر باور کرایا جا رہا ہے۔ کہ جہنم بڑی ہی خوفناک چیز ہے۔ جس سے مفر نہیں۔ لہٰذا وہ قرآن پاک کے پروگرام کی مخالفت کر کے اس کی حقیقت کو تسلیم کر لیں کیونکہ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ یہ بنی نوع انسان کو ڈرانے والی ہے۔ کہ اس سے بچ جائیں۔ اور قرآن کریم کی مخالفت چھوڑ دیں۔ گویا یہ لوگوں کو خبردار کر رہی ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر قریش مکہ کو اکٹھا کیا، اور فرمایا[1] اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب دشمن آ رہا ہے، تو کیا تم میری بات کو سچا سمجھو گے، قریش کہنے لگے مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا ہم نے آپ پر جھوٹ کا کبھی تجربہ نہیں کیا۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر یہ بات ہے فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ بے شک میں بڑے سخت عذاب کے سامنے تم کو خبردار کر رہا ہوں۔ اگر میرے پروگرام کی مخالفت کرو گے تو شدید ترین عذاب میں مبتلا ہو گے اور یہی ہے اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ۔

تاریخ انسانی کا بڑا واقعہ

بعض مفسرین فرماتے ہیں اِحْدَى الْكُبَرِ سے مراد حضور علیہ السلام کا وہ پروگرام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قُمْ فَاَنْذِرْ کہہ کر آپ کے سپرد کیا۔ فرمایا اے لحاف اوڑھنے والے آپ اٹھ کھڑے ہوں اور بنی نوع انسان کو آنے والے خطرناک مستقبل سے آگاہ کریں۔ گویا قرآنِ پاک کے پروگرام کو دنیا میں جاری کرنا تاریخ انسانی کا ایک بہت بڑا واقعہ یعنی لَاِحْدَى الْكُبَرِ ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے۔

---

[1] مسلم ص ۱۱۴ ج ۱ بخاری ص ۷۰۲ ج ۲

Marfat.com

کہ حضور علیہ السلام کے انقلاب سے بڑھ کر دنیا میں کبھی اتنے تھوڑے عرصہ میں اتنا بڑا انقلاب برپا نہیں ہوا۔ اتنے قلیل عرصہ میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں ختم ہوگئیں، ان کے تمام پروگرام ختم ہوگئے۔ اور قرآنی پروگرام کو عالمی غلبہ حاصل ہوا۔ یہ انسانی تاریخ کا اہم واقعہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی لیے لَاِحْدَی الْکُبَرِ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

پوری نوع انسانی کے لیے دعوت

اگلی آیت نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ میں یہ اشارہ موجود ہے۔ کہ قرآن کا پروگرام صرف قومی نہیں، بلکہ بین الاقوامی ہے۔ یہ تمام نوع انسانی کو ڈرانے والا ہے۔ اس کا تعلق کسی ایک جگہ، ایک ملک اور ایک قوم سے نہیں بلکہ یہ پوری نوع انسانی کا پروگرام ہے، جیسا کہ دوسری جگہ تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا یعنی آپ فرما دیجئے میں پورے بنی نوع انسان کی طرف رسول مبعوث ہوا ہوں۔ یہاں پر نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ ابتداء میں اولین مخاطبین یعنی عرب ایمان لائیں گے اور پھر ان کے ذریعے یہ پروگرام پوری دنیا میں پھیلے گا۔ اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ اس پروگرام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے کے لیے مشکلات کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ جنگیں بھی لڑنی پڑیں گی۔ قادسیہ اور یرموک جیسے بڑے بڑے معرکے ہوں گے اور اقوام عالم کے ساتھ بڑی بڑی لڑائیاں لڑنا ہوں گی۔

دین کے لیے قربانی

فرمایا، بات واضح ہوگئی ہے، کہ دین اسلام کو کس طرح غالب کرنا ہے۔ قرآن کے پروگرام کو کس طرح دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے۔ جب اس پروگرام کی سمجھ آگئی تو لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ اب تم میں سے جو چاہتا ہے۔ اس پروگرام کو لے کر آگے بڑھے۔ یا اگر وہ اس قدر ہمت نہیں پاتا تو پیچھے ہٹ جائے۔ دین کے پروگرام کو بہر حال دنیا کے سامنے پیش ہونا ہے۔

لِمَنْ شَآءَ سے مراد یہ ہے کہ اپنی رضا و رغبت سے جو اس پروگرام میں حصہ لینا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھے۔ کیونکہ مرتعش کی حرکت سے جو کام ہوتا ہے۔ اس پر مؤاخذہ ہی نہیں ہے۔ جو شخص اپنی مرضی اور اختیار سے اس پروگرام میں حصہ لے گا، اسی میں عبادت، پاکیزگی، اخلاق، عدالت اور سماحت ہے۔ اس پروگرام کو اختیار کرنے والے کی اگلی منزل بہشت ہے۔ مرنے کے بعد خطیرۃ القدس ہے۔

آگے بڑھنے والوں کی مثال ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، بلالؓ، صہیبؓ اور سلمانؓ وغیرہ ہیں۔ کوئی روم کا ہے، کوئی ایران کا، کوئی کسی جگہ کا، کوئی کسی مقام کا، مگر جب

Marfat.com

اس پروگرام کو لے کر آگے بڑھتے ہیں، تو ان کی منزل بہشت ہے، قرب خداوندی ہے اور تجلی اعظم کے ساتھ اتصال ہے۔

پیچھے رہنے والوں کی مثال ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ وغیرہ ہے۔ جو پیچھے رہ گئے، پروگرام کی مخالفت کی، مقابلہ کیا اور جہنم رسید ہو گئے۔ یہ دوزخ ٹھکانے ہیں۔ جو آگے بڑھ گئے، وہ جنت میں پہنچ گئے۔ اور جو پیچھے رہ گئے وہ جہنم کا نشانہ بنے۔ تو یہاں یہ اشارہ فرمایا کہ جس نے اپنی خوشی سے اس قرآنی پروگرام میں حصہ لیا۔ وہ کامیاب ہو گا۔ اور جو پیچھے رہ گیا، وہ ناکام ہوا۔

اعمال کی جزا و سزا

اس کے بعد اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ یعنی ہر نفس اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے، اُسی میں بند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت ہی اس قسم کی بنائی ہے۔ کہ اس میں ملکیت اور بہیمیت دونوں قوتیں رکھ دی ہیں۔ ان کی کش مکش انسان کے اندر برابر جاری رہے گی۔ انسان اپنے اعمال میں گھرا ہوا ہے۔ اس میں سے نکل نہیں سکے گا۔ جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ حدیث شریف میں وضاحت[1] ہے لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یعنی انسان کا قدم آگے حرکت نہیں کر سکے گا۔ جواب دہی کرنا ہو گی، اِلَّا اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ۔ البتہ صرف دائیں ہاتھ والے لوگ ایسے ہوں گے۔ جو بچ نکلیں گے امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[2]۔ یاد رکھو! کہ اعمال انسان کے نفس سے نکلتے ہیں، پھر پلٹ کر آتے ہیں اور نفس کے دامن کو پکڑ لیتے ہیں۔ پھر ان کو شمار کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ ان کا نتیجہ کل قیامت کو ہی نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اُس نے نفس کا دامن پکڑا ہوا ہے۔ انسان اس میں پھنسا ہوا ہے۔ اس میں سے نکلنے کی اجازت اُسی کو ملے گی، جو قرآن کے پروگرام کو ماننے والا اور چلانے والا ہو گا۔ اور یہ دائیں ہاتھ والے لوگ ہوں گے۔ اس کی تشریح میں آتا ہے۔ کہ عالم ذر میں یہ لوگ آدم علیہ السلام کی پشت سے ذرات کی شکل میں اُن کی دائیں طرف سے نکالے گئے تھے۔ قیامت کے روز انہیں لوگوں کو اعمالنامے دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ یہی لوگ اصحاب یمین ہیں، جو کامیاب ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی اچھے کام کرتے تھے۔ کہ اچھے کام داہنے ہاتھ سے کئے جاتے ہیں۔ انہیں کے متعلق فرمایا فِيْ جَنّٰتٍ یہ لوگ

---

[1] ترمذی ص۳۴۸

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص۲۸ ج۱ مطبوعہ رشیدیہ دہلی۔

Marfat.com

جنت میں داخل ہوں گے۔ آرام سے بیٹھیں گے جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ تختوں پر بیٹھ کر نظارے دیکھیں گے۔ آرام اور راحت نصیب ہوگی۔ غم و فکر دور ہو جائیں گے تو پھر يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ یعنی جنت والے دوزخیوں سے پوچھیں گے۔ ان لوگوں سے سوال کریں گے جنہوں نے دنیا میں الٰہی پروگرام کی مخالفت کی تھی۔ نبی کا مقابلہ کیا تھا۔ لڑائی کے لیے آئے تھے قرآن پاک کو جادو اور انسانی کلام کہا تھا۔ اور کفر و شرک پر جمے رہے تھے۔ ان سے سوال ہوگا، مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ آج تم کو اس سقر، اس جہنم میں کس چیز نے ڈالا۔ اصحاب الیمین یعنی جنت والے دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں یہ سزا کیوں ملی، اُن کا جواب اگلی آیات میں آئے گا۔

Marfat.com

درس ششم

(آیت ۴۳ تا ۴۸)

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾
حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ:- جواب دیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں نہیں تھے ﴿۴۳﴾ اور ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ﴿۴۴﴾ اور ہم باطل میں گھسنے والوں کے ساتھ گھس جاتے تھے ﴿۴۵﴾ اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ ہمارے پاس یقینی بات (موت) آگئی ﴿۴۷﴾ پس ایسے لوگوں کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی کام نہیں دے گی ﴿۴۸﴾

گذشتہ سے پیوستہ

قرآن کریم کے پروگرام کی مخالفت کرنے والے لوگوں کو تنبیہ کی گئی۔ اس کے بعد اسلام کی ترقی اور اس کے حد کمال تک پہنچنے کا ذکر ہوا۔ اور اس کے بعد نتائج اعمال کا ذکر آتا ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ یعنی ہر نفس نے جو کچھ کمایا ہے وہ اس میں رہن رکھا ہوا ہے۔ اس میں پھنسا ہوا ہے، اس نے جو بھی نیک و بد عمل کیا ہے، وہ اسمیں ماخوذ ہے۔ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ سوائے داہنے ہاتھ والوں کے، جو اس قید سے نکل جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ باقی سب اپنے عمل کے نتیجہ میں مقید رہیں گے۔

اصحاب الیمین کا دوزخیوں سے سوال

داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ حاصل کرنے والوں کو جنت کی راحت نصیب ہوگی۔ اور وہاں پہنچ کر انہیں مجرمین کا خیال آئے گا فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ اور وہ ان سے براہ راست پوچھیں گے مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ تم کو سقر یعنی دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ یہ مقام تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مقام ہے۔ تم یہاں کیسے پہنچ گئے۔

Marfat.com

دوسری جگہ موجود ہے۔ کہ اگر کوئی جنتی شخص دوزخی سے بات کرنا چاہے گا، تو باوجود ایک دوسرے سے کروڑوں میل کی دوری کے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور کلام بھی کر سکیں گے۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں موجود ہے۔ کہ بہشت میں آرام کرنے والا شخص جب اپنے ساتھی کا تصور کرے گا، کہ دنیا میں وہ میرا ساتھی تھا۔ تو وہاں یہ آتا ہے۔ کہ وہ ساتھی دوزخی تھا فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ اُس نے جھانک کر دیکھا، تو دوزخ کے درمیان میں پڑا ہوا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ کہ اللہ نے مجھ پر مہربانی کی، ورنہ تم تو مجھے بھی ہلاک کر ڈالتے۔ تمہاری حالت ایسی تھی۔ میں بھی تمہاری بات سے متاثر ہو جاتا، مگر اللہ تعالےٰ نے مہربانی فرمائی اور مجھے بچا لیا۔ اس طرح گویا آپس میں مکالمہ کریں گے، گفتگو کر سکیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔

جرم کے بغیر سزا نہیں دی جاتی

مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ میں سوال کا لفظ بتا رہا ہے۔ کہ مجرم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اُسے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ اگر اُسے جرم کا علم ہی نہ ہو، تو سزا دینا زیادتی کے مترادف ہوگا۔ دنیوی قانون بھی یہی ہے۔ کہ کسی شخص کو اس پر جرم واضح کئے بغیر سزا نہیں دینی چاہیئے۔ ترمذی شریف کی روایت[1] میں ہے۔ کہ کسی شخص کو شبہ کی بنا پر گرفتار تو کیا جا سکتا ہے۔ مگر تفتیش کے بعد اُسے روکنے کی اجازت نہیں۔ اگر وہ مجرم ثابت ہوتا ہے، تو اُسے سزا دو، ورنہ رہا کر دو۔ انگریز کا وضع کردہ سیفٹی قانون سخت خبیث قانون ہے۔ جس کے تحت بغیر جرم عاید کیے سالہا سال تک محض شبہ کی بنیاد پر قید و بند میں رکھا جاتا ہے۔

الغرض وہاں ایسا قانون نہیں ہوگا۔ بلکہ مجرمین کو معلوم ہوگا۔ کہ انہیں کن جرائم کی سزا دی جا رہی ہے۔ وہاں پر بست ویک والا قانون نہیں چلے گا۔ کہتے ہیں کہ امیر امان اللہ خاں (مرحوم) جب کابل میں تخت نشین ہوا۔ تو جلال آباد کا جیل خانہ دیکھنے کے لیے گیا۔ جب ایک قیدی کے پاس سے گذرا، تو وہ قیدی رونے لگا۔ امیر نے وجہ پوچھی تو اس نے عرض کیا، حضور! اڑھائی سال سے اس جیل خانہ میں بست ویک کے جرم میں پڑا ہوں۔ امیر حیران ہوا کہ بست ویک کون سا جرم ہے۔ اُسے بتایا گیا۔ کہ یہ قیدی دھوبی ہے۔ اڑھائی سال قبل یہ بیچارہ اپنے گدھے پر کپڑے لادے جا رہا تھا۔ اُسی

---

[1] ترمذی ص۲۲۳

Marfat.com

راستے پر پولیس والے بعض مجرموں کو لے جا رہے تھے۔ راستے میں وہ ایک چشمے کے کنارے ٹھہرے، وہاں ایک مجرم بھاگ گیا۔ اور اکیس میں سے بیس رہ گئے۔ انہوں نے اکیسواں پورا کرنے کے لیے گدھے والے کو پکڑ کر شامل کر لیا۔ اور اس طرح انہوں نے بست و یک یعنی اکیس کی گنتی کو پورا کر لیا۔ اور وہ دھوبی بغیر جرم کے اڑھائی سال تک قید کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔

قیامت کے روز اس قسم کا کوئی قانون نہیں ہوگا۔ جس کے تحت کسی کو بلا جرم سزا دی جائے۔ بلکہ ہر مجرم کو بتایا جائے گا۔ کہ اُسے کس جرم کی پاداش میں سزا دی جا رہی۔ حضور علیہ السلام[1] کے زمانہ مبارک میں ایک شخص کو شبہ کی بنا پر گرفتار کیا گیا۔ مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا، کہ بے گناہ ہے۔ لہذا چھوڑ دیا گیا۔

دوزخیوں کا جواب

جب جنتی مجرمین سے پوچھیں گے کہ تم کس جرم کی بنا پر دوزخ میں پہنچے تو وہی لوگ جو دنیا میں قرآن پاک کو جھٹلاتے تھے، کہتے تھے یہ جادو ہے، انسان کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ کہ میں ان کو دوزخ میں ڈالوں گا۔ چنانچہ ان کو واصل بجہنم کر دیا۔ تو اب یہ لوگ خود ہی اپنے جرائم کی تفصیل بیان کریں گے قَالُوْا جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہم نماز پڑھنے والوں میں نہیں تھے۔ یہ ہمارا جرم تھا۔ نیز یہ کہ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ تیسرا جرم یہ بتائیں گے وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ہم باطل میں گھسنے والوں کے ساتھ باطل میں گھس جاتے تھے۔ اور چوتھی بات یہ کہ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یہ چار جرائم ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم جہنم رسید ہوئے۔

نماز کی اہمیت

پہلا جرم یہ ہے۔ کہ ہم نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔ نمازیوں کی جماعت میں شامل ہونا تو درکنار ہم ان کی مخالفت کرتے تھے، انہیں ٹھٹا کرتے تھے۔ حالانکہ نماز ایک ایسا پروگرام ہے۔ جس کی وجہ سے اتحاد فکر پیدا ہوتا ہے۔ اتحاد فکر، اجتماعیت، طہارت، وقت کی پابندی، ڈسپلن، تنظیم اور اس قسم کے بیسیوں فوائد ہیں، جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں۔ جہنمی کہیں گے افسوس کہ ہم نے اس پروگرام کو نہ اپنایا۔ جس میں تعلق باللہ جیسی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے عقیدے کی طہارت سے لے کر ہر قسم کی ظاہری طہارت منجملہ لباس، مکان، بدن، قلب، روح، خوراک غرض ہر چیز کی

---

[1] ترمذی ص۲۲۳

طہارت حاصل ہوتی ہے۔ یہ تو مسلمانوں کی بدقسمتی ہے۔ کہ ایسی اعلیٰ وارفع باتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ یہ چیزیں مسلمانوں کو فطرۃً حاصل ہیں۔ نماز پنجگانہ اور جمعہ کے اجتماعات مسلمانوں کی اجتماعیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہی اجتماعیت ہمدردی کا درس دیتی ہے۔

امیر حبیب اللہ خان مرحوم دِلّی آیا۔ نماز کے لیے گیا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آکر شریک ہو گیا۔ وہاں ایک بہشتی بھی تھا۔ پانی کی مشک ادھر رکھی اور وہ بھی امیر کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا۔ لوگوں نے روکنا چاہا۔ کہ امیر کے ساتھ کھڑا نہ ہو۔ مگر امیر نے ڈانٹ دیا کہ غلطی میری ہے۔ کہ میں پہلے آکر اگلی صف میں نہیں پہنچ سکا۔ اب اس بہشتی بیچارے کو کیوں روکتے ہو۔ یہ اسلام کی برکت ہے۔ کہ کابل کا بادشاہ اور ایک بہشتی شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ اسی مساوات کا نتیجہ ہے۔ کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

نماز کے ذریعے تعلق باللہ

جب انسان نماز پڑھتا ہے۔ اور روحانی ترقی حاصل کرتا ہے۔ تو اُس کے قلب میں کسی درجے تک اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں یہ تجلی اصل میں روح اعظم کی تجلی ہوتی ہے، اُس کا عکس پڑتا ہے۔ اور اس کے واسطے سے انسان کا تعلق خدا کی تجلی اعظم کے ساتھ قائم رہتا ہے تو قابلِ غور یہ بات ہے۔ کہ جس نمازی کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہو گا چاہے وہ کسی بھی درجہ میں ہو کیا ایسا شخص کسی دوسرے پر زیادتی کر سکے گا۔ وہ تو اللہ کے بندوں کو اپنے جیسا ہی سمجھے گا۔ کسی کا حق تلف نہیں کرے گا، بلکہ مخلوقِ خدا کی خدمت کرے گا۔ اپنے آپ کو اُن کا خادم سمجھے گا۔ وقت ضائع کرنے والا نہیں بنے گا۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر[1] میں فرماتے ہیں۔ کہ دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں یعنی اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفَقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ ایک اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور دوسری اللہ کی مخلوق پر شفقت۔ یہ دونوں چیزیں نماز سے حاصل ہوتی ہیں۔ دِل میں خدا تعالیٰ کی عظمت، اعضاء و جوارح سے ادب اور زبان سے حمد و ثنا۔ یہ تینوں چیزیں نماز کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ نماز میں اجتماعیت کی بنا پر مساوات کا تصور اور اللہ کی مخلوق پر شفقت پیدا ہو گی۔ اور جب دِل و دماغ میں یہ بات آ گئی کہ

---

[1] تفسیر کبیر ص

Marfat.com

تمام انسان ایک جیسے ہیں۔ تمام مومن جسدِ واحد کی طرح ہیں کسی کو ایک دوسرے پہ برتری حاصل نہیں۔ نہ گورے کو کالے پر اور نہ امیر کو غریب پر، تو شفقت علی خلق اللہ خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ یہ نماز کی برکات ہیں۔

الغرض مشرک اور کافر لوگ دوزخ میں کہیں گے، افسوس! ہم نے قرآن پاک کے پروگرام پہ عمل نہ کیا۔ جماعت میں شریک نہ ہوئے، افسوس! ہم نماز کی حقیقت کو نہ پا سکے۔

نماز کے دنیوی فوائد

نماز کے دنیوی فوائد میں وقت کی پابندی اور طہارت جیسی چیزیں ہیں۔ کافر گندے رہتے ہیں۔ ان کا لباس پاک نہیں رہتا۔ وضو اور استنجا نہیں ہوتا۔ جسم پاک نہیں ہوتا۔ نمازی مومن کو طہارت، اجتماعیت، اور مساوات کا سبق ملتا ہے۔ دنیا کی دیگر اقوام کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی اجتماعیت کی وہ روح حاصل نہیں کر سکتیں، جو مسلمان کو ہر روز نصیب ہوتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے دکھ درد میں اس اجتماعیت کی وجہ سے شریک ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم نے نماز کی حقیقت کو نہیں پایا۔ اسی لیے تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ایسے نمازیوں کے لیے تباہی ہے۔ بربادی اور ہلاکت ہے الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ جو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ اور ایک دوسرے کو برتنے کی چیزیں بھی دینے کے لیے تیار نہیں۔ ان میں ہمدردی کا ذرہ بھی باقی نہیں رہا۔ ایسے بدبختوں نے نماز کی روح کو نہیں پایا۔ ایسے نمازی هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ اپنی نماز سے غافل ہیں۔ انہیں نماز کی ہوا تک نہیں لگی۔ وہ تو محض ایک عادت پوری کر رہے ہیں۔ اگر نماز کی حقیقت کو پا لیتے، تو ان میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا۔ ظلم کو مٹاتے۔ کیونکہ تعلق باللہ کا لازمی نتیجہ خدمت خلق اور عدل و انصاف کی بالادستی ہے۔

قرآن پاک کا کُل عالمی پروگرام

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[1]۔ کہ قرآن پاک کا کل عالمی پروگرام یہ ہے۔ قُمْ فَأَنْذِرْ یعنی چار چار بنیادی چیزیں عدالت، اخبات، طہارت اور سماحت ہیں۔ ہمارے دین کے یہ چار بنیادی اخلاق کبھی منسوخ نہیں ہوئے اور نہ کبھی منسوخ ہوں گے۔ اسلام کا عالمی پروگرام یہی تعلیم دیتا ہے۔ نماز کے بارے میں جتنی باتیں میں نے عرض کیں وہ سب اس پروگرام کے تحت آتی ہیں۔ یہ پروگرام قرآن پاک نے دنیا کی تمام اقوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ تاکہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس پروگرام میں سب سے

---

[1] حجۃ اللہ ص ۵۳ تا ۵۵

Marfat.com

پہلا نمبر نماز کا ہے۔ جس کے ذریعے یہ ساری چیزیں نصیب ہوتی ہیں۔ دوسرا نمبر تعلق باللہ اور مخلوق کے ساتھ شفقت کا ہے۔

مساکین کو کھانا کھلانا

دوزخیوں نے اپنا پہلا جرم تو یہ بتایا کہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دوسرا جرم یہ کہا کہ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۔ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ جہنم میں آنے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ انسانوں کے ساتھ ہمدردی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسے معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیئے۔ محض اپنے عیش و آرام میں زندگی نہیں گزار دینی چاہیئے۔ بلکہ محتاجوں کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ مسلم شریف کی روایت[1] میں آتا ہے۔ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اسلام کی باتوں میں افضل بات کون سی ہے۔ آپ نے چند چیزیں بیان فرمائیں۔ ان میں پہلی بات یہ ہے اَنْ تُطْعِمَ الطَّعَامَ کہ محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ نطعم المسکین کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں۔ کہ بھکاری پیدا کئے جائیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے۔ کہ مسکین کی ہر جائز ضرورت کا خیال رکھا جائے۔ آپ ناداروں کی تعلیم کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ انہیں روزگار مہیا کر سکتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو کر قوم کے معزز افراد میں شامل ہو سکیں۔ اگر ہماری قوم کے افراد ذلیل و رسوا ہوں گے، تو بحیثیت مجموعی قوم کو عزت نصیب نہیں ہوگی۔ لہٰذا مساکین کو کھانا کھلانے سے مراد ان کی ضروریات زندگی کا مہیا کرنا ہے۔ بھیک مانگنا تو ویسے ہی حرام ہے۔ شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ[2] میں فرماتے ہیں۔ کہ اکساب ضارہ یعنی مضر پیشوں میں چوری، ڈاکہ اور گداگری بھی شمار ہوتی ہے۔ چند شرائط کے ساتھ تھوڑے وقت کے لیے سوال کرنا اسلام نے جائز رکھا ہے۔ مگر اس کو پیشے کے طور پر اپنا لینا کسی صورت جائز نہیں۔ بلکہ حرام ہے۔ سُحْتًا یَاْکُلُهَا صَاحِبُهَا[3] جو شخص غنی ہے، کام کاج کرنے کے قابل ہے۔ معذور نہیں ہے، مجبور نہیں ہے۔ ایسا شخص اگر بھیک مانگتا ہے۔ تو حرام ہے۔ اس کے لیے سوال کرنا بھی جائز نہیں۔

دوزخ میں سزا کی ایک اور وجہ بھی پہلے گزر چکی ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ یعنی وہ اللہ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ اس کا تعلق باللہ درست نہیں تھا، توحید نہیں تھی۔ فکر پاک

---

[1] مسلم ص۴۸ ج۱ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص۴۳ ج۱ [3] مسلم ص۳۳۴ ج۱

Marfat.com

نہیں تھی۔ اور دوسری بات یہی کہ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ۔ مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا۔ انسانی ہمدردی مفقود تھی۔ جن کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ٹھہرا۔

بیہودہ باتوں میں شمولیت

دوزخ میں جانے والے اپنا تیسرا جرم یہ بیان کریں گے۔ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ یعنی ہم بیہودہ اور لغو باتوں میں گھسنے والوں کے ساتھ گھس جاتے تھے۔ ہر کھیل تماشے میں شامل ہو جاتے تھے۔ مسلمان کے لیے یہ شایان شان نہیں کہ وہ ایسی فضولیات کی طرف توجہ دے۔ وہ تو ایسا کام کرتا ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے لیے مفید ہو۔ وہ کھیل تماشے کو پسند نہیں کرتا۔ غیبت، عیب جوئی، چغل خوری سے اجتناب کرتا ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے۔ یہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کیا ہے۔ خبروں اور بعض محدود باتوں کو چھوڑ کر باقی سب بیہودہ گانے، کنجریوں اور فلم ایکٹرسوں کے ناچ، عریانی اور فحاشی ہے تھیٹروں اور سینما گھروں میں کیا ہو رہا ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ داروں میں بیٹھتے تھے۔ اس زمانے میں یہ لعنت ہر گھر میں پہنچ گئی ہے۔ ہر شخص اس میں شریک ہو گیا ہے الا ماشاء اللہ۔ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ کا یہی مطلب ہے۔ کہ دوزخی کہیں گے کہ ہم فسق و فجور میں دوسروں کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔

انکارِ آخرت

چوتھی بات یہ کی کہ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ کہ ہم قیامت کے دن یعنی انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یوں کہتے تھے۔ کوئی قیامت نہیں آئے گی۔ کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ دنیا میں ہم جو جی میں آتا کرتے تھے۔ قیامت کا انکار کرتے رہے۔ یہ ہمارے جرائم ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم دوزخ میں داخل کیے گئے۔

محاسبے کا تصور

قرآن پاک تمام اقوامِ عالم میں قیامت کی فکر پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ فکر ہے۔ جس سے محاسبے اور باز پرس کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اگر قیامت کا تصور باقی نہ رہے۔ تو محاسبہ کا تصور خود بخود ختم ہو گیا۔ اور انسان اس دنیا میں شتر بے مہار کی طرح جدھر چاہا، چلا جائے گا۔ انگریز نے اسی تصور کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ چاہا کہ انہیں کھیل کود کی طرف راغب کر دو۔ فحاشی اور عیاشی میں مبتلا کر دو۔ فلم ہی دیکھتے رہیں۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن سے دل بہلاتے رہیں۔ ان کا سارا وقت لہو و لعب میں گزر جائے اور یہ محاسبے کے تصور سے بے نیاز ہو جائیں۔

تو کافر یہی کہیں گے۔ کہ ہم یوم الدین کی تکذیب کرتے رہے۔ حَتّٰٓی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ یہاں

Marfat.com

کہ موت کا وقت آگیا۔ ہم اسی وہم میں ہے۔ کہ یہ زندگی اس دنیا تک محدود ہے۔ کوئی قیامت نہیں۔ کوئی باز پرس نہیں۔ ہم یہی سوچ رہے تھے۔ کہ یقینی بات یعنی موت آگئی اور دنیا کا دور ختم ہوگیا۔

شفاعت کا تصور

فرمایا فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ پس ایسے لوگوں کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی کام نہیں دے گی۔ اول تو کوئی سفارش کرنے والا ہی نہیں ہوگا۔ اور اگر سارے نبی اور سارے مومن بھی سفارش کریں۔ تو ان کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ کہ کافر و مشرک کے حق میں کوئی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ مومن، نبی، شہید، گنہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے۔ اور انہیں جہنم سے رہائی حاصل ہو جائے گی۔ مگر آخر میں یہ چار قسم کے مجرمین رہ جائیں گے۔ ان کے بارے میں کوئی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ لَا تُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کیونکہ سفارش کے لیے شرط ہے۔ کہ ایمان ہو، تعلق باللہ ہو، تکذیب نہ ہو اور قیامت کے دن کو برحق تسلیم کیا جائے۔ چونکہ ان لوگوں نے ان شرائط کو پورا نہ کیا۔ لہٰذا یہ دائمی جہنمی ٹھہرے۔ ان کے حق میں کوئی شفاعت مفید نہ ہوگی۔

Marfat.com

درس ہفتم (آیت ۴۹ تا ۵۶)

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع

الثلث ۲ ع ۲۵ ۱۶

ترجمہ: پس ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں (۴۹) جیسے کہ وہ جنگلی گدھے ہیں (۵۰) جو بھاگ رہے ہیں شیر سے (۵۱) بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلا ہوا صحیفہ دیا جائے (۵۲) ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لوگ آخرت سے بے خوف ہیں (۵۳) ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک یاددہانی ہے (۵۴) جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے (۵۵) اور لوگ نصیحت حاصل نہیں کرسکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ وہی ہے اہل تقویٰ اور اہل مغفرت (۵۶)

گذشتہ سے پیوستہ مومنین جنت میں پہنچ کر خیال کریں گے کہ دوزخ والوں کا حال دریافت کیا جائے اور ان سے دریافت کیا جائے۔ کہ تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے۔ دوزخ والے جواب دیں گے کہ چار جرائم کی وجہ سے وہ یہاں آئے۔ وہ چار جرم یہ ہیں۔ کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں نہیں تھے۔ مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ ہم لایعنی باتوں کے اندر گھستے تھے، اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یہ ہمارا قصور ہے۔ جس کی وجہ سے جہنم واصل ہوئے۔ دنیا میں اس قسم کی باتوں میں مبتلا تھے یہاں تک کہ موت آگئی۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے بارے میں سفارش کرنے والوں کی سفارش مفید نہیں ہوگی

نصیحت سے اعراض ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے انذار کی بات کی تھی یعنی يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ اے لحاف اوڑھنے والے اٹھ اور ان کو ان کے برے انجام سے ڈرا۔ اب سورۃ کے آخری حصہ میں انذار کا دوبارہ ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ان لوگوں کو کیا

ہوگیا ہے۔ کہ یہ نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اللہ کا نبی تو تذکرہ نصیحت اور قرآن پیش کرتا ہے۔ جو نہایت پاکیزہ باتیں ہیں۔ اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ ان میں انسانیت کی بھلائی ہے۔ مگر یہ لوگ ان باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے۔ انہیں تو اس پروگرام کو تسلیم کر لینا چاہیئے تھا۔ مگر نہ معلوم یہ اس سے کیوں اعراض کرتے ہیں۔

قرآن پاک یاد دہانی کراتا ہے

جب انسانوں میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو قرآن یاد دلاتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ اپنا تعلق درست کرو۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کرو۔ قیامت کے محاسبے کو پیش نظر رکھو۔ قرآن پاک تذکرہ ہے۔ قرآن پاک کے جہاں اور نام مثلاً ذکر، شفا، ہدایت اور بیان ہیں، منجملہ ان کے تذکرہ بھی ہے۔ آج کل جدید عربی میں تذکرہ گاڑی وغیرہ کے ٹکٹ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ جو ڈائری لکھی جاتی ہے۔ اس کو بھی تذکرہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ بھی یاد دہانی ہوتی ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نصیحت سے اعراض کرنے والے لوگ ایسے ہیں کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ جیسے جنگلی گدھا ہوتا ہے۔ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ جو شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے قسورہ شیر کو کہتے ہیں۔ جنگلی گدھا اگر شیر کو دیکھ پائے تو جس طرح وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ نصیحت سُن کر دوڑ پڑتے ہیں۔ گویا قرآن ان کے سامنے ایسا ہے جیسے شیر ہو جس کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوں۔ قسور کا لغوی معنی شور کرنا یا گرجنا ہے۔ چونکہ شیر میں گرجنے کی صفت پائی جاتی ہے۔ اس لیے حبشی زبان میں اسے شیر کہتے ہیں۔ عربی میں اس کا متبادل لفظ اسد ہے۔

اعراض کی وجوہات

اعراض کی کئی وجوہات ہیں۔ یا تو یہ نافہمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ انسان نافہم ہے۔ جس طرح بچے نافہمی کی وجہ سے تعلیم سے اعراض کرتے ہیں۔ انہیں علم نہیں ہوتا، فہم و ادراک نہیں ہوتا کہ تعلیم کس قدر اچھی چیز ہے۔ یا پھر اعراض طبعی نفرت کی بنا پر ہوتا ہے۔ جس طرح بیمار دوائی پینے سے نفرت کرتا ہے۔ حالانکہ یہ اُس کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اور شفا کا سبب ہوتی ہے۔ مگر وہ طبعی نفرت کی وجہ سے اعراض کرتا ہے۔

بعض اوقات انسان کسی چیز سے نفرت محض وہم کی بنا پر کرتا ہے۔ کسی بیمار کا فصد کھولتے ہیں، خون نکالتے ہیں۔ تو اُسے وہم ہو جاتا ہے۔ کہ خون نکالنے سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اُس پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خون کا نکالنا، اُسے بیماری سے نجات دلانے کے لیے

Marfat.com

ہوتا ہے۔ اُس کی زندگی کی بقا کی خاطر کیا جاتا ہے۔ الغرض اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مشرکین کیوں اعراض کرتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہیں۔ جیسے جنگلی گدھے ہوں جو شیر کا نام سُن کر بھاگ جائیں۔ انہیں تو چاہیئے تھا۔ کہ قرآن کی بات تسلیم کر لیتے، نہ کہ اس سے دور بھاگتے۔

کفار کی ہٹ دھرمی

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے کفار کی ایک اور ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ کیا فرمایا بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے۔ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً کہ اُسے کھُلا ہوا صحیفہ دیا جائے۔ بعض کافر ہٹ دھرمی کی وجہ سے کہتے تھے لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمیں ایسی کتاب نہ دی جائے۔ جیسی اللہ کے رسول پر کتاب نازل ہوتی ہے۔ یعنی ہر شخص کے ہاتھ میں ایک نوشتہ دیا جائے۔ جس میں یہ حکم موجود ہو کہ تمہیں نبی کی بات کو مان لینا چاہیئے۔ ایک اور جگہ وضاحت سے بیان کیا کہ یہ کفار چاہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَا اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ یعنی ہمیں بھی ویسے ہی کتاب دی جائے جس طرح اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے۔ بعض کفار یوں کہتے تھے۔ کہ ہم اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے سامنے کتاب نازل نہ کریں۔ آپ ہمارے سامنے آسمان پر جائیں۔ وہاں سے کتاب اتاریں، تب ہم مانیں گے۔

ہر شخص پر کتاب نہیں اتاری جاتی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا كَلَّا یہ بات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیا ہر شخص رسولوں کی طرح ہے۔ کہ اُسے کتاب دی جائے۔ اُس پر وحی نازل کی جائے۔ ہر شخص تو اِس کی استعداد ہی نہیں رکھتا۔ کہ اُسے براہِ راست مخاطب کیا جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُن کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ کہ یہ لوگ آخرت سے بے خوف ہیں۔ اس پر یقین نہیں رکھتے۔ جیسا کہ پہلی آیت میں گزر چکا ہے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ یعنی ہم قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے۔ ساری خرابیوں کی اصل وجہ یہی ہے۔ جب انسان کی نگاہ محاسبے کے عمل پر نہ ہو، تو پھر وہ من مانی کرتا ہے۔ ان کے انکار کی اصل وجہ یہی ہے۔ کہ یہ یوم آخرت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر اب مطالبہ یہ پیش کر رہے ہیں۔ کہ ہم پر بھی کتاب اتاری جائے جس طرح رسولوں پر اتاری جاتی ہے۔ فرمایا ایسا کرنا فطرت کے خلاف، عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ ہر ایک آدمی کو اُس کی مرضی کے مطابق صحیفہ نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

Marfat.com

قرآن پاک تو ایک یاد دہانی اور نصیحت ہے۔ جو شخص چاہے۔ اس کو تسلیم کرے ہر شخص کے لیے علیحدہ علیحدہ صحیفہ اس لیے بھی ممکن نہیں کہ صحیفہ کا مقصد تو امت کی اجتماعی تعلیم و تربیت ہوتا ہے۔ اور سوسائٹی کے ہر شخص کو فرداً فرداً تعلیم نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ یہ کام تو جماعت بندی کے ذریعے اجتماعی صورت میں انجام دیا جا سکتا ہے۔ کافر چاہتے ہیں۔ کہ ہر شخص کو الگ الگ صحیفے کے ذریعے اس کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے، یہ ناممکن ہے۔

ہدایت کا مدار طلب پر ہے

اس نصیحت یعنی قرآن پاک کے متعلق فرمایا۔ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگ قرآن پاک سے نصیحت حاصل نہیں کر سکتے" مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے چاہنے کے متعلق قرآن پاک میں اصول بھی بیان کئے گئے ہیں۔ کہ جو شخص اپنی مرضی اور اختیار سے ہدایت کا طالب ہو گا، اُسے ہدایت حاصل ہو گی۔ اور جو شخص اپنی خواہش سے ہدایت طلب نہیں کریگا۔ اُسے یہ نعمت میسّر نہیں آئے گی۔ اُسے یہ یاد دہانی مفید نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس کے اندر طلب اور خواہش نہیں پائی جاتی۔ ہدایت کے حصول کے لیے طلب، خواہش اور ارادے کا پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ ہدایت مفید نہیں ہو گی۔

دوسری جگہ فرمایا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ مطلب یہ کہ جو ہدایت کی طرف آنا چاہے ہم اُس کے لیے راستہ کھول دیتے ہیں اور ان کے لیے ہدایت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور تقویٰ سے سرفراز کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو لوگ عناد، ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ بِكُفْرِهَا اللہ تعالےٰ ان کے کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں کو بند کر دیتے ہیں۔ مقصد یہ کہ طالبانِ ہدایت کے لیے ہدایت کے راستے کھلے ہیں، اور جو شخص اس کی خواہش ہی نہ رکھے۔ اُسے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اہلِ تقویٰ اور اہلِ مغفرت

ہدایت کا یہ اصول بیان کرنے کے بعد فرمایا هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ یعنی وہی ہے اہلِ تقویٰ اور اہلِ مغفرت۔

مفسرین نے اس کی تفسیر دو طرح سے بیان کی ہے۔ عام تفسیر تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہی اہل

تقویٰ اور اہل مغفرت ہے۔ حدیث قدسی[1] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے اَنَا اَھْلٌ اَنْ اُتَّقٰی یعنی میں ہی اس کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے۔ اور تقویٰ اختیار کیا جائے ——— فَمَنِ اتَّقَانِیْ فَلَمْ یَجْعَلْ مَعِیَ اِلٰھًا فَاَنَا اَھْلٌ اَنْ اَغْفِرَلَہٗ[2] پس جب بندہ مجھ سے تقویٰ اختیار کرے گا۔ مجھ سے ڈرے گا شرک نہیں کریگا تو میں اس کا اہل ہوں کہ اُسے بخش دوں، معاف کردوں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی انہیں لوگوں پر ہوتی ہے، جو شرک نہیں کرتے اور اس کی سزا سے ڈرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اہل تقویٰ اور اہل مغفرت سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ ھُوَ کا مرجع اللہ کی طرف نہیں بلکہ انسانوں کی طرف ہے۔ یہ انسان دو قسم کے ہیں۔ بعض اہل تقویٰ ہیں۔ جو نیکی اور عدل کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین[3] میں تقویٰ کی تعریف اس آیت سے کی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی یعنی تقویٰ سے مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے قرابت داروں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔ اور تین چیزوں سے منع کرتا ہے۔ وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ فحش، منکرات اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ مقصد یہ کہ اہل تقویٰ وہ لوگ ہیں، جو عدل پر عمل پیرا ہیں۔ اور اہلِ مغفرت وہ ہیں، جن سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جن سے گناہ سرزد ہوا اور پھر وہ اُس پر جمے رہے۔ ایسے لوگوں کی فلاح کی کوئی صورت نہیں۔ اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ انہوں نے پوری زندگی اصلاح کی کوشش نہ کی حتیٰ کہ انہیں موت آگئی۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں۔ جن سے غلطی ہوئی، گناہ سرزد ہوا۔ مگر وہ سنبھل جاتے ہیں۔ فوراً تائب ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد اعمال صالح کرنے لگتے ہیں۔ بُرے اعمال پر نادم ہوتے ہیں۔ اور اس کی تلافی کرتے ہیں۔ جیسے کہ ارشاد ربانی ہے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا یعنی جن لوگوں نے توبہ کی اور پھر اچھے عمل کئے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ سے معافی مانگی ایسے ہی لوگ اہل مغفرت ہیں۔

---

[1] ترمذی ص۴۸۰ [2] ترمذی ص۴۸۰ [3] غنیۃ الطالبین ص۱۴۲ مطبوعہ مصر

Marfat.com

حضرت ابوسفیان رضؓ[1] اپنے خاندان کے لوگوں کو ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے بڑی کوتاہیاں کی ہیں انیس سال تک اسلام کی مخالفت کرتے رہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے دین کی نعمت عطا فرمائی تو سابقہ کوتاہیوں پر نادم ہوئے۔ اور عمر بھر اس کی تلافی کرتے رہے۔ اپنے خاندان کو بھی تلقین کرتے رہے۔ اور خدمتِ اسلام کی طرف راغب کرتے رہے۔ اور انہیں اسلام کی صفِ اوّل میں خدمت کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ خود ہمیشہ جہاد و قربانی میں پیش پیش رہے۔ جہاد میں ایک آنکھ بھی جاتی رہی مگر بوڑھا ہونے کے باوجود معرکہ یرموک میں شریک ہوئے۔ تلوار تو چلا نہیں سکتے تھے۔ مگر مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتے رہے، ان کو ہدایت دیتے رہے۔ جرأت اور بہادری کا جذبہ پیدا کرتے رہے۔ کہتے تھے۔ کہ بھائی آج تم جس جگہ کھڑے ہو۔ لَهٗ مَا بَعْدَهٗ اس دن کو لوگ تاریخ میں یاد رکھیں گے۔ چنانچہ اس معرکہ میں شام فتح ہوا۔ ایسے ہی لوگ اہل مغفرت ہیں۔

الغرض اہل تقویٰ سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو ابتدا سے عدالت اور نیکی پر قائم رہتے ہیں۔ اور اہل مغفرت وہ ہیں۔ کہ کوتاہی ہوئی مگر تائب ہو کر اصلاح کر لی اللہ تعالیٰ اشارۃً یہ بات سمجھا رہے ہیں۔ کہ کفر و شرک کرنے والے اب بھی باز آجائیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے دروازے کھلے ہیں۔ انکی غلطیاں معاف ہو جائیں گی۔ اگر یہ لوگ اہل تقویٰ میں شامل نہیں ہو سکے تو کم از کم اہل مغفرت میں تو شامل ہو جائیں۔ قرآن پاک سے اعراض کسی صورت بھی مفید نہیں، بلکہ ناکامی کا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] محاضرات ص ۱۹۲ ج ۱

Marfat.com

Marfat.com

سُورَةُ القِيٰمَةِ

Marfat.com

تبٰرک الذی ۲۹ — القیمۃ ۷۵

درس اوّل — (آیت ۱ تا ۱۵)

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ قیامت مکی ہے اور یہ چالیس آیتیں ہیں اور اس سورت میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

ترجمہ:- میں قسم اٹھاتا ہوں قیامت کے دن کی ﴿۱﴾ اور میں قسم اٹھاتا ہوں نفس لوامہ کی ﴿۲﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کریں گے ﴿۳﴾ کیوں نہیں۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کے پور پور کو برابر کر دیں ﴿۴﴾ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے ﴿۵﴾ پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئے گی ﴿۶﴾ پس جب آنکھیں چندھیا جائیں گی ﴿۷﴾ اور چاند بے نور ہو جائے گا ﴿۸﴾ سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا ﴿۹﴾ انسان کہے گا اس دن کہ اب بھاگ کر کہاں جائے ﴿۱۰﴾ خبردار اب بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ﴿۱۱﴾ جائے مستقر اس دن تیرے رب کی طرف ہی ہے ﴿۱۲﴾ اس دن انسان کو اس سے خبردار کر دیا جائیگا جو اس نے آگے بھیجا تھا اور جو پیچھے چھوڑا تھا ﴿۱۳﴾ بلکہ انسان اپنے نفس پر خوب بصیرت رکھتا ہے ﴿۱۴﴾ اگرچہ وہ کتنے ہی حیلے بہانے کرے ﴿۱۵﴾

Marfat.com

کوائف اور مضامین

اس سورۃ کا نام سورۃ قیامت ہے۔ اس کی پہلی آیت میں قیامت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کی چالیس ۴۰ چھوٹی چھوٹی آیتیں اور دو ۲ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ننانوے ۹۹ الفاظ اور چھ سو باون ۶۵۲ حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا مرکزی مضمون قیامت کا واقع ہونا اور جزائے عمل کا پیش آنا ہے۔ اس میں منکرین قیامت کو تنبیہ کی گئی ہے اور ان کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

پہلی سورۃ کے ساتھ ربط

یہ سورۃ اس سے پہلی سورۃ مدثر کے ساتھ مربوط ہے۔ اُس سورۃ میں بھی قیامت پر ایمان کا ذکر تھا، اس میں بھی ہے۔ پہلی سورۃ میں سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی تھی، اس میں قدرے نرمی پائی جاتی ہے۔ مگر مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے۔ سورۃ مدثر میں فرمایا تھا ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا آپ چھوڑ دیں مجھے اور اُسے جسے میں نے تنہا پیدا کیا، وہی شخص جسے میں نے مال اور اولاد دی اور دیگر سامان زندگی مہیا کیا۔ یہ شخص ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ہم اُس کو مشکل چڑھائی پر چڑھائیں گے۔ اور پھر اس کی حالت یوں بیان فرمائی۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ یعنی اس نے غور فکر کیا فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ پس یہ تباہ و ہلاک کیا جائے اس نے کیسا اندازہ کیا۔ پھر اُس نے تیوری چڑھائی اور پشت پھیری، اُس نے غرور و تکبر کیا۔ ہم اُس کو چھوڑیں گے نہیں۔ اور یہ سب کچھ کب ہوگا فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ جب ایک کھوکھلی چیز کے اندر پھونک ماری جائے گی یعنی صور پھونکا جائے گا۔ یقیناً وہ دن بڑا دشوار ہوگا۔ ہم اُسے ضرور سزا دیں گے، اُسے چھوڑیں گے نہیں۔

سورۃ کے آخر میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جو قرآن کریم کے پروگرام اور قیامت سے غفلت اختیار کرتے ہیں، اور اعراض کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق سختی سے فرمایا كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ گویا کہ یہ بدکنے والے گدھے ہیں۔ اس کے بعد ان کا دوزخ کا حال بیان کیا جب ایمان والے اُن دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم کس گناہ کی پاداش میں جہنم واصل ہوئے، تو وہ اپنا حال بیان کریں گے۔

اِس سورۃ قیامت میں بھی منکرین قیامت کو تنبیہ کی گئی ہے، مگر ذرا نرمی کے ساتھ، جیسے فرمایا اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ، کیا انسان یوں گمان کرتا ہے۔ کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو دوبارہ جمع نہیں کر سکیں گے۔ یا یوں کہتا ہے يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ پوچھتا ہے۔ کہ قیامت کب آئے گا۔ یہ واقع کیوں نہیں ہو جاتی۔ پچھلی سورۃ میں قیام قیامت کا ابتدائی منظر بیان کیا گیا تھا۔ کہ صور پھونکے جانے کے بعد یہ یہ واقعات پیش آئیں گے

Marfat.com

مگر اس سورۃ میں قیامت کی ابتدا اور انتہا دونوں بیان کر دیں۔ مثلاً ابتدا میں فرمایا فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ یعنی قیامت کی ابتدا اس وقت ہوگی جب آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ جب اللہ تعالیٰ کی تجلی نازل ہوگی تو حالات درہم برہم ہو جائیں گے، ہر شخص حیرت و استعجاب کے دریا میں ڈوبا ہوا ہوگا۔ اور حالت یہ ہوگی کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ اُس دن بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔ نیز وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ بعض چہرے اداس اور ترش ہوں گے۔ اس قسم کی حالت اُس دن ہوگی۔ سورۃ مدثر میں صور پھونکنے کا ذکر کیا، جس سے کان متاثر ہوں گے۔ اس سورۃ میں بَرِقَ الْبَصَرُ کہہ کر آنکھ متاثر ہونے کا ذکر فرمایا یعنی جب قیامت کے حیرت انگیز مشاہدات اس کی نگاہ کے سامنے آئیں گے تو انسان حیرت اور خوف و دہشت کے عالم میں کہے گا۔ اَيْنَ الْمَفَرُّ کہ کہاں بھاگ جائے اور کہاں پناہ حاصل کرے۔ الغرض اس سورۃ مبارکہ میں بھی وقوع قیامت کے منکرین اور جزائے عمل کے منکرین کا ذکر فرمایا۔ اور اُن کا رد فرمایا۔

لفظ لَا کی تشریح

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا قسم سے کی گئی ہے۔ اور اس میں دو چیزوں کا ذکر ہے لَا یا تو قسم کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ اور یا اس کا معنیٰ "نہیں" ہوتا ہے یعنی لَا نفی کا ہوتا ہے۔ اس مقام پر لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ میں قسم اٹھاتا ہوں، قیامت کے دن کی۔ کسی چیز کی قسم اٹھانے سے مراد اُس چیز کو گواہ بنانا ہوتا ہے یا قسم اٹھانے سے اس چیز کا مشاہدہ پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس جگہ قسم سے تعظیم والا معنیٰ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسری چیز کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے[1]۔ کیونکہ ایسا کرنے سے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان جدا ہے۔ وہ جب کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے، تو اس چیز کو بطور گواہ پیش کرتا ہے۔ اور یہاں پر لَا تاکید کے لیے ہے یہ لَا کسی چیز میں تاکید اور پختگی پیدا کرنے کے لیے آتا ہے۔ ایسا ہی لَا قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے۔ جس سے مراد نفی نہیں بلکہ تاکید ہے، جیسے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ یا فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ اسی طرح لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وغیرہ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ لَا نافیہ ہی ہے۔ نہ کہ تاکید قسم کے لیے۔ اس مقام پر

---

[1] ترمذی ص۲۴۰، بخاری ص۹۸۳ و ۹۸۴ ج۲، مسلم ص۴۶ ج۲ [2] تفسیر کبیر ص۲۱۵ ج۲۹۔

Marfat.com

مطلب یہ ہے۔ کہ یہ نفی کفار کے اُس خیال کی ہے۔ کہ قیامت یا جزائے عمل کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اس خیال باطل کی تردید فرما رہے ہیں۔ کہ نہیں! ایسی بات ہرگز ہرگز نہیں، جو یہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ قیامت ضرور بالضرور واقعہ ہونے والی ہے۔ تو ان معنوں میں یہ لَا نافیہ ہی ہے۔

الغرض ابتدائے سورۃ میں دو چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اور میں قسم کھاتا ہوں نفسِ لوامہ کی۔ کہ یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ قیامت ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ آگے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

نفس کی تین حالتیں

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں[1]۔ کہ نفس کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت نفس امّارہ کی ہے۔ یہ حالت عام طور پر بچپن کی ہوتی ہے۔ جب انسان کھیل کود اور لہو ولعب کی طرف مائل ہوتا ہے۔ زیادہ تر انسان کا دھیان باطل باتوں کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔ جب شعور کی منزل آتی ہے۔ تو انسان کا نفس کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور برائی کی ملامت کرتا ہے۔ اور بعض اوقات برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ملامت کرنے والی منزل نفس لوامہ کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں[2] کہ قیامت کے دن ہر نفس نفس لوامہ بن جائے گا۔ نیکوکار بھی اپنے آپ کو ملامت کرے گا کہ دنیا میں اور زیادہ نیکی کیوں نہ کرلی اور بدکار بھی اپنے نفس کو ملامت کرے گا کہ دنیا میں بُرائی کو کیوں نہ چھوڑا۔ اگر میں نے نیکی کو اختیار کیا ہوتا تو آج یہ حشر نہ ہوتا۔ مقصد یہ کہ نفس لوامہ کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ نیکی کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ اور برائی پر نفس ملامت کرتا ہے۔

نفس کی تیسری حالت نفسِ مطمئنہ ہے۔ اگر نفس میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے، جس سے اُسے اطمینان حاصل ہو جائے، قوانین الٰہی کے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے اور برائی سے ہٹ جائے۔ نہ تو وسوسہ شیطانی اُسے برائی کی طرف مائل کرسکے اور نہ خواہشات نفسانی ہی اُسے برائی پر آمادہ کرسکیں، تو یہ نفسِ مطمئنہ کہلاتا ہے۔

اِس مقام پر یہ سوال ذہن میں اُبھرتا ہے۔ کہ نفس لوامہ کو قیامت کے ساتھ کیوں جمع کیا ہے۔

---

[1] موضح القرآن سورۃ قیامت پ ۲۹ مطبوعہ تاج کمپنی [2] تفسیر عزیزی ص ۲۴۰ پ ۲۹

Marfat.com

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں انسان کی تنبیہ کے لیے ہیں اور برائی سے روکنے کا ذریعہ ہیں قیامت کے ذکر کرنے کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ انسان اس کی ہولناکی سے ڈر جائے اور برائی سے بچ جائے۔ اور اسی طرح نفس لوامہ بھی انسان کو برائی اختیار کرنے پر تنبیہ کرتا ہے۔ گویا انسان کو برائی سے روکنے اور نیکی پر چلنے میں یہ دونوں چیزیں مدد دیتی ہیں، لہٰذا ان دونوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے۔ کہ جدید تمدن نے انسان کی اخلاقی قدروں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ اذہان کو کھیل تماشے، لہو ولعب، ریڈیو، ٹیلیویژن، فلم اور آرٹ گیلری میں اس طرح محو کر دیا ہے کہ نیکی کی طرف دھیان دینے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ایسی ہی حالت میں انسان کا نفس لوامہ اُسے ملامت کرتا ہے۔ گویا قیامت اور نفس لوامہ دونوں انسان کو آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ لہٰذا اُن کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔

بعث بعد الموت

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے۔ کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کریں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے۔ کہ مشرک اور کافر کہتے ہیں۔ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ یا یوں کہتے ہیں۔ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے ہمارے ذرات منتشر ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے! هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ یہ تو بڑی بعید سی بات ہے۔ عقل نہیں مانتی۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔ بَلٰی کیوں نہیں قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ہم اس پر قادر ہیں۔ کہ اس کے پور پور کو درست کر دیں۔ یہ پور پور کا لفظ یہاں پر محاورے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس طرح کوئی کہتا ہے۔ کہ میرے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا ہے۔ تکلیف ہو رہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کے پور پور کو درست کر دیں۔ یعنی انسان کو بالکل اُسی حالت میں دوبارہ لے آئیں گے جس طرح یہ دنیا میں تھا۔ قیامت کے روز انسان کا جسم انہیں اجزاء کا مرکب ہوگا، جن کا وہ دنیا میں تھا۔ کوئی دوسرا جسم عطا نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنا انصاف کے خلاف ہوگا۔ کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ انسان کو انہیں عناصر کے ساتھ دوبارہ زندہ کرے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ کیسے جمع کرے گا۔ تو اس کے دلائل مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ علیم کُل ہے اور قادر مطلق ہے۔ اُسے علم ہے۔ کہ کسی انسان کے جسم کا کوئی ذرّہ کہاں پر ہے۔

Marfat.com

اور پھر وہ انہیں اکٹھا کرنے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا انسان کو بالکل اسی حالت پر دوبارہ قائم کر دینا اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے۔ اُس نے فرمایا ہے، کہ میں اس کا جوڑ جوڑ ٹھیک کر دوں گا۔

وقوعِ قیامت

فرمایا حقیقت یہ ہے۔ کہ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ انسان چاہتا ہے کہ قیامت کا انکار کر کے دنیوی زندگی میں ڈھٹائی اور بے حیائی کرتا رہے۔ اگر قیامت کے وقوع کا عقیدہ ہو گا تو پھر برائی سے رُکنا پڑے گا، مگر یہ تو چاہتا ہے۔ کہ اس کی برائی کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، اور وہ جو چاہے کرتا پھرے۔ اور اب یہ بے حیائی سے پوچھتا ہے۔ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ کہ قیامت کب آئے گی۔ مگر صورت حال یہ ہے۔ کہ جب قیامت آئے گی فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ تو آنکھیں چندھیا جائیں گی وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا۔ اِن کے بے نور ہو جانے پر معاملہ درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ اور پھر کیا ہو گا۔ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ انسان کہے گا کہ اب بھاگ کر کہاں چلا جائے۔ فرمایا کَلَّا خبردار لَا وَزَرَ اب بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں۔ بلکہ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ۔ کہ جائے مستقر صرف تیرے رب کی طرف ہی ہے۔ وہیں جا کر ٹھہرنا ہے۔ اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اب رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

اعمالنامہ پیش کیا جائے گا

اس کے بعد انسان جس چیز کا مستحق ہو گا، اسی کی طرف جانا ہو گا، یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ اس دن انسان کو اس چیز سے خبردار کر دیا جائے گا، جو اُس نے آگے بھیجا ہے۔ اور جو پیچھے چھوڑا ہے۔ اچھائی، برائی، نیکی، بدی ہر چیز اس کے سامنے ہو گی۔ جو اچھی بُری رسم پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ وہ بھی سامنے آجائے گی۔ کفر و شرک اور بدعت جو کچھ بھی پیچھے چھوڑ کر آیا ہے۔ سب حاضر کر دیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ انسان اپنے نفس پر بصیرت رکھتا ہے۔ وہ اپنے اعمال سے باخبر ہو گا۔ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ اگرچہ وہ کتنے ہی حیلے بہانے کرے۔ اُسے معلوم ہو گا کہ کیا کام کر کے آیا ہے لہٰذا اُسے کہا جائے گا اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا۔

درس دوم (آیت ۱۶ تا ۳۰)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا
قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ
﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا
نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ
﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ
اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨ
الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع ۱ ۳۰ ۱۷

ترجمہ: آپ اپنی زبان قرآن پاک کے ساتھ جلدی جلدی نہ چلائیں ﴿۱۶﴾ بے شک اس کا جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ﴿۱۷﴾ پس جب ہم (یعنی ہمارا فرشتہ) پڑھے تو اس کے پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد آپ پڑھیں ﴿۱۸﴾ پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے ﴿۱۹﴾ خبردار کہ تم جلدی کی زندگی کو پسند کرتے ہو ﴿۲۰﴾ اور چھوڑتے ہو تم آخرت کو ﴿۲۱﴾ کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ﴿۲۲﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ﴿۲۳﴾ اور اس دن کئی چہرے اداس اور ترش رو ہوں گے ﴿۲۴﴾ انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا ﴿۲۵﴾ خبردار جب انسان کی روح ہانسلی کی ہڈی تک جا پہنچتی ہے ﴿۲۶﴾ اور کہا جاتا ہے کون ہے راق (یعنی جھاڑ پھونک کرنے والا) ﴿۲۷﴾ اور انسان گمان کرتا ہے کہ اب جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے ﴿۲۸﴾ اور پنڈلی پنڈلی کے ساتھ مل جاتی ہے ﴿۲۹﴾ اس دن تیرے رب کی طرف چلنا ہوتا ہے ﴿۳۰﴾

گذشتہ سے پیوستہ اس سورۃ کی ابتدا میں قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کا رد فرمایا۔ اور ان لوگوں کی توجہ دلائی جو بعث بعد الموت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ قیامت اور نفس لوامہ کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ ہم انسان کی ہڈیوں کو جمع کریں گے اور اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ اس کے پور پور کو برابر کر دیں۔ درمیان میں قرآن حکیم کے متعلق کچھ ارشادات ہیں اور اس کے بعد

Marfat.com

پھر قیامت کا ذکر ہے کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ یعنی تم جلدی کی زندگی پسند کرتے ہو وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ۔ اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔ یہ آیات اور اس کے بعد والی آیات قیامت سے متعلق ہیں۔

حفاظت قرآن کی ذمہ داری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے قرآن پاک کے متعلق فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ یعنی آپ اپنی زبان قرآن پاک کے ساتھ جلدی جلدی نہ چلائیں کیونکہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ اس کا جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ پس جب ہم یعنی ہمارا فرشتہ پڑھے تو آپ اس کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ اس کے پڑھ کر فارغ ہو جانے کے بعد آپ پڑھیں، کیونکہ اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ اس میں سے کوئی چیز چھوٹنے نہیں پائے گی اور نہ ہی آپ بھولیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی اس کے معنی اور مطالب بھی آپ کی زبان سے بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

وقوع قیامت اور حفاظت قرآن میں مناسبت

بظاہر وقوع قیامت اور حفاظت قرآن میں مناسبت معلوم نہیں ہوتی، مگر حقیقت میں ان دونوں کے درمیان ربط ہے۔ وقوع قیامت کے متعلق منکرین بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جس قیامت کی خبر دے رہے ہیں، وہ جلدی آجائے۔ گویا جلد بازی کرتے ہیں۔ مگر جب قیامت آئے گی تو حالات خطرناک ہو جائیں گے۔ آنکھیں چندھیا جائیں گی، چاند بے نور ہو جائے گا، سورج اور چاند کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور پھر انسان کہے گا کہ اب بھاگنے کی کون سی جگہ ہے۔ تاکہ بھاگ کر اپنی جان بچا سکے مگر اس وقت کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ اور انسان کے سامنے ہر چیز پیش کر دی جائے گی یعنی جو کچھ بھی اس نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑا جاتا ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کا تعلق بھی جلد بازی سے ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک یاد کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ جب جبرائیل علیہ السلام قرآن پاک پڑھتے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ اسے یاد کر لیں، کوئی چیز چھوٹنے نہ

---

[1] بخاری ص۷۳۳ ج۲ ترمذی ص۴۸۰

پائے اور کوئی چیز بھول نہ جائے۔ چونکہ یہ ایک مشقت کا کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں۔ کیونکہ قرآن پاک کو حرف بحرف جمع کر دینا اور اسے آپ کی زبان پہ چڑھا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔ لہٰذا آپ جلد بازی نہ کریں۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالےٰ علیم کل اور قادر مطلق ہے اور اُس کا اعلان ہے۔ کہ انسان کی بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کر دے گا۔ اور انسان کے منتشر اجزاء کو اکٹھا کر دے گا اور اس کے پور پور کو درست کر دے گا۔ تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے۔ کہ وحی آسمانی کے الفاظ کو محفوظ کر دے۔ اور اس کا کوئی لفظ یا کوئی حرف چھوٹنے نہ پائے۔ لہٰذا آپ جلدی نہ کریں۔ تو گویا حفاظت قرآن کو وقوع قیامت کے ساتھ یہی جلد بازی کی مناسبت ہے۔

قبولِ ہدایت میں جلدی کی خواہش

بعض فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خواہش بھی تھی۔ کہ لوگ جلدی سے ہدایت قبول کر لیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا، آپ جلد بازی نہ کریں۔ کیونکہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ یعنی اے نبی کریم! آپ اپنی پسند کے مطابق کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کر سکتے بلکہ ہدایت دینا تو اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت سے نواز دے۔ حقیقی مربّی اور ہادی تو ذاتِ خداوندی ہی ہے۔ لہٰذا تربیت کے سلسلے میں جلد بازی بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ انسان فطرۃً تدریج پسند ہے آہستہ آہستہ بات کو سمجھتا ہے۔ اور پھر اس کو اختیار کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق تربیت حاصل کرے گا اور ہدایت پائے گا۔ لہٰذا آپ جلد بازی نہ کریں۔ دوسری جگہ یہ بھی موجود ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ قرآن پاک پڑھنے میں جلدی نہ کریں مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ قبل اس کے کہ وحی پوری ہو جائے۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اور یہ دعا کریں کہ اے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ قرآن پاک کو پڑھنے والا بمنزلہ اُستاد ہوتا ہے۔ اور بوقت تعلیم شاگرد کو غور سے سننا چاہیئے، درمیان میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی اشکال باقی رہ جائے تو بعد میں گفتگو کرنی چاہیئے۔ درمیان میں مخل نہیں ہونا چاہیئے۔

حفاظتِ قرآن کی تائید میں سورۃ اعلیٰ میں فرمایا۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کہ آپ ہرگز نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس چیز کے کہ جسے اللہ بھلانا چاہے۔ یعنی کوئی ایسی بات

Marfat.com

جس کو اللہ تعالےٰ منسوخ کردے۔

حفظ قرآن کے ذرائع

حفاظت قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ یعنی قرآن حکیم کو ہم نے ہی نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

اسباب حفاظت کے سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ فتح الرحمان[1] میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا سبب قرآن پاک کا جمع کرنا ہے۔ قرآن پاک کی تدوین شیخینؓ کے زمانہ میں ہوئی جب کہ اسے کتابی صورت میں لایا گیا۔ حفاظت کا دوسرا بڑا سبب اس کا مسلسل پڑھنا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر زمانے میں قرآن پاک کے حافظ اور قاری پیدا کئے۔ جہاں تک اسے یاد کرنے کا تعلق ہے۔ اسماء الرجال والے لکھتے ہیں کہ دس ہزار صحابہؓ کو قرآن پاک زبانی یاد تھا۔ اس کے بعض حصص تو ہر مسلمان کو یاد تھے اور ابتدائے اسلام کے اس دور میں کوئی بھی مسلمان ایسا نہ تھا، جسے قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ یاد نہ ہو، تاہم ایک کثیر تعداد مکمل حفاظ کی بھی موجود تھی۔ اس کے بعد جوں جوں اسلام کے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا گیا، حفاظ کی تعداد میں اسی نسبت سے اضافہ ہوتا رہا۔

جہاں تک قرآن پاک کے بیان کا تعلق ہے، اس کے معانی و مطالب اور معارف و وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مفسرین کرام کو مقرر فرمایا، جنہوں نے اس کے معارف کو کھول کھول کر بیان کیا۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[2]۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا وعدہ اس طور پر پورا کیا کہ ہر زمانے میں مفسرین کرام کی ایک جماعت موجود رہی ہے۔ اور اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ جنہوں نے مختلف زبانوں میں قرآن پاک کی تفسیر بیان کی۔ گویا قرآن پاک کے الفاظ اور اس کی تجوید بھی محفوظ ہے اور اس کے معانی و مطالب بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جلد بازی نہ کریں اس کا جمع کرنا اور آپ کی زبان سے پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔

اس کے بعد فرمایا فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ یعنی جب ہم پڑھیں یعنی ہمارا فرشتہ جبرائیل قرآن پاک کو پڑھے۔ تو اس کے بعد آپ اس کا اتباع کریں۔ حقیقت میں معلم اور مربّی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، فرشتہ تو ایک ذریعہ ہے، وہ معلم نہیں بلکہ درمیان میں پیغام رسانی کا

---

[1] فتح الرحمان وازالۃ الخفاء ص۲۴ و ص۲۵ ج۱ [2] ازالۃ الخفاء ص۲۵ ج۱

Marfat.com

کام کرتا ہے۔ لہذا جب وہ پڑھے تو اس کے بعد آپ پڑھیں۔

تشریح قرآن کے ذرائع

جہاں تک قرآن پاک کی تشریح کا تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کی تشریح خود قرآن میں موجود ہے۔ اگر کسی مقام پر کسی مسئلہ کا اجمال ہے۔ تو کسی دوسرے مقام پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ[1]، امام شافعیؒ[2]، امام ابن تیمیہؒ[3]، مولانا گنگوہیؒ[4] فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کی وہ تمام احادیث جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔ وہ سب قرآن پاک کی شرح ہیں۔ اگر کوئی چیز حدیث رسول میں بھی نہ ملے۔ تو خلفائے راشدینؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال میں مطلوبہ تشریح مل جاتی ہے۔

بعض لوگ قرآن پاک کی اس تشریح کا انکار کرتے ہیں۔ جو کہ گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ان میں پرویزی چکڑالوی اور دیگر منکرین حدیث شامل ہیں۔ ان سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ وہ بیان کہاں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بیان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا آئمہ مجتہدینؒ کے اجتہاد میں ہی موجود ہے۔ یہ سب قرآن پاک کی تشریح ہی تو ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن پاک نازل فرمایا اور اس کی تفصیل بھی۔ تو یہ سب تفصیل ہے۔

حُبِ دنیا یا حُبِ آخرت

اس کے بعد منکرین کے انکار کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خطاب فرماتے ہیں کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ کہ انکار قیامت کی وجہ یہ ہے۔ کہ تم جلدی کی زندگی پسند کرتے ہو۔ اور جو آدمی جس چیز کو پسند کرتا ہے، اسی میں منہمک رہتا ہے۔ کسی دوسری طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ چونکہ تمہارا مقصود تو محض دنیوی زندگی ہے۔ اگر دنیا کی محبت کم ہوتی تو آخرت کی محبت بھی پیدا ہوتی۔ مگر تمہیں تو صرف یہ جلد بازی کی زندگی ہی محبوب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک[5] ہے مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ یعنی جو دنیا سے محبت کرے گا، وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا اور جو آخرت سے محبت رکھے گا اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ اس کے لیے لامحالہ دنیا میں کچھ کمی آئے گی۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى یعنی تم

---

[1] [2]

[3] فتاوی کبریٰ لابن تیمیہؒ ص ۱۳۸ ج ۲ طبع ریاض [4] لطائف رشدیہ ص ۹۷۸ [5] موارد الظمآن ص ۶۱۲، مسند احمد ص ۴۱۲ ج ۴

Marfat.com

فانی کی بجائے باقی رہنے والی چیز کو ترجیح دو۔ دنیا سے زیادہ محبت نہ کرو، یہ فانی ہے۔[1] اے محض قبول کرلو، زیادہ محبت نہ کرو۔ مگر بالکل ترک بھی نہ کرو اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا (وَلَا غَایَۃَ رَغْبَتِنَا) وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا یعنی محض دنیا کو ہی مقصود نہ بنا لینا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے[2]۔ کہ یاد رکھو! دنیا اور آخرت دو سوکنوں کی مانند ہیں۔ اگر ایک کو راضی کرے گا تو دوسری ناراض ہو جائے گی لہذا دنیا کے انہماک اور اس کی محبت کی اجازت نہیں دی گئی۔ فرمایا[3] رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ حُبُّ الدُّنْیَا یعنی ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے دنیا کی محبت اس حد تک نہیں چلی جانی چاہیئے کہ دین، شریعت، آخرت اور موت یاد ہی نہ رہے۔ ایسا انہماک ناجائز اور قبیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ محبانِ دنیا کی ترجمانی اس طرح فرمائی۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ یعنی ہم آخرت کو کچھ نہیں جانتے ہمیں جو کچھ دینا ہے، اے پروردگار! یہیں دے دے۔ ایسے ہی دنیا داروں کے متعلق فرمایا کہ وہ کہتے ہیں رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں ہی جو کچھ دینا ہے دے دے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔ یہ لوگ دنیا کی جلد بازی کی زندگی پسند کرتے ہیں۔ لہذا یہ آخرت کے منکر ہیں۔

رؤیت الٰہی

مگر یاد رکھو! جب آخرت آئے گی تو وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ کئی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے۔ کہیں فرمایا سفید ہوں گے، نورانی ہوں گے۔ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے، اُن کو رویت الٰہی بھی نصیب ہوگی۔ جو انتہائی خوشی اور مسرت کی بات ہوگی۔ اہل سنت والجماعت متفقہ طور پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت میں پہنچنے والوں کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔ اس کا ذکر صحیح احادیث[4] میں موجود ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیات بھی اس بات پر شاہد ہیں۔ کافروں کے متعلق فرمایا کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ اُن کو اُس دن حجاب میں رکھا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ مومن حجاب میں نہیں رہیں گے۔ اُن کو رویت

---

[1] ترمذی ص۵۰۴، [2] تفسیر عزیزی ص۲۴۷ پ۲۹، [3] بیہقی فی شعب الایمان درزین بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۴۴،
[4] بخاری ص۹۷۳ ج۲، مسلم ص۱۰۰ ج۱، ترمذی ص۳۶۶

Marfat.com

الٰہی نصیب ہوگی۔ اس عقیدے کا انکار کرنے والے گمراہ ہیں۔

اس کا انکار یا تو شیعہ کرتے ہیں یا معتزلہ۔ اُن کا اشکال یہ ہے کہ اگر خدا کو دیکھیں گے تو خدا محدود ہو جائے گا (العیاذ باللہ) اور جہت کے اندر ہوگا، کیونکہ دیکھنا جہت کے اندر ہوتا ہے۔ مگر اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ کہ دیدار الٰہی ہوگا۔ البتہ وہ اس کے ساتھ ایک لفظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ کہ دیدار ہوگا، مگر بے کیف یعنی اس کی کیفیت کوئی نہیں جانتا کہ کس طرح ہوگا۔ یہ دیدار کسی عام چیز کو دیکھنے کی مانند نہیں ہوگا۔ یہاں تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہت ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ جہت سے بے نیاز ہے۔ تاہم دیدار ضرور ہوگا، مگر بے کیف۔

منکرین قیامت کی مایوسی

اس کے بعد فرمایا وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ اُس دن کئی چہرے اُداس اور ترش رو ہوں گے۔ دوسری جگہ فرمایا، ان پہ گرد و غبار چڑھا ہوا ہوگا یا وہ سیاہ ہوں گے۔ اور اُن کی حالت یہ ہوگی تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ انہیں یقین ہوگا کہ اُن کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائیگا۔ فاقرہ کمر کے مہرے کو کہتے ہیں۔ وہ یقین کریں گے کہ اب اُن کے ساتھ بہت ہی بُرا سلوک ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے قیامت اور جزائے عمل کا انکار کیا۔ فرمایا آج تو یہ جلد بازی سے کام لے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ کوئی قیامت نہیں۔ یہ اساطیر الاولین یعنی پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ مر کر کسی کو واپس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

راق کا مفہوم

فرمایا كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ خبردار! جب انسان کی روح اور جان ہانسلی کی ہڈی تک جا پہنچتی ہے۔ اور انسان اس دنیا سے جانے لگتا ہے۔ تو پھر وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ اور کہا جاتا ہے، کون ہے راق مفسرین کرام نے رَاقٍ کے دو معنے بیان کئے ہیں۔ اس کا ایک معنیٰ ارقیہ سے ہے یعنی جھاڑ پھونک کرنیوالا یا تعویذ گنڈا کرنیوالا مقصد یہ کہ جب انسان کی جان اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ لوگ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر اور طبیب تو ناکام ہو گئے، اُن کا کوئی حیلہ کارگر ثابت نہیں ہو رہا ہے۔ اب کسی جھاڑ پھونک والے کو تلاش کرو۔ کوئی دَم کرنے والا دَم ہی کرے۔ کسی کے تعویذ گنڈے سے مریض کو فائدہ پہنچے۔ کسی طرح اس کی جان بچ جائے۔ تو گویا راق سے مراد وہ جھاڑ پھونک کرنے والے ہیں۔ جو مریض کی آخری سٹیج پر طلب کئے جاتے ہیں۔ تو "راق" سے مراد انسان کی وہ حالت ہے، جب اُس کے بچاؤ کے تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ لفظ راق، رقیہ سے نہیں بلکہ رقی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہوتے ہیں۔ گویا راق سے مراد وہ فرشتے ہیں۔ جو انسان کے پاس آخری وقت میں آتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔ کہ اس شخص کو روح کو لے کر کون اوپر جائے گا۔ یعنی عذاب والے فرشتے اس کو لے جائیں گے یا رحمت والے۔ اُس وقت دونوں قسم کے فرشتے وہاں پر موجود ہوتے ہیں۔ اگر مرنے والا مومن ہے۔ تو اُسے علیّین والے فرشتے لیجاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ موجود ہے۔ کہ علیّین ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، جہاں بہشت ہے۔ پس نیکوکار انسان کی براہِ راست وہاں حاضری ہوتی ہے۔ اس کے بعد اُسے واپس برزخ یا عالم قبر میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مرنے والا کافر یا منافق ہے۔ تو فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جاتے ہیں۔ مگر وہ آسمان دنیا سے ہی پلٹا دیا جاتا ہے۔ اوپر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو سجین میں لے جایا جاتا ہے۔ جو ساتوں زمینوں کے نیچے جہنم کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے۔ تو گویا اس لحاظ سے راق سے مراد اوپر چڑھنے والے فرشتے ہیں۔ خواہ وہ عذاب کے فرشتے ہوں یا رحمت کے۔

مجرمین کے زندگی کے آخری لمحات

وَظَنَّ اور انسان گمان کرتا ہے۔ یہاں پر ظن بمعنی یقین ہے یعنی مرنے والے کو یقین ہو جاتا ہے اَنَّهُ الْفِرَاقُ کہ اب جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی، پنڈلی کے ساتھ مل جاتی ہے۔ یعنی جب جان نکل جاتی ہے۔ تو پھر اس میں حرکت کی قوت باقی نہیں رہتی۔ یا پھر اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکو کفن میں جوڑ دیا جاتا ہے یہ جدائی انسان کے لیے دو طرح سے باعث تکلیف ہوتی ہے اولاً یہ کہ جس مال و متاع اور اولاد و اقارب میں وہ مبتلا تھا، انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ آگے برزخ میں نامعلوم کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ دنیا میں تو عیش کرتے رہے۔ اب آگے کیا صورت حال ہو گی۔ اس طرح گویا یہ جدائی کا وقت انسان کے لیے دوہری اذیت کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد انجام کار یہ ہے کہ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ۔ اُس دن اپنے رب کی طرف چلنا ہوتا ہے۔ چنانچہ مرنے کے ساتھ ہی انسان کی دوسری زندگی کی پہلی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ آج تم جلد بازی کرتے ہو۔ انکار اور استہزاء کرتے ہو مگر آگے یہ سلسلہ پیش آنے والا ہے۔ جس وقت تمہاری جان ہانسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے گی تو پتہ چل جائے گا کہ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

Marfat.com

درس سوم (آیت ۳۱ تا ۴۰)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ
الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى
﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۱۸

ترجمہ:- پس نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی (۳۱) بلکہ اس نے تکذیب کی اور اعراض کیا (۳۲) پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا (۳۳) ہلاکت ہے تیرے لیے پھر ہلاکت ہے (۳۴) پھر ہلاکت ہے تیرے لیے پھر ہلاکت ہے (۳۵) کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ (۳۶) کیا انسان ایک قطرہ آب نہیں تھا جسے رحم کے اندر ٹپکا دیا جاتا ہے؟ (۳۷) پھر وہ جما ہوا خون تھا پس خدا نے اس کو پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک بنایا (۳۸) پھر بنایا اس سے جوڑا نر اور مادہ (۳۹) تو کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو (دوبارہ) زندہ کرے (۴۰)

گذشتہ سے پیوستہ

پہلی آیات میں منکرین قیامت کا ردّ اور اُن کے بُرے انجام کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان آیات میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے منکرین قیامت کے بارے کچھ دلائل اشارۃً بیان فرمائے ہیں۔ اور اُن کی کوتاہی اور ہٹ دھرمی کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ منکرین قیامت بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ قیامت کب آئے گی، اور اس کو بعید سمجھتے ہیں، یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس غفلت کا سبب بالعموم اِن کے مال واسباب ہیں۔ پہلی سورتوں میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ اور یہاں بھی ذکر ہو چکا ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ـــــ یعنی انکار قیامت کی وجہ یہ ہے۔ کہ تم جلد بازی یعنی دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہو۔ اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔ یہ دنیوی زندگی میں انہماک اور اس کے مال واسباب کی محبت ہی انسان کو آخرت سے غافل کرتی ہے۔ اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ موت آجاتی ہے۔ اور

اگلی منزل یکایک سامنے آجاتی ہے۔

صدق کا مفہوم

فرمایا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی افسوس کا مقام ہے کہ منکرین قیامت نے نہ تو تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ صَدَّقَ سے مراد تصدیق کرنا ہے۔ یعنی انہوں نے اُن باتوں پر یقین نہیں کیا، جن پر یقین کرنا ضروری ہے اور ان میں ایک قیامت بھی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، انبیا علیہم السلام کی رسالت، ملائکہ، کتُب سماویہ یہ تمام شرائع الٰہیہ ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے اگر یہ شخص تصدیق کرتا تو صحیح اعتقاد اپنے ساتھ لے جاتا۔ اور جو صحیح اعتقاد لے کر جاتا ہے، آخرت میں فرشتے بھی اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بھی اُن کے سفارشی بنتے ہیں۔ قرآن بھی اُن کا شفیع ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اُن پر مہربانی فرماتے ہیں۔

مگر صورت حال یہ ہے۔ کہ اُس نے تو تصدیق ہی نہیں کی فَلَا صَدَّقَ نبی کو سچا ہی نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کی باتوں کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ اساطیر الاولین ہیں پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ان میں کوئی صداقت نہیں۔ نہ کوئی قیامت ہے نہ کوئی جزائے عمل ہے۔

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں[1]۔ کہ صَدَّقَ کا معنیٰ صدقہ خیرات کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی کہ نہ اُس نے صدقہ خیرات کیا نہ نماز پڑھی۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ گنہگار کہے گا کہ اے اللہ! مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں صدقہ خیرات کر کے نیکوکاروں میں شامل ہو جاؤں۔ مگر جب موت کا وقت آجاتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالےٰ مؤخر نہیں کرتے۔

صدقہ میں زکوٰۃ بھی شامل ہے۔ جیسا کہ پچھلی سورت میں گذر چکا ہے۔ کہ انسانی ہمدردی جس میں صدقہ خیرات شامل ہے۔ اور معاد یہ بنیادی چیزیں ہیں۔ وہاں ذکر آیا تھا۔ کہ جنت والے لوگ دوزخ والوں سے سوال کریں گے مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ تمہیں اس جہنم میں کون سی چیز لائی۔ تو وہ کہیں گے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ یعنی ہم نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ کھانا کھلانا نوع انسانی خاص طور پر ہم مذہبوں کے

---

[1] تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۰۴۱

Marfat.com

ساتھ ہمدردی کرنا ہے۔ جس میں اوّل نمبر پر زکوٰۃ ہے۔ تو گویا تعلق باللہ کے لیے نماز ضروری تھی، وہ نہ پڑھی اور بنی نوع انسان کے ساتھ تعلق کے لیے صدقہ خیرات ضروری تھا، وہ بھی نہ کیا، نہ تو اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق قائم ہوا۔ اور نہ لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم ہوا۔ کیونکہ مسکین پروری نہ کی۔

صدقہ اور نماز کی اہمیت

اسی لیے فرمایا فَلَا صَدَّقَ نہ اُس نے صدقہ خیرات کیا وَلَا صَلّٰی اور نہ نماز پڑھی۔ یا نہ اُس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ نماز ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا[1] اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلٰوۃُ یعنی سب سے پہلی چیز جس کے متعلق انسان سے پوچھا جائے گا، وہ نماز ہے۔ محاسبے میں پہلا نمبر نماز کا ہے۔ نماز پڑھی ہے یا نہیں نماز مومن اور کافر کے درمیان علامت فارقہ ہے۔ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الشِّرْکِ وَالْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ[2] ہمارے اور مشرکین کے درمیان فیصلہ کُن چیز نماز ہے۔ جس نے نماز ترک کی، اُس نے کفر میں قدم رکھ دیا۔ اگر بالکل انکار کر دیا، تو کافر ہو گیا، ورنہ فاسق تو ہے ہی۔ نماز اور زکوٰۃ دو ایسی علامتیں ہیں، جن کے ذریعے انسان کا ایمان ثابت ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص مومنین کی جماعت کا آدمی ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ اگر یہ لوگ کفر و شرک سے توبہ کر لیں، نماز پڑھنے لگ جائیں، زکوٰۃ دینے لگیں، تو تمہارے بھائی بن گئے۔ جھگڑا ختم ہو گیا۔ تمام حقوق جو تمہیں حاصل ہیں انہیں بھی مل گئے۔ دوسری آیت میں فرمایا فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ پھر چھوڑ دو انہیں۔ ان سے لڑائی نہ کرو۔ گویا نماز اور زکوٰۃ دو ایسی علامتیں ہیں، جن سے مسلمان کی پہچان ہوتی ہے۔ ایمان تو باطنی چیز ہے، جو نظر نہیں آتی۔ مگر ظاہری علامات یہی ہیں۔

نماز کی ایک اور خوبی یہ ہے۔ کہ توجہ الی اللہ کا ذریعہ ہے جس طرح کوئی بھاگا ہوا غلام اپنے مالک کے سامنے دست بستہ حاضر ہو جائے تو اس کا غصہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کو کم کرنے کے لیے نماز کی حالت میں اس کے حضور دست بستہ حاضر ہو جانا بہت کافی ہے۔

---

[1] سنن دارمی ص۲۵۴ ج۱ سنن نسائی ص۸۱ ج۱ [2] ترمذی ص۳۷۶ مسند احمد ص ۳۰

Marfat.com

تکذیب اور اعراض

الغرض نہ تو اس نے نماز پڑھی اور نہ صدقہ کیا۔ کہ جس کی وجہ سے تعلق باللہ درست ہوتا۔ اور مخلوق خدا کے ساتھ بھی تعلق پیدا ہوتا بلکہ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى کیا یہ کہ رسول، قرآن پاک اور قیامت کی تکذیب کی۔ اور نماز پڑھنے کی بجائے منہ پھیر لیا۔ اعراض کر لیا۔ گویا رحمت خداوندی سے مزید دور ہو گیا۔

منکرین کی اکڑ

پھر کیا ہوا ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا یا انگڑائی لیتا ہوا گیا۔ مطاط ربڑ کو کہتے ہیں۔ جس کے کھینچنے سے تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے[1] اِذَا مَشَتْ اُمَّتِیْ الْمُطَيْطِيَا جب میری امت کے لوگ اکڑ والی چال چلیں گے۔ ابنائے فارس اور ابنائے روم ملوک اُن کی خدمت کرنے لگیں گے۔ اس وقت میری امت پر مصیبت اتر آئے گی یہ اکڑ والی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو عاجزی پسند ہے۔ اسی لیے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔ یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر وقار اور آہستگی سے چلتے ہیں۔ اکڑ والی چال نہیں چلتے۔ اگر اکڑ والی چال چلو گے تو اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ تمہارا سر آسمان سے نہیں ٹکرا جائے گا۔ بلکہ وہی پانچ چھ فٹ کے انسان رہو گے۔ نہ زمین پھٹ جائے گی اور نہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جاؤ گے۔

فرمایا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔ جیسا کہ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آیا ہے۔ اُسے تو شرم اور ندامت ہونی چاہیئے تھی کہ اس نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا۔ نماز پڑھنے اور اپنے مالک کے حضور حاضر ہونے کی بجائے اس نے الٹی اکڑ دکھائی۔ اور منہ موڑ کر سرکشی اور بدبختی پر اترا تا ہوا اپنے متعلقین کی طرف لوٹا۔

منکرین کی ہلاکت

ارشاد ہوتا ہے اَوْلٰى لَكَ ہلاکت ہے تیرے لیے فَاَوْلٰى پھر ہلاکت ہے۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى پھر ہلاکت ہے، پھر ہلاکت ہے، چار مرتبہ ذکر کیا۔ لفظ اَوْلٰى اگر ولی سے ہو، تو اس کا معنی ہے قریب ہونا۔ ساتھ لگنا تو اس کا پورا مطلب یہ ہوا اَوْلٰى اَلْهَلَاكُ لَكَ یعنی ہلاکت تیرے قریب ہو اور اگر اولیٰ کا مادہ وَیل ہے تو اس کا معنی تباہی اور بربادی ہو گا۔ گویا چار مرتبہ فرمایا تیرے لیے تباہی اور بربادی ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں۔ کہ لفظ ہلاکت کا چار مرتبہ دہرانا انسان کی چار کوتاہیوں کی وجہ سے ہے۔ کہ اولاً اس نے تصدیق نہ کی یا صدقہ خیرات نہ کیا۔ ثانیاً اُس نے

---

[1] ترمذی ص۳۲۹، موارد الظمآن ص۴۶۱

نماز نہ پڑھی، ثالثاً اس نے تکذیب کی اور رابعاً یہ کہ اُس نے اعراض کیا۔ اسی طرح اگر اولیٰ کا مادہ اَوْلٌ سے ہو تو اس کا معنیٰ "انجام" ہے۔ تو اس لحاظ سے بھی مطلب یہ ہوگا کہ تیرا انجام تباہی و بربادی ہے۔

قیامت کے روز لازماً باز پرس ہوگی

آگے اللہ تعالےٰ نے وقوعِ قیامت کے متعلق دو دلائل بھی اشارۃً بیان فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی کیا انسان گمان کرتا ہے۔ کہ اُسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا "سُدًی" کا معنیٰ مہمل اور بیکار ہے۔ مقصد یہ کہ کیا انسان پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی جائے گی اُس سے کوئی پرس نہیں ہوگی۔ اگر اُس کا خیال ایسا ہی ہے۔ تو یہ باطل خیال ہے۔ انسان کی فطرت، سرشت یا مزاج میں ملکیت اور بہیمیّت کی کشمکش پائی جاتی ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ انسان مکلف ہو۔ اور جو مکلف ہوگا اس کے ساتھ جزائے عمل کا ہونا لازمی ہے۔ تو مقصد یہ ہوا۔ کہ انسان کو مہمل نہیں چھوڑا جائے گا۔ اِسے قانون کا پابند بنایا جائے گا۔ اس پابندی کے بغیر انسان ترقی کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ آیا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ یا یوں ارشاد ہے لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی فلاں کام کرو۔ فلاں سے رُک جاؤ۔ اگر قانون کی پابندی نہیں کروگے تو حظیرۃ القدس یعنی پاک مقام کی طرف تمہارا قدم نہیں اٹھے گا۔ اور تم کامیابی کی منزل سے ہم کنار نہیں ہوسکوگے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عقل و شعور، قویٰ ظاہرہ و باطنہ اور دیگر تمام اسباب دے کر قانون کا پابند بنایا ہے۔ یہی پابندی انسان کے لیے ترقی کا زینہ ہے۔ اگر انسان پابندی نہیں کرے گا۔ تو تنزل کا شکار ہو جائے گا۔ ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے گا۔ جہنم میں پہنچ جائے گا۔ لہٰذا انسان کو مہمل نہیں بلکہ مکلف بنایا گیا ہے۔ اور اس کا محاسبہ ہوگا۔

انسانی کی تخلیق حقیر قطرۂ آب سے

وقوعِ قیامت کی دوسری دلیل اللہ تعالیٰ نے انسان کے مادۂ تخلیق کو بنایا ہے۔ انسان سمجھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہڈیوں اور اعضا کو دوبارہ جمع نہیں کریں گے مگر اس نے اعلان فرمادیا کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ انسان کے پور پور کو برابر کردیں۔ اس مرحلہ پر انسان کی توجہ اُس کی تخلیق کی طرف دلائی گئی۔ فرمایا اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً۔ کیا انسان ایک قطرۂ آب نہیں تھا۔ نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں، جس میں ملاوٹ نہ ہو۔ انسان کے نطفے میں بھی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے یہ خالص ہوتا ہے۔ فرمایا اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی کیا یہ منی کی ایک بوند

Marfat.com

نہیں تھی جسے رحم کے اندر ٹپکا دیا جاتا ہے۔ یعنی انسان ایک حقیر فضلے کی پیدائش نہیں ہے۔ جیسا کہ اگلی سورۃ میں آئے گا اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا تم کو ہم نے ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا ایسا ناپاک پانی کہ کپڑے کو لگ جائے تو وہ بھی ناپاک ہو جائے۔ نگاہ پڑے تو آدمی نفرت کرے۔

اطبا کہتے ہیں۔ کہ مادہ منویہ ہضم کا چوتھے درجے کا فضلہ ہے۔ جب کوئی آدمی غذا کھاتا ہے۔ تو پہلے معدے میں وہ کیلوس بنتا ہے۔ پھر آنتوں میں پہنچ کر کیموس بنتا ہے۔ وہاں سے چل کر جب جگر میں پہنچتا ہے تو خون بنتا ہے۔ جب ہر ہر عضو میں خون کی تقسیم ہوتی ہے۔ تو اُس عضو کا مطلوبہ مادہ بنتا ہے۔ چنانچہ خون جب اعضائے تناسل میں پہنچتا ہے تو مادہ منویہ بنتا ہے۔ یہ فضلہ کا چوتھا درجہ ہے۔ یہ ایسا عجیب وغریب مادہ ہے کہ سفید ہے مگر دودھ جیسا نہیں۔ کیونکہ دودھ ایک پاکیزہ چیز ہے اور نشوونما میں کام آتی ہے۔ یہ پھل سے مشابہ بھی نہیں کہ پھل درخت کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔ اور اگر اُسے درخت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تو زندگی سے بعید ہو جاتا ہے۔ جیسے اگر ٹہنی درخت سے کاٹ دی جائے تو وہ بے جان ہو کر سوکھ جاتی ہے۔ مگر اس مادہ منویہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے۔ کہ اپنے اصل سے کٹ کر بھی انسان جیسی اشرف المخلوقات چیز کی پیدائش کا سبب بنتا ہے

انسانی نشوونما کے مختلف مدارج

قطرۂ آب ٹپکائے جانے کے بعد کیا ہوا۔ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً پھر وہ لہو کے ایک ٹکڑے میں تبدیل ہوا۔ چالیس دن تک یہ قطرہ آب اسی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے بعد تبدیلی شروع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو خون کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں۔ مزید چالیس دن کے بعد اسے گوشت میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اگلے چلے میں اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور انسانی ڈھانچہ بخشا جاتا ہے۔ اس طرح جب چار چلے پورے ہو جاتے ہیں۔ تو اُدھر سے روح آسمانی آجاتی ہے۔ جو روح حیوانی سے ملکر پورا انسان بنتا ہے۔ اسی لیے فرمایا ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً وہ جما ہوا خون تھا۔ فَخَلَقَ پس خدا نے اُس کو پیدا کیا فَسَوّٰى اور ٹھیک ٹھاک بنایا۔ اس کے تمام ظاہری و باطنی اعضاء کمال درجے کے بنائے۔ پھر اس حقیر قطرۂ آب سے پیدا کئے ہوئے انسان سے اللہ تعالےٰ نے نر اور مادہ کا جوڑا بنا دیا فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى۔

یہ جنسی تفریق کس طرح ہوتی ہے۔ بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر بھی حیران ہیں۔ کہ یہ کیسے ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی توجیہہ بیان نہیں کر سکتے۔ مگر یہ اللہ تعالےٰ کی کمال حکمت ہے۔ کہ ایک مرحلہ

Marfat.com

ایسا آتا ہے۔ جب بچے کو نر یا مادہ بنا دیا جاتا ہے۔ فرمایا وہ ذات خداوندی جس نے انسان کو قطرہ آب سے تبدیلیاں اور پلٹیاں دے کر پیدا کیا۔ اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی کو کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر دے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا۔ کہ جو خداوند کریم ایک حقیر قطرۂ آب سے انسان جیسی عظیم مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔ اُس کے لیے یہ کون سی بعید بات ہے۔ کہ وہ مرنے کے بعد انسان کو پھر وہی شکل و صورت دے دے۔ اللہ تعالیٰ پر نہ پہلی تخلیق دشوار تھی، نہ قیامت کو دوبارہ جلا اٹھانا بعید ہوگا۔

مقامِ غور و فکر

اِن دلائل سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ کہ انسان کو اپنی ابتدائی تخلیق پر غور کرنا چاہیئے۔ ایسا کرے گا تو اُسے ایک طرف خدا تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آئے گی۔ اور دوسری طرف قیامت کے وجود کا انکار نہیں کر سکے گا۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے۔ کہ تلاوت قرآن پاک کے وقت جب انسان اس مقام پر پہنچیں، تو کہیں سُبْحَانَکَ فَبَلٰی یعنی اے پروردگار! تو پاک ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ بے شک تو اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے۔ صرف بَلٰی کہہ دینا بھی کافی ہے۔ سورۃ قیامت کی یہ آخری آیت خواہ نماز کے دوران پڑھی جائے یا بغیر نماز کے سُبْحَانَکَ فَبَلٰی کہنا چاہیئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں[2]۔ کہ اگر نماز کے دوران کہے تو آہستہ سے کہے، زور سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ سورۃ ملک کے آخر میں اَللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہے۔ اور جیسا کہ اگلی سورۃ آرہی ہے۔ اس میں بھی جب یہ آیت پڑھی جائے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ تو کہنا چاہیے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ۔

---

[1] درمنثور ص۲۹۶ ج۶ ابن کثیر ص۴۵۲ ج۴ [2] تفسیر عزیزی ص۲۵۶ پارہ ۲۹

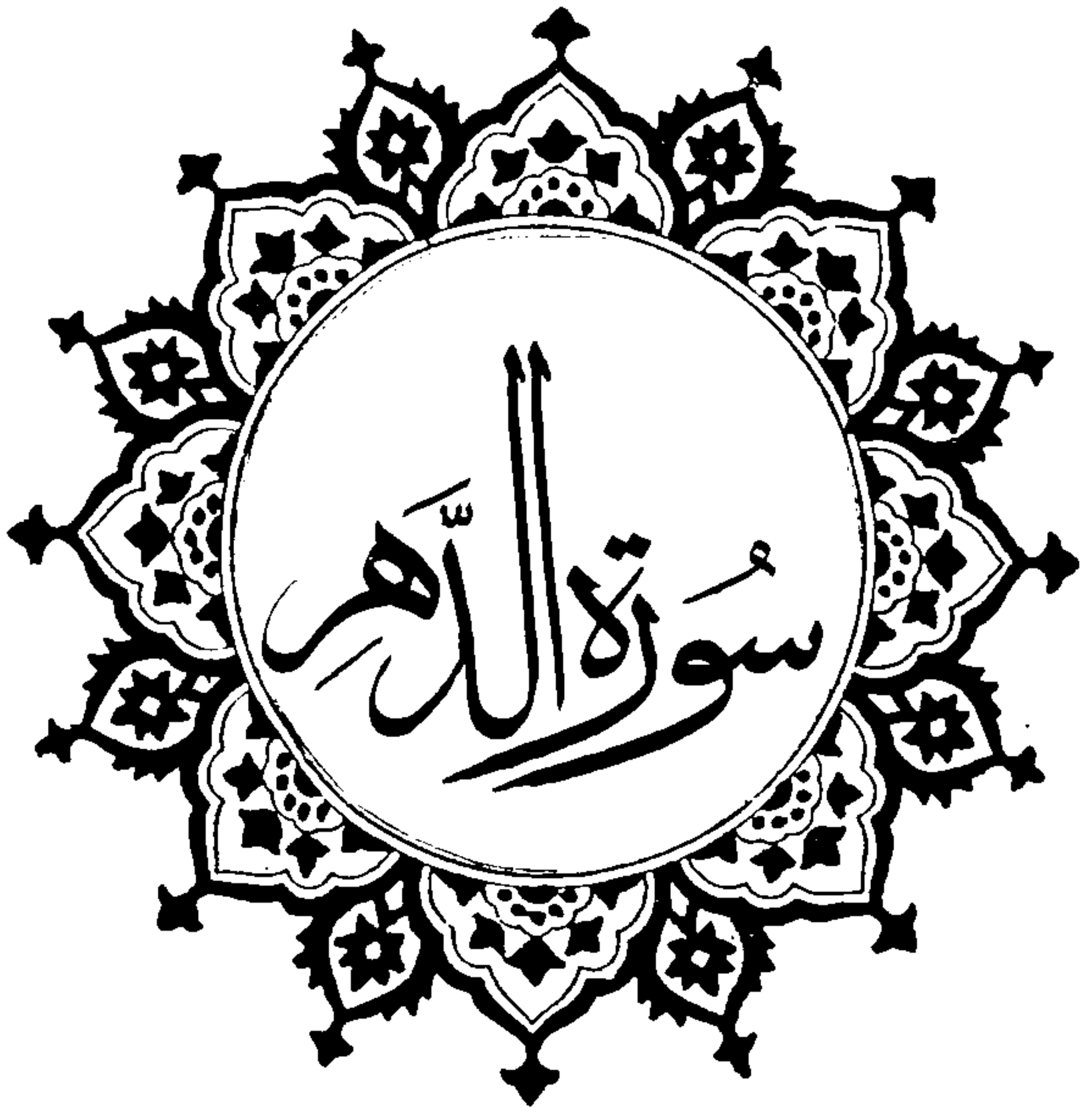

Marfat.com

تبٰرک الذی ۲۹ — الدّھر ۷۶

درسِ اوّل — (آیت ۱ تا ۶)

سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی وَثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ

سورۃ دھر مکی ہے اور یہ اکتیس ۳۱ آیات اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالےٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۶﴾

ترجمہ: تحقیق آیا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں سے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ﴿۱﴾ بے شک ہم نے انسان کو ایک ملے جلے قطرۂ آب سے پیدا کیا ہم نے اس کو آزمانا ہے پس ہم نے انسان کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا ﴿۲﴾ بے شک ہم نے اسے (ٹھیک) راستے کی طرف ہدایت دی، چاہے تو وہ شکر گذار بن جائے چاہے ناشکر گذار ہو جائے ﴿۳﴾ بے شک ہم نے تیار کر رکھی ہیں کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ ﴿۴﴾ بے شک ابرار پئیں گے ایسے پیالے سے جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی ﴿۵﴾ یہ ایک چشمہ ہے اس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اللہ کے وہ بندے (اپنی مرضی سے جہاں چاہینگے) اس چشمہ کو چلا لینگے ﴿۶﴾

وجہ تسمیہ اس سورۃ کا نام سورۃ الدھر ہے۔ دھر زمانے کو کہتے ہیں، اس کی پہلی آیت میں زمانے کا ذکر ہے۔ اسی سے اس سورۃ کا نام سورۃ الدھر ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں[1]۔ کہ اس سورت

---

[1] روح المعانی ص ۱۵۰ ج ۲۹، تفسیر عزیزی ص ۲۵۶ پارہ ۲۹)

Marfat.com

کے متعدد نام ہیں۔ دہر کے علاوہ سورۃ هَلْ اَتٰی جو کہ اس سورۃ کے پہلے لفظ سے موسوم ہے اس کا نام سورۃ امشاج بھی آتا ہے۔ جو کہ دوسری آیت میں مذکور ہے، نیز سورۃ انسان بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کی تخلیق کا ذکر ہے۔

کوائف

اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق مفسرین کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے[1]۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ بعض دوسرے فرماتے ہیں۔ کہ یہ مکی سورۃ ہے، ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ پہلا رکوع مکی زندگی میں نازل ہوا، اور دوسرا مدنی زندگی میں۔ تاہم اکثر مفسرین کے مطابق یہ سورۃ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی اکتیس ۳۱ آیات دو ۲ رکوع، دو سو چالیس ۲۴۰ الفاظ ہیں اور یہ ایک ہزار چون ۱۰۵۴ حروف پر مشتمل ہے۔

موضوع اور پہلی سورۃ کے ساتھ ربط

اس سورۃ مبارکہ کا موضوع پہلی سورۃ قیامت کے ساتھ ملتا ہے۔ پہلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ تو اس سورۃ کا بھی زیادہ تر حصہ قیامت سے متعلق ہے۔ البتہ پہلی سورۃ میں جو بات اجمال کے ساتھ بیان ہوئی، اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس سورۃ میں قیامت کے ذکر کے ساتھ دو گروہوں یعنی شکر گزار اور ناشکر گزار کے انجام سے متعلق تفصیل بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس سورۃ کا موضوع (SUBJECT) ابرار اور اشرار کا انجام ہے۔

پہلی سورۃ میں ابتدائے قیامت کا حال تفصیل سے بیان کیا گیا تھا اُس سورۃ میں تھا فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ یعنی جب قیامت کا وقوع عمل میں آئے گا، تو آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے، ایک عظیم ہنگامہ ہوگا اور پھر یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ اَیْنَ الْمَفَرُّ انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ یہ گویا ابتدائے قیامت کا حال تھا۔ اس سورۃ میں وقوع قیامت کے آخر میں اشرار اور ابرار کا جو انجام ہوگا، اس کی تفصیل ہے۔ اشرار اپنے مرکز یعنی جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ اور ابرار اپنے مقام جنت میں پہنچیں گے، جو رحمت کا مقام ہے۔ وہاں پر اُن کو حاصل ہونے

---

[1] دیکھئے روح المعانی ص ۱۵۰ ج ۲۹

Marfat.com

والے انعام واکرام کا ذکر ہے۔

پہلی سورۃ میں بھی انسان کی تخلیق کا ذکر تھا۔ کہ دیکھو! انسان کو اللہ تعالےٰ نے قطرۂ آب سے پیدا کیا۔ نر اور مادہ بنائے۔ اس کے باوجود اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی کیا انسان گمان کرتا ہے۔ کہ اُسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ اُس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اور دنیا میں اُس کو مکلف نہیں بنایا جائے گا۔ آخرت میں اِس سے کوئی سوال وجواب نہیں ہوگا۔ انسان کا یہ گمان غلط ہے۔ یہاں بھی انسان کی تخلیق کے ذکر کے بعد فرمایا نَبْتَلِیْهِ ہم اُن کو آزمائش میں ڈالتے ہیں وہاں تھا مہمل نہیں چھوڑا جائے گا، اور یہاں ہے۔ کہ آزمائش میں ڈالا جائے گا۔

پہلی سورۃ میں ابرار کے متعلق تھا وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اُس دِن بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ اور یہاں یہ ہے۔ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا یعنی ہم انہیں تر و تازگی اور سرور عطا کریں۔

پہلی سورۃ میں فضائل قرآن پاک کے متعلق تھا اِنَّا عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ یعنی قرآن پاک کا جمع اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ اور اس سورۃ کے آخر میں بھی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا۔ یعنی قرآن پاک ہم نے ہی آپ پر نازل کیا۔ الغرض ان دونوں سورتوں میں مذکورہ مضامین میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ تاہم زیادہ تر ذکر قیامت کا ہی ہے۔

فضیلت سورۃ

اس سورۃ کی فضیلت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت[1] ہے کہ جمعہ کے دِن حضور علیہ السلام سورۃ دہر اور سورۃ سجدہ فجر کی نماز میں تلاوت فرماتے تھے۔ اس ضمن میں سورۃ ص کا ذکر بھی آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں جو شخص ان سورتوں کو جمعہ کے روز صبح کی نماز میں پڑھے گا۔ تو اُس کو زیادہ اجر ملے گا۔ ایک اور روایت میں[2] ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور بھی کئی حضرات پاس بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک سیاہ رنگ کا آدمی تھا۔ جب نبی علیہ السلام نے اس سورۃ میں واقع جنت کا حال تلاوت فرمایا تو اُس سیاہ رنگ کے حبشی نے زور سے ایک ہچکی لی اور اُس کا دم نکل

---

[1] مسلم ص ۲۸۸ ج ۱ ترمذی ص ۱۰۱ بخاری ص ۱۲۲ ج ۱ [2] روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۲۹ ابن کثیر ص ۴۵۳ ج ۴ درمنثور ص ۲۹۷ ج ۶

Marfat.com

گیا حضور علیہ السلام نے فرمایا اَخْرَجَ نَفْسَ صَاحِبِکُمُ الشَّوْقُ اِلَی الْجَنَّۃِ یعنی تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی۔ حدیث کے ایک راوی صالح المریؒ قاضی[1] ہیں جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ تو اس میں اس قدر جذب ہوتا تھا۔ کہ انسانوں پر دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ (یہاں تک کہ بعض آدمی ہلاک ہو جاتے)

الغرض سورۃ دہر، سورۃ انسان، سورۃ ھل اتٰی اور سورۃ امشاج سب اسی سورۃ کے اسمائے مبارکہ ہیں۔

انسان کی حیثیت

سورۃ کی ابتداء لفظ ھَلْ سے ہوئی ہے۔ یہ ھل استفہام کے لیے بھی آتا ہے۔ اور تحقیق کے لیے بھی۔ ھَلْ اَتٰی یعنی قَدْ اَتٰی تحقیق آیا ہے عَلَی الْاِنْسَانِ انسان پر حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ ایک وقت زمانے میں سے لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا کہ انسان کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ انسان سے مراد خاص انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام بھی لیا جا سکتا ہے کہ آپ تمام بنی نوع انسان کے جد امجد ہیں۔ اور انسان سے مراد عام انسان بھی ہیں۔ کہ یقیناً ہر انسان پر ایک ایسا دور آیا ہے جب یہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ کیونکہ موجودہ نسل انسانی تو بعد میں شروع ہونے والا سلسلہ ہے اس سے پہلے انسان کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ نہ ان کے خاندان تھے، نہ ان کے سلسلے تھے اور نہ یہ مکانات تھے۔ اگر کچھ ہوتا تو باقی مخلوق کے ذہن میں ان کا کچھ وجود ہوتا، وہ بھی جانتے۔ مگر یہ انسان کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بلکہ معدوم تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں تخلیق انسان کا ہی ذکر فرمایا ہے پھر انسان کو مکلف بنانے کا ذکر ہے۔ کہ اسے قوانین و شرائع کا پابند بنایا۔

اس کے بعد فرمایا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ ہم نے انسان کو پانی کی ایک ایسی بوند سے پیدا کیا جو ملا جلا ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ امشاج، مَشِیْج کی جمع ہے۔ جس کا معنیٰ خلط ملط ہونا ہے۔ نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں۔ چونکہ انسان کی تخلیق میں مرد اور عورت کا پانی ملا جلا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے نُطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ فرمایا۔ کہ اس سے انسان کو پیدا کیا۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں[2]۔ کہ امشاج کا لفظ مفرد ہے۔ اس کی کوئی جمع نہیں ہوتی۔ جیسے

---

[1] نووی شرح مسلم ص۱۷۰ ج۱ [2] تفسیر کشاف ص۶۶۶ ج۴

Marfat.com

لفظِ قوم مفرد ہے مگر جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ امشاج بھی مفرد ہونے کے باوجود جمع کے معنوں میں مستعمل ہے۔ گویا امشاج کا ایک معنیٰ تو یہ ہوا۔ کہ اس میں مرد اور عورت کا مادہ تولید ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور دوسرا معنیٰ یہ کہ اس پانی میں وہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں۔ جو انسانی جسم میں موجود ہوتے ہیں۔

انسانی جسم کے عناصر

یونانی فلسفیوں کے ایک گروہ کا خیال تھا۔ کہ انسان چار عناصر آگ، پانی، ہوا اور مٹی سے مرکب ہے۔ بعض نے پانچ اور بعض نے سات عناصر بتائے۔ تاہم چار عناصر زیادہ مشہور ہوئے۔ موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ سائنس دانوں کا تجزیہ یہ ہے کہ انسانی جسم کے عناصر چار یا سات نہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں۔ اب تک ایک سو دس سے زیادہ عناصر تجربہ گاہوں میں دریافت ہو چکے ہیں۔ عنصر ایک بسیط چیز ہے۔ خارجی دنیا کے تمام عناصر جن میں آکسیجن، ہائیڈروجن، نائیٹروجن، گولڈ، سلور، سلیکا۔ (ریت) وغیرہ انسانی جسم میں پائی جاتی ہیں۔ انسان کی تخلیق باقی تمام مخلوق سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ جنات کی تخلیق میں صرف دو عناصر آگ اور ہوا شامل ہیں۔ جب کہ ملائکہ کے وجود میں صرف ایک عنصر ہے۔ اسی طرح کسی مخلوق میں تین عناصر پائے جاتے ہیں۔ مگر انسان ایک واحد مخلوق ہے۔ جس کے جسم میں تمام خارجی عناصر پائے جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا[1] کہ اللہ تعالےٰ نے تمام سطح ارض کی مٹی اکٹھی کر کے اس سے آدم علیہ السلام کا خمیر بنایا۔ چونکہ مختلف جگہ کی مٹی مختلف ہے کہیں ریت والی ہے، کہیں چکنی ہے، کہیں کھردری، کہیں سیاہ ہے، کہیں سُرخ ہے۔ اسی لیے نسلِ انسانی کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ بعض لوگ سخت مزاج ہیں۔ بعض نرم اخلاق والے ہیں۔ بعض گورے ہیں۔ بعض کالے ہیں۔ غرض تخلیق انسانی میں اُن تمام عناصر کا اثر موجود ہے۔ جو اس میں شریک ہیں۔ اسی طرح مختلف لوگوں کی صفات، ان کی صلاحیتیں اور قوتیں وغیرہ بھی مختلف ہیں۔ یہ سب مختلف عناصر کی وجہ سے ہے۔

مقصد تخلیق انسانی

جیسا کہ بیان ہوا، انسان کی تخلیق کا مقصد نَبْتَلِیْہِ یعنی اس کو آزمانا ہے۔ اُسے امتحان

---

[1] ابوداؤد ص ۲۸۸ ج ۲ باب القدر

Marfat.com

میں ڈالنا ہے ۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم انسان کو خیر و شر کے ذریعے آزماتے ہیں۔ انسان کی پیدائش کا تقاضا ہے۔ کہ اسے امتحان میں ڈالا جائے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی کے اچھے یا بُرے اعمال کی جزا یا سزا حاصل کر سکے۔ آگے فرمایا فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا کہ ہم نے انسان کو سننے اور دیکھنے والا بنایا یعنی اس کو قوائے سماعت و بصارت سے نوازا، فہم و بصیرت عطا کی تاکہ وہ اس بات پر غور کرے کہ انسان کی پیدائش کس حقیر قطرۂ آب سے ہے۔ دوسری جگہ فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ یعنی ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔ ایسی امتیازی اور حسین صورت جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی اور پھر اسے سمیع اور بصیر بنایا۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسی حسین و جمیل شکل و صورت اور عقل و شعور جیسی صفات سے موصوف انسان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى۔ نہیں بلکہ ہم اپنی عطا کردہ نعمتوں کا حساب لیں گے۔ اور اسے آزمائش میں ڈالیں گے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ نَبْتَلِيْهِ سے مراد آزمائش نہیں۔ بلکہ پلٹیاں دینا ہے شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ کہ ہم نے ملے جلے قطرہ آب کو پلٹیاں دے دے کر اس سے سمیع و بصیر ہستی کو پیدا کیا۔ کہتے ہیں۔ کہ انسانی جسم میں روح الٰہی پھونکے جانے تک کے عرصہ میں انسان چالیس مراحل سے گزرتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اُسے عظیم انسانی ہستی میں ظاہر کرتا ہے۔ یہ تو اُس کا مادی پہلو ہے۔ جہاں تک روحانی پہلو کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمہ صفت موصوف بنایا۔ اس میں وہ تمام صفات و کمالات رکھ دیے جو انسان کے لیے باعث فخر اور اس کی نجات کا ذریعہ ہیں۔ اگر وہ ان اوصاف حمیدہ سے فائدہ اٹھا کر اس جسم کو انسانیت کے کمال تک پہنچاتا ہے۔ تو یقیناً انسان کہلانے کا حقدار ہے۔ اور اگر وہ ان اخلاق حسنہ سے اعراض کر کے اخلاق رذیلہ کو اختیار کرتا ہے۔ تو پھر یقیناً وہ خسارے میں ہے۔

بعض احادیث[2] میں آتا ہے۔ کہ جب یہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے پڑھی گئی لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا یعنی انسان کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا تو آپ فرمانے لگے لَيْتَهَا تَمَّتْ کاش

---

[1] تفسیر کشاف ص ۲۶۶ ج ۴ درمنثور ص ۲۹۸ ج ۲ روح المعانی ص ۱۵۲ ج ۲۹ [2] روح المعانی ص ۲۵۲ ج ۲۹ درمنثور ص ۲۹۷ ج ۶

Marfat.com

کہ یہی صورت حال رہتی یعنی ہم عدم سے وجود میں نہ ہی آتے کیونکہ ہوسکتا ہے۔ کہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہوسکیں۔ اس لیے لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا والی حالت میں ہی رہتے تو اچھا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے منقول ہے۔ کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ایک تنکا لے کر فرمایا کاش کہ میں یہ تنکا ہوتا یا گھاس کا ایک ادنیٰ پتہ ہوتا۔ تاکہ آزمائش سے بچ جاتا۔ بحیثیت انسان شاید ہم اپنے فرائض کو ادا نہ کرسکیں۔ اگر مقصدِ تخلیق کو پورا نہ کرسکے تو سخت مشکل میں پڑ جائیں گے۔ میر تقی میرؔ نے بھی کہا ہے۔

خوشا حال اُس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے

الغرض! رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو ملے جلے قطرۂ آب سے پلٹیاں دے دے کر پیدا کیا اور پھر اسے سمیع و بصیر بنایا تاکہ ہم اس کی آزمائش کریں۔ اس پر قانون کی پابندی لازم قرار دی تاکہ اس کے نتائج اس کے سامنے آئیں۔

انسان کے لیے ہدایت کی فراہمی

تخلیق انسانی کے مختلف مدارج بیان فرمائے۔ اور اُسے سمیع و بصیر کے بلند مرتبے تک پہنچانے کے بعد فرمایا اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ ہم نے اُسے (ٹھیک) ——— راستے کی طرف ہدایت دی یا اُسے راستہ سمجھا دیا۔ لہٰذا اب انسان کا کام یہ ہے۔ کہ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۔ چاہے تو وہ شکر گذار بن جائے، چاہے تو ناشکر گزار ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں خواہ ابرار کی صف میں شامل ہو جائے یا اشرار کی صف میں۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے۔ اگر صحیح راستے پر چلے گا تو شکر گذار بن کر ابرار میں داخل ہو جائے گا۔ اگر اس راستے سے روگردانی کرے گا۔ تو ناشکر گزاروں میں شامل ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا اِنَّا هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ہم نے انسان کو خیر و شر کی دو گھاٹیاں یا دو راستے سمجھا دیئے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے[1]۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ حضرت کعبؓ بن عجرہ سے فرمایا کہ اے کعب اللہ تعالیٰ تمہیں بے وقوفوں یعنی سفہا کی حکومت سے بچائے۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! سفہا کی حکومت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جو

---

[1] کنز العمال ص۳۶ ج۶ ۲۷ موارد الظمآن ص۳۷۸، تفسیر ابن کثیر ص۴۵۳ ج۴

Marfat.com

میری ہدایت کو اختیار نہیں کریں گے۔ اور میری سنت کو نہیں پکڑیں گے۔ ظلم و زیادتی کریں گے۔ فرمایا۔ جس شخص نے ایسے لوگوں کے ظلم پر اُن کی اعانت کی، اُن کے جھوٹ کو سچ سمجھا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اور میرے حوض پر نہیں آئے گا۔ اور جس نے اُن کی تصدیق نہ کی، اعانت نہ کی، وہ مجھ سے ہے۔ اور میرے حوض پر آئے گا۔ پھر فرمایا اے کعب! یاد رکھو اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ روزہ ایک ڈھال ہے۔ یعنی دنیا میں گناہوں کے سامنے ڈھال کی مانند ہے جس کی وجہ سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے ——————— اور صدقہ غلطیوں کو مٹاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جسطرح پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ پھر فرمایا وَالصَّلٰوةُ قُرْبَانٌ ایک روایت میں قربان[1] کا لفظ آتا ہے۔ اور دوسری میں برہان[2] آتا ہے۔ یعنی نماز مومن کے ایماندار ہونے کی دلیل ہے۔ یا برزخ اور آخرت میں کامیابی کی دلیل ہے۔ قُرْبَانٌ سے مراد تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یعنی اسکی کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ اے کعب! یاد رکھو کُلُّ لَحْمٍ وَدَمٍ نَبَتَا مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِهٖ۔ جو جسم مال حرام سے پلتا ہے، دوزخ کی آگ اس کے ساتھ زیادہ حقدار ہے مقصد یہ کہ مال حرام سے پرورش پانے والا جسم دوزخ میں جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر فرمایا اے کعب! یاد رکھو ہر انسان صبح کرتا ہے۔ اور اپنے نفس کو بیچتا ہے۔ اور بیچنے کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ اگر اس نے ایمان اور نیکی کو خریدا تو فلاح میں چلا گیا۔ اور اگر اُس نے بُرائی، کفر، شرک اور غلطیوں کو خریدا تو وہ ناکامی کی طرف چلا گیا اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا کا یہ مطلب ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں[3] آتا ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آدمی جو روزمرہ اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ وہ دو جھنڈوں میں سے کسی ایک کے نیچے ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور پسندیدہ کاموں میں لگاتا ہے۔ تو دروازے سے نکلنے کے بعد ایک فرشتہ جھنڈا لیے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ کے فرشتے کے جھنڈے میں چلا جاتا ہے اور اگر وہ شخص اپنے آپ کو خدا کی نامرضیات اور ناپسندیدہ کاموں میں لگاتا ہے۔ تو شیطان بھی جھنڈا لیے دروازے میں کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ شیطان کے جھنڈے

---

[1] مجمع الزوائد [2] کنز العمال [3] ابن کثیر ص ۴۵۳ ج ۴

Marfat.com

کے نیچے چلا جاتا ہے۔ غرض ہر انسان یا تو شکر گزار ہوگا یا ناشکر گزار۔

اشرار کا انجام

اب آگے انجام کا ذکر ہے۔ جو پہلی سورۃ کا موضوع ہے۔ فرمایا۔ یاد رکھو! اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۔ بے شک ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ سلاسل یعنی زنجیریں جن کی تفصیل پچھلی سورتوں میں آچکی ہے ستر ستر گز لمبی زنجیریں ہوں گی۔ بڑی بڑی آہنی زنجیریں جن کے ساتھ جکڑ کر جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔ نیز فرمایا وَاَغْلٰلًا اور گلے میں طوق ہوں گے جب کہ ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ اور اُدھر سَعِيْرًا بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔ جس میں انہیں ڈالا جائے گا۔ یہ ہے اشرار کا انجام۔ جو کہ اجمال کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابرار کیلیے انعامات

اب ابرار کا ذکر ذرا تفصیل سے ہوتا ہے۔ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ یہ ابرار بَرّ کی جمع ہے بے شک نیک شخص وہ ہوگا جو اچھے کاموں کے ساتھ موسوم ہوگا۔ جس میں توحید اور ایمان ہوگا اور جس کا عقیدہ درست ہوگا۔ اعمال صالحہ انجام دیتا ہو اور مرضیات الٰہی پر چلنے والا ہو۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں[1]۔ ابرار ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جو اپنے نفس کے حقوق، مخلوق کے حقوق اور اپنے خالق کے حقوق ادا کرتے ہوں۔ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ بے شک ابرار پئیں گے ایسے پیالے سے كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں رنج و الم برداشت کرتے رہے، تکلیفیں جھیلتے رہے، خدا کی توحید، اس کی محبت اور ایمان کو سینوں سے لگائے رکھا، آخرت میں ان کا یہ انجام ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو شراب طہور کے جام پلائیں گے۔ اس دنیا میں بھی جو لوگ شراب پیتے ہیں، اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس شفاف پانی یا خوشبو وغیرہ ملا کر اسے شراب ریحانی بناتے ہیں۔ مگر آخرت کی شراب تو پاک ہوگی۔ اس میں سرور پیدا کرنے کے لیے کافور ملائی جائیں گی یہ دنیا والی ٹھنڈی کافور نہیں بلکہ کوئی اعلیٰ درجے کی کافور ہوگی۔ یہاں صرف اس کی مثال بیان کی گئی ہے۔

آگے کافور کی تفصیل بتائی کہ یہ کیا ہے۔ فرمایا۔ عَيْنًا یہ ایک چشمہ ہے يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ اس سے اللہ کے بندے پئیں گے۔ وہ بہت ہی اعلیٰ مرتبے والا ہوگا۔ اور اعلیٰ درجے کا سرور والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اسی کافور کے چشمہ سے پانی پلائیں گے۔ اور جو ابرار ہوں گے ان کے شراب طہور میں بھی یہ کافور ملی ہوئی ہوگی۔ تاکہ لطف دوبالا ہو جائے

[1] تفسیر عزیزی ص ۲۶۲، ۲۶۳ پ ۲۹

اور سرور حاصل ہو جائے۔ البتہ اللہ کے خاص بندے جو اس کافور کے چشمہ سے پئیں گے اُن کا تو کیا ہی کہنا۔ وہ تو بڑے عالی مرتبت ہوں گے۔ اور پھر کیا ہوگا یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا وہ اللہ کے بندے اس چشمہ کو چلائیں گے۔ دراصل وہ چشمہ کیا ہوگا شراب طہور کی نہریں ہوں گی۔ جیسا کہ سورۃ قتال میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور امام سیوطیؒ نے درمنثور[1] میں بھی بیان کیا ہے۔ کہ جنت کی نہروں کا حال عجیب و غریب ہوگا۔ جو آج انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ایک تو یہ بات ہے کہ جنت کی نہریں سطح ارضی پہ چلیں گی، مگر پانی میں گڑبڑ نہیں ہوگی۔ دوسری یہ کہ اہلِ جنت کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیاں ہونگی، اور مومن جس طرف اشارہ کرے گا، نہر اُسی طرف رُخ پھیر لے گی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں[2]۔ کہ یہاں جس نہر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا منبع حضور علیہ السلام کا قصرِ مبارک ہوگا ——— آپ کا محل ہوگا جس سے یہ چشمے نکل کر مومنوں کے گھروں میں پہنچیں گے۔ مومن جس طرف چاہے گا، نہر اسی طرف مڑ جائے گی۔ جیسا کہ سورۃ قتال میں فرمایا۔ کہ یہ ایسا پانی ہوگا جو گلنے سڑنے والا نہ ہوگا۔ یہ دودھ اور عسل مصفا کی نہریں ہوں گی۔ اور ابرار کے اشارے پہ یہ نہریں رُخ بدل لیں گی۔

اشرار اور ابرار کے انجام کے بعد آگے ابرار کی بعض صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ کون لوگ ہیں۔

---

[1] درمنثور ص ۲۹۸ ج ۶، روح المعانی ص ۱۵۵ ج ۲۹ [2] روح المعانی ص ۱۵۵ ج ۲۹)

Marfat.com

درس دوم (آیت ۷ تا ۱۲)

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾ وَيُطْعِمُوْنَ
الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ
لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ
مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ
الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً
وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ:- وہ اپنی نذر پورا کرتے ہیں اور وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہوگی ﴿۷﴾ وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم، اور قیدی کو ﴿۸﴾ (اور وہ کہتے ہیں) بے شک ہم جو کھانا تم کو کھلاتے ہیں یہ محض اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلہ مانگتے ہیں اور نہ شکریے کے طالب ہیں ﴿۹﴾ ہم اپنے رب سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بڑا ترش رو اور سخت ہوگا ﴿۱۰﴾ پس بچالے گا اللہ تعالےٰ اُن کو اس دن کے شر سے اور دے گا ان کو تروتازگی اور خوشی ﴿۱۱﴾ اور ان کے صبر کی ان کے لیے جزا ہوگی جنت اور ریشمی لباس ﴿۱۲﴾

گذشتہ سے پیوستہ

سورۃ دہر کی پہلی آیات میں انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد ابرار اور اشرار کا انجام بیان کیا ہے۔ اس سے پہلی سورۃ میں بھی دونوں گروہوں کا ذکر ہے۔ مگر وہاں زیادہ تفصیل نہیں ہے۔ تاہم اِس سورۃ میں ابرار کے انجام کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ یعنی جب ابرار اللہ تعالےٰ کے ہاں پہنچیں گے، تو وہاں اُن کو کیا کیا انعامات ملیں گے اس سے پہلے ایک ہی آیت میں اشرار کا ذکر اجمالاً کیا ہے۔

پہلے درس میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ ابرار کے متعلق فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔ یعنی ابرار اُس پیالے سے پئیں گے۔ جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی یہ دنیا والی ٹھنڈی اور خوشبودار کافور نہیں بلکہ فرمایا کہ کافور جنت میں چشمہ ہے۔ جس کا پانی اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کے خاص الخاص بندے پیئیں گے۔ تاہم ابرار کو بھی اس کا کچھ حصہ ضرور نصیب ہوگا۔ جس سے اُنکی خوشی دوبالا ہو جائے گی۔ یہی نہیں بلکہ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ابرار کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی، وہ جدھر اشارہ کریں گے، چشمے کا پانی اُسی طرف بہنے لگے گا۔

ابرار کی صفات

اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے ابرار کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ اور ان انعامات کا ذکر کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کو ملنے والے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں اُن کی چند ایک علامات بیان کی ہیں۔ پہلے نمبر پر فرمایا۔ کہ ابرار کی نشانی یہ ہے کہ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ یعنی وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا وہ اُس دِن سے ڈرتے ہیں جس دن کی برائی پھیلی ہوئی ہوگی۔ تیسری علامت یہ بیان کی۔ کہ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ وہ کھانا کھلاتے ہیں عَلٰى حُبِّهٖ اس کی محبت پر مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ چوتھی صفت ابرار کی یہ بیان کی کہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ کہ ہم کھانا جو کھلاتے ہیں یہ محض اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ہم نہ تم سے بدلہ مانگتے ہیں۔ اور نہ شکریہ کے طالب ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا ہم اپنے رب سے اُس دِن سے ڈرتے ہیں جو عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا بڑا ترش رو اور سخت دِن ہوگا۔ ہمیں اُس دِن کا خطرہ لاحق ہے۔ کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت میں نہ آجائیں۔ تو بہرحال اللہ تعالےٰ نے ابرار کی یہ صفات بیان کی ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔

نذر کا معنیٰ

پہلی صفت نذر کو پورا کرنے سے متعلق ہے۔ نذر منت کو کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا کام انسان خود اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ جو شریعت یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر فرض یا واجب نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کہتا ہے۔ کہ اگر میرے فلاں بیمار کو شفا ہوگی تو میں اللہ تعالےٰ کے لیے ایک بکرا یا گائے ذبح کروں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضروری نہیں تھا۔ مگر اُس شخص نے خود اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اسے نذر یا منت کہتے ہیں۔ اور اس کا پورا کرنا اصل کام کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ مثلاً اگر بیمار شفایاب ہوگیا، تو بکرا یا گائے ذبح کرنا واجب ہو گیا۔ نذر سے متعلق احادیث میں تفصیلات موجود ہیں۔ نذر جائز بھی ہوتی ہے۔ اور ناجائز بھی، صحیح بھی ہوتی ہے، اور غلط بھی حلال بھی حرام بھی۔ فقہائے کرام نے اس کی تفصیلات فقہ

Marfat.com

کی کتابوں میں بیان کی ہیں۔

نذر کا مسئلہ

نذر یا منت کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک[1] ہے لَا تَنْذِرُوْا نذر نہ مانا کرو۔ کیونکہ اِنَّ النَّذْرَ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْقَدَرِ شَیْئًا یعنی نذر اللہ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو نہیں روکتی۔ وَاِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِیْلِ اور اس نذر کے ذریعے بخیل آدمی سے مال نکالا جاتا ہے، اکثر کنجوس لوگ ہی منت مانا کرتے ہیں۔ کوئی مقدمہ پیدا ہو گیا یا کوئی بیماری آگئی یا کوئی اور حادثہ پیش آگیا تو گھبرا کر منت مانتے ہیں۔ تو اس طرح اللہ تعالےٰ بخیل سے مال نکالتے ہیں۔ ویسے یہ پسندیدہ فعل نہیں کیونکہ یہ سودے بازی بن جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ کام کریں تو ہم اُس کی رضا کے لیے فلاں عبادت کریں گے۔ یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی عبادت خالص اُس کے لیے بغیر معاوضہ کے کرنی چاہیئے۔ تاہم اگر کوئی شخص منت مان ہی لیتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2]۔ مَنْ نَّذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰهَ فَلْیُطِعْهُ جس نے منت مانی ہے۔ کہ وہ اطاعت کرے گا، تو اُس کو وہ جائز کام انجام دینا چاہیئے۔ جائز نذر کو پورا کرنا چاہیئے۔ پھر فرمایا وَمَنْ نَّذَرَ اَنْ یَّعْصِیَهٗ اور جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا یعنی ناجائز منت مانی فَلَا یَعْصِهٖ تو اس کو نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے۔ یعنی اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیئے توڑ دینا چاہیئے۔ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔ اور اس نذر کے بدلے وہی کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔ جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے

ناجائز اور حرام منت

اِس زمانے میں اکثر لوگ ناجائز اور حرام منت مانتے ہیں۔ مثلاً اگر فلاں کام ہو گیا، تو ہم داتا صاحب کی قبر پہ چادر چڑھائیں گے۔ یا وہاں دیگ دیں گے یا بکرا ذبح کریں گے۔ اس قسم کی منت غیر اللہ کی منت بن جاتی ہے اور شرک ہے۔ اگر شرک نہ بھی ہو ——— اولیا اس سے داتا صاحب یا غیر اللہ کا تقرب مراد نہ ہو تو وہاں پہ صرف مجاوروں کو کھلانا بھی جائز نہیں کیونکہ مجاور اکثر مالدار ہوتے ہیں۔ اور وہ نذر کا مال کھانے کے اہل نہیں ہوتے۔ اِس کے حقدار تو مساکین ہوتے ہیں۔ جو لوگ زکوٰۃ و صدقات لینے کے حقدار ہیں۔ وہی نذر کا مال کھانے کے مستحق ہیں۔

---

[1] ترمذی ص۲۴۱، بخاری ج۲ ص۹۹۰، مسلم ج۲ ص۴۴ [2] بخاری ج۲ ص۹۹۱، ابوداؤد ج۲ ص۱۱۱، ترمذی ص۲۳۹، سنن دارمی ج۲ ص۱۰۵

Marfat.com

اگر کوئی یہ کہے کہ داتا صاحب کی قبر پر نذر پوری کرنے سے اُن کا تقرب مراد نہیں بلکہ محض اُن کی خوشنودی اور رضا مطلوب ہے۔ تو یہ شرک اور قطعی طور پر حرام ہے۔ ایسی منت کا پورا کرنا درست نہیں، اِسے توڑ دینا چاہیئے، اور قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔

ناجائز منت کے متعلق فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں[1] کہ ناجائز منت واقع ہی نہیں ہوتی تاکہ اس کو پورا کرنا ضروری ہو بلکہ اگر اس نے مانی ہے تو اس کا توڑنا ضروری ہے۔ اور اس کا کفارہ بھی ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور بہت سے دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں[2] کہ حدیث شریف کے مطابق جس شخص نے معصیت کی نذر مانی، وہ اُسے توڑ دے اور وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ[3] اور اس کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ جو وہ ادا کرے۔ حدیث[4] شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک عورت نے نذر مانی کہ وہ برہنہ سر پیدل حج کرے گی بشرطیکہ اس کا فلاں کام ہو جائے۔ جب حضور علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فوراً منع فرما دیا۔ اور فرمایا کہ عورت کو سر کھولنا حرام ہے۔ اگر اس کا چوتھائی سر کھلا ہے تو تنہائی میں بھی اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ باقی رہی دوسری بات پیدل چلنے والی، تو آپ نے فرمایا کہ وہ پیدل چلنے کی طاقت نہیں رکھتی، لہٰذا اس کو سوار ہونا چاہیئے۔ سر بھی ڈھانپنا چاہیئے۔ کہ عورت کے سب بال ستر میں داخل ہیں۔ اور اللہ کے راستے میں ایک جانور قربانی کرے۔

جائز منت

اگر کوئی جائز منت مانے تو اُس کا پورا کرنا فرض ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو حج کروں گا یا عمرہ کروں گا یا سو رکعت نفل ادا کروں گا یا مسجد تعمیر کروں گا، تو جب وہ کام ہو گیا تو اب نذر کا پورا کرنا بھی واجب ہو گیا۔ ایسی چیز میں منت ماننے والا خود اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے، قدرت کی طرف سے اس کا التزام نہیں ہوتا۔

ابرار کی پہلی صفت نذر پورا کرنا

تو فرمایا کہ ابرار کی پہلی صفت یہ ہے کہ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وہ جائز نذر کو پورا کرتے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں[5] کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب وہ اپنے اوپر خود ایک کام کو لازم کر لیتے

---

[1] بعض سے امام مالکؒ و شافعیؒ مراد ہیں دیکھئے ترمذی ص۲۳۹ [2] ترمذی ص۲۳۹ [3] ابوداؤد ص۱۱۱ ج۲ مسلم ص۴۵ ج۲، ترمذی ص۲۳۹ [4] سنن دارمی ص۱۰۴ ج۲، ابوداؤد ص۱۱۱ ج۲، [5] روح المعانی ص۱۵۵ ج۲۹۔

Marfat.com

ہیں اور پھر اُس کو پورا کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض و واجبات بدرجہ اولیٰ پورا کریں گے۔ مقصد یہ کہ ابرار تمام فرائض و واجبات اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور انعام واکرام پاتے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ ابرار وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے نفس کا حق، اللہ کا حق اور بندوں کا حق ادا کرتے ہیں۔

دوسری صفت خوفِ آخرت

ابرار کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا اور اُس دن سے ڈرتے ہیں، جس دن کی برائی پھیلی ہوئی ہوگی۔ یعنی اُس کے خوف و شر سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ ہر آدمی پر دہشت طاری ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا[1] حشر کے میدان میں ایسا وقت بھی آئے گا، جب اللہ کے نبی بھی رَبِّ سَلِّمْ، رَبِّ سَلِّمْ پکاریں گے یعنی اے اللہ! آج بچالے، آج بچالے۔ جب انبیاء کی یہ حالت ہوگی تو عام مخلوق کا کیا حال ہوگا۔ مقصد یہ کہ ابرار اُس دن سے ڈرتے ہیں۔ خدا کی معصیت اور ناراضگی سے وہی شخص بچنے کی کوشش کرے گا، جس کے دل میں خوف ہوگا، اور وہ اسی ڈر کی وجہ سے فرائض و واجبات کو پورا کرے گا۔ یہ ابرار کی دوسری صفت ہے۔

تیسری صفت کھانا کھلانا

ابرار کی تیسری صفت یہ ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ وہ کھانا کھلاتے ہیں عَلَىٰ حُبِّهِ اُس کی محبت کے ساتھ۔ ضمیر ہٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی لوٹتا ہے۔ اور طعام کی طرف بھی۔ تو معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کھانے کی محبت کے ساتھ کہ کھانے کی خود بھی ضرورت ہے۔ اُس کے ساتھ محبت ہے، مگر دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا مفہوم اس طرح بھی ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ تم اعلیٰ درجے کی نیکی کو نہیں پا سکتے، جب تک اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ کھانے کے ساتھ محبت ہے، اپنا بھی دل چاہتا ہے۔ مگر اپنا پیٹ کاٹ کر دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کا خیال رکھتے ہیں۔

اگر ہٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں عَلَىٰ حُبِّهِ

---

[1] مسلم ص ۱۰۱ ج ۱

Marfat.com

اللہ کی محبت کے ساتھ۔ یعنی اُن کے دل میں خدا تعالےٰ کی محبت موجود ہے۔ اور اِس محبت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔

مسکین

مسکین وہ شخص ہے۔ جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہو، مگر اُس سے اُس کی جائز ضروریات بھی پوری نہ ہوتی ہوں۔ مثال کے طور پر اس زمانہ میں ایک مزدور کے دس بچے ہیں، اور اس کو پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ تو اُس کے بچوں کا خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ اُن کی بنیادی ضروریات دال، روٹی اور کپڑا بھی مہیا نہیں ہوتا، تو اس قسم کا شخص مسکین ہے۔ اور فقیر وہ ہوتا ہے۔ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یعنی کم از کم ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو۔

یتیم

یتیم وہ نابالغ بچہ ہوتا ہے، جس کا سرپرست فوت ہو گیا ہو، اور جس کا کمانے والا کوئی نہ ہو۔ یتیمی کا اطلاق سنِ بلوغت سے پہلے پہلے ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے لَا یُتْمَ بَعْدَ الْبُلُوْغِ یعنی کوئی فرد بلوغت کے بعد یتیم نہیں رہتا، بلکہ خود اپنا سرپرست بن جاتا ہے۔ اور اُس پر تمام فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اسیر

اسیر سے مراد قیدی ہے، خواہ مسلمان ہو یا کافر، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اکثر قیدی غیر مسلم ہی ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ[2] قبیلہ عُقَیل کے ایک قیدی کو دشمن سمجھ کر پکڑ لائے۔ اور اُسے زنجیروں میں جکڑ دیا۔ حضور علیہ السلام کا اُدھر سے گذر ہوا، تو اُس قیدی نے آپ کو آواز دی اور عرض کیا، حضور! میں تو عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ آپ کے ساتھیوں نے مجھے پکڑ لیا، میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے تیرے حلیفوں کے جرم میں پکڑا گیا ہے۔ انہوں نے ہمارے آدمی مارے ہیں۔ اُس جرم میں تمہیں گرفتار کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اگر اسلام کا اظہار گرفتاری سے پہلے کرتے تو ہمارے ساتھی تمہیں قید نہ کرتے۔ اب تمہارا اسلام تو قبول ہو گا مگر تمہیں رہائی نہیں ملے گی بلکہ ضابطے کی کاروائی ہو گی۔

حضور علیہ السلام واپس ہوئے تو اُس قیدی نے دوبارہ آواز دی، اور عرض کیا مجھے رہا

---

[1] شرح السنۃ بحوالہ مشکوٰۃ ص۲۸۴ [2] مسلم ص۴۴/۲

کر دیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اُس نے تیسری دفعہ آواز دی اور آپ پھر متوجہ ہوئے۔ اچھا مجھے کھانا ہی کھلا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تو بڑے مہربان تھے، اس کی بات سنتے ہی فرمایا، ہاں! یہ تیرا حق ہے۔ تجھے کھانا ضرور کھلایا جائے گا۔

غرضیکہ قیدی خواہ کافر ہو یا مسلمان، اس کو کھانا کھلایا جائے گا۔ قیدی اگر ظالم بھی ہے، جیسے اُس نے قتل کیا ہے۔ اور اسیر ہے۔ تو اُس کو قتل کی سزا ملے گی، وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا، اُس کو پھانسی دی جائے گی یا سولی پر لٹکایا جائے گا۔ تاہم اس کو بھوکا نہیں رکھا جائے گا۔ اور بنیادی طور پر یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ کہ قیدیوں کے کھانے کا بندوبست کرے۔ جنگ بدر کے موقع پر جو کفار قید ہو کر آئے تھے انہیں مختلف مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ کسی مسلمان کی ذمہ داری میں ایک قیدی تھا کسی کے پاس دو تھے۔ ہر قیدی کی حفاظت اور اس کا خورد و نوش سپردار کے ذمہ تھا۔ صحابہ کا حال یہ تھا۔ کہ خود بھوکے رہتے تھے مگر قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

اطعام طعام وسیع معنوں میں

حدیث شریف میں آتا ہے[1]، کھانا کھلانا کوئی معمولی بات نہیں، کھانے کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کو ایک وقت کا یا دو وقت کا کھلا دیا بلکہ کھانا کھلانے کا مقصد یہ ہے۔ کہ سوسائٹی کے نادار افراد کی دستگیری کی جائے، انہیں سوسائٹی کا اچھا رکن بننے میں مدد دی جائے۔ اور جب تک ایسے لوگ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہو جائیں، اُن کی جائز امداد جاری رکھی جائے۔ کھانا کھلانے سے محض بھکاری بنانا مقصود نہیں۔ بھیک مانگنا تو ویسے بھی ناجائز اور حرام ہے۔ اصل مقصد غرباء و مساکین کو سوسائٹی میں اِن کا جائز مقام دلانا ہے۔ کیونکہ اگر سوسائٹی کے ارکان تباہ ہو گئے تو ایسی سوسائٹی بحیثیت مجموعی تباہ حال ہوگی۔ اور اسے عزت کا مقام حاصل نہیں ہوگا۔ آج کی دنیا میں ترقی یافتہ قومیں اپنے بیکار باشندوں کو گذارہ الاؤنس دیتی ہیں۔ برطانیہ جیسے ملک میں جب تک کسی شخص کو کام مہیا نہیں کر دیا جاتا، اُسے گزارہ الاؤنس ملتا ہے۔ اِس طرح وہ اپنی سوسائٹی کو تباہ ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ کسی کی مدد کر کے اُس پر احسان مت جتلاؤ۔ بلکہ اس کے ساتھ عزت کے ساتھ احسان کرو، یہ تمہارا فرض ہے۔

---

[1] بخاری صفحہ ۶ ج ۱ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ

Marfat.com

حضرت علیؓ کے پاس کوئی محتاج آکر سوال کرتا تھا۔ تو خوش ہو کر فرماتے تھے[1]۔ مَرْحَبًا بِمَنْ تَحَمَّلَ زَادَنَا بِغَيْرِ اَجْرٍ خوش آمدید اُس آدمی کے لیے جو ہماری آخرت کا توشہ ہمارے طلب کرنے کے بغیر ہی اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ کسی محتاج کو دینا، اپنے لیے آخرت کا توشہ بھیجنا ہے۔ بخاری شریف[2] اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا اَیُّ خِصَالِ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ حضور! اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا اطعام الطعام یعنی محتاجوں کو کھانا کھلانا بہترین خصلت ہے۔ غرضیکہ ابرار کی یہ صفت ہے۔ کہ وہ اپنی ضرورت اور محبت کے باوجود، محتاجوں، یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

چوتھی صفت خالص اللہ کی رضا کی طلب

ابرار کا یہ خاصہ ہے۔ کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ یعنی ہم کھانا صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں۔ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ہم نہ اس کے لیے کوئی بدلہ چاہتے ہیں، اور نہ شکر گذاری کے خواہشمند ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق روایت[3] ہے۔ کہ کسی محتاج کو صدقہ یا خیرات بھیجتی تھیں تو فرماتی تھیں، پتہ کرو، انہوں نے کیا کہا۔ اگر اُن لوگوں نے شکریہ ادا کیا، تو آپ اُن کے لیے بھی دُعا کرتی تھیں۔ تاکہ آخرت کا اجر خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ آپ لِوَجْهِ اللّٰهِ کا اتنا اہتمام کرتی تھیں۔ کہ کہیں اس میں احسان کا عنصر نہ پایا جائے۔

خوف خدا اور اُس کے بدلے انعامات

ابرار یہ بھی کہتے ہیں اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ہم اپنے پروردگار سے اس دن سے ڈرتے ہیں، جو بڑا اداس، ترش رو اور سخت ہوگا۔ قمطریر سخت کو کہتے ہیں اگر اونٹنی دودھ دینے سے انکار کر دے، تو دم اٹھا لیتی ہے، اور جسم کو سکیڑ لیتی ہے، تو کہتے ہیں یہ قمطریر ہو گئی ہے۔ بڑی سخت ہو گئی ہے۔ اسی طرح ابرار کہتے ہیں۔ کہ ہم اس دن سے ڈرتے ہیں، جو بڑا سخت ہوگا۔

آگے فرمایا فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ پس بچالے گا اللہ تعالیٰ اُن کو اس دن کے شر سے جو ایسے نیک ہیں وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا اور دے گا اُن کو تروتازگی

---

[1] تفسیر عزیزی ص ۲۱۱ پارہ ۲۹، [2] بخاری ص ۶ ج ۱، مسلم ص ۴۸ ج ۱، [3] تفسیر عزیزی ص ۲۶۵ پارہ ۲۹۔

Marfat.com

اور خوشی۔ یعنی چہروں پر تروتازگی ہوگی اور اُن کے دل میں خوشی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں چیزیں عطا کرے گا۔ کامل الایمان آدمی کے چہرے پر نور ہوگا، رونق ہوگی۔ برخلاف اس کے ہر فاسق و فاجر کے چہرے پر سیاہی ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا اور اُن کے صبر کی اُن کے لیے جزا ہوگی جَنَّةً وَّحَرِيْرًا جنت اور ریشمی لباس۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں نے اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر محتاجوں کی ضروریات کو مقدم رکھا اور اس پر صبر کیا، لہٰذا اس صبر کی جزاء کے طور پر انہیں جنت عطا کی جائے گی اور نہایت عمدہ ریشمی لباس پہنایا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے انعامات اور اُن کی کیفیت کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

درس سوم (آیت ۱۳ تا ۲۲)

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۙ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا ۢ مِنْ فِضَّةٍ
قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ
﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ
ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ
اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا
﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۹

ترجمہ:- بہشت میں تکیئے لگائے ہوئے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ دھوپ کی شدت یا سخت سردی اس میں نہیں دیکھیں گے ﴿۱۳﴾ اور جھکے ہوئے ہوں گے ان پر درختوں کے سائے اور پست کر دیے جائیں گے درختوں کے پھل ﴿۱۴﴾ اور ان پر چاندی کے برتن پھیرے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے ﴿۱۵﴾ اور شیشہ چاندی کا ہوگا اور وہ (اہل بہشت یا خدام) اس کا اندازہ کریں گے اندازہ کرنا ﴿۱۶﴾ اور انہیں اس میں (بہشت میں) ایسے پیالے پلائے جائیں جن میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی ﴿۱۷﴾ ایک چشمہ ہے اس میں جس کو سلسبیل کہتے ہیں ﴿۱۸﴾ ان کے سامنے بچے پھریں گے جو ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے گا تو انہیں بکھرے ہوئے موتیوں جیسا خیال کریگا ﴿۱۹﴾ اور جب تو دیکھے گا اس مقام پر۔ تو دیکھیگا بڑی نعمت اور بڑی بادشاہی ﴿۲۰﴾ ان کے اوپر سبز رنگ کے باریک ریشم کی پوشاک ہوگی اور موٹے ریشم کی۔ اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سیراب کرے گا ان کو ان کا پروردگار شراب طہور سے ﴿۲۱﴾ یہ تمہارے کئے کی جزا ہے اور جو محنت تم نے (دنیا میں) کی اس کی قدر دانی کی گئی ہے ﴿۲۲﴾

Marfat.com

گذشتہ سے پیوستہ

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابرار کا ذکر فرمایا، اُن کی صفات اور بدلے کا ذکر کیا جو ان کو اللہ کے ہاں حاصل ہوگا۔ فرمایا کہ ابرار وہ لوگ ہیں جو فرائض اور واجبات کو پورا کرتے ہیں۔ کھانے کی محبت کے باوجود محتاجوں کو کھلاتے ہیں۔ انہیں کسی بدلے یا شکر گزاری کا لالچ بھی نہیں ہوتا، بلکہ محض روزِ قیامت ـــــ کے خوف کے سبب ایسا کرتے ہیں۔ ایسا دن جو بڑا ترش رُو اور سخت ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابرار کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور انہیں وہاں تر و تازگی اور سرور حاصل ہوگا۔ یہ اُن کے صبر کا بدلہ ہوگا۔ کہ انہیں جنت اور اس میں ریشمی لباس پہنایا جائے گا۔ گویا جو لوگ دنیا میں مصائب پر صبر کرتے ہیں، تکالیف کو برداشت کرتے ہیں، وہ آخرت میں کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوں گے۔

ابرار تختوں پر بڑے آرام سے بیٹھنے والے ہونگے

اب اِن آیات میں اُس اچھے صلے کی کچھ تفاصیل ہیں، جو ابرار کو اللہ کے ہاں حاصل ہوگا جن لوگوں نے دنیا میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں وہاں وہ نہایت آرام اور سکون سے رہیں گے۔ فرمایا مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ بہشت میں تکیے لگائے ہوئے تختوں پر بیٹھے ہوں گے، ارائک، اریکہ کی جمع ہے جس کے معنی ڈولی کے ہوتے ہیں، اوپر پردہ لگا ہوتا ہے۔ اور بیچ یا عمدہ قسم کا صوفہ جو اِس زمانہ میں ہوتا ہے۔ ان پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے، اور انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ یا اس کی مثال ایسی ہے، جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھا ہو۔ جنت میں جانے والا ہر شخص بادشاہ ہوگا، اُس کو ایسی سہولتیں اور آرام و اسائش میسّر ہونگے جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی حاصل نہ ہوں۔ اور یہ نعمتیں بغیر کسی خدشے کے حاصل ہوں گی، دنیوی انعامات کے تو ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر وہاں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔ حضور علیہ السلام[1] کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ جنت میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کے لیے بھی ایک ہزار خدام ہوں گے، بعض جگہ اسی ہزار کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کم از کم ایک ہزار نوکر چاکر ہوں گے، ہر کوئی اپنا اپنا فرض ادا کر رہا ہوگا۔ اپنے کام میں مشغول ہوگا۔ الغرض کسی انسان کے عیش و آرام کے لیے جس قدر لوازمات بھی چاہئیں، وہ سب وہاں میسّر ہوں گے۔

---

[1] تفسیر مظہری ص ۱۵۹ ج ۱۰، روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۲۹۔

دھوپ اور سخت سردی سے محفوظ ہونگے

فرمایا لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّ زَمْهَرِیْرًا اور ابرارِ جنت میں دھوپ کی شدت یا سخت سردی نہیں دیکھیں گے۔ سورج قریب ہو تو تپش میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور انسان تنگ ہو جاتا ہے اور اگر سورج دُور منطقہ بارہ میں چلا جائے، تو سردی بڑھ جاتی ہے۔ سردی کی لہر بھی ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ فرمایا جنت میں یہ دونوں تکالیف نہیں ہوں گی۔ گرمی کی لہر سے بھی جانوں اور فصلوں کا نقصان ہوتا ہے اور کڑاکے کی سردی بھی زندگی اور پھلوں کے اتلاف کا باعث بنتی ہے۔ مگر جنت کا موسم نہایت معتدل ہوگا، نہ سخت سردی ہوگی اور نہ سخت گرمی۔

اُن پر سایہ ہوگا

نیز یہ بھی فرمایا وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا قریب ہوں گے، جُھکے ہوئے ہوں گے اُن پر سائے۔ ظلال ظل کی جمع ہے جس کے معنے سایہ کے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں[1] کہ جب جنت میں سورج ہی نہیں ہوگا جیسا کہ پڑھ چکے ہیں لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا تو پھر سائے کا کیا مطلب۔ فرمایا اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے۔ کہ ظلال کا اطلاق درختوں پر کیا گیا ہے، نہ کہ درختوں کے سائے پر۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ جنت پر درخت جُھکے ہوئے ہوں گے یا اُن کے قریب ہوں گے تاکہ جنتیوں کو اُن کے پھل حاصل کرتے میں دقت نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ سورج کی عدم موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ وہاں کوئی دوسرے روشن اجسام بھی نہیں ہوں گے۔ سورج کے علاوہ بھی تو اجسام نیرّہ ہو سکتے ہیں، جن کی وجہ سے سایہ کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ جیسے عرش الٰہی کا سایہ۔ اگرچہ اس کا سایہ سورج کی مانند نہیں ہوگا، مگر سایہ تو ہوگا۔ ترمذی شریف[2] کی روایت میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا افضل صدقہ کون سا ہے، فرمایا ظِلُّ فُسْطَاطٍ اسی طرح جب مجاہدین جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو اِن کے سفر و حضر میں خیمہ کا سایہ مہیا کرنا افضل صدقہ ہے۔ اسی لیے ایک حدیث[3] میں ایسے لوگوں پر لعنت کی گئی ہے۔ جو سائے والی جگہ پر بول و براز کریں۔ سایہ خواہ کسی مکان کا ہو۔ یا چھت کا ہو۔ ایسی جگہ پر گندگی پھیلانے سے منع فرمایا گیا، کیونکہ گرمی میں وہاں لوگ آرام کرتے ہیں۔

مگر بہشت میں نہ تو سورج ہوگا، اور نہ اس کی تپش، تو وہاں سائے سے کیا مراد ہوگا مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی طبیعت کو ہمہ گیر بنایا ہے۔ اس کے دل میں مختلف الانواع

---

[1] تفسیر عزیزی صفحہ ۲۷۰ پارہ ۲۹ [2] ترمذی صفحہ ۲۵۲ [3] مسلم صفحہ ۱۳۲ ج ۱۔

Marfat.com

اشیا کی خواہش کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ یعنی بغیر ضرورت کے بھی اگر کسی جنتی کی خواہش ہو گی کہ وہ سائے میں بیٹھے۔ تو اس کیلئے سایہ موجود ہو گا۔ اسی لیے فرمایا وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا اُن پر سائے جُھکے ہوئے ہوں گے۔

اُن پر پھل جھکے ہوئے ہونگے

نیز فرمایا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا اور پست کر دیے جائیں گے، تابع کر دیے جائیں گے۔ قریب کر دیے جائیں، درختوں کے پھل درختوں سے پھل اتارنے میں جس طرح دنیا میں مشقت کرنی پڑتی ہے، اس طرح وہاں نہیں کرنی پڑے گی۔ کھجور کے درخت سے پھل اتارنے کے لیے نہ پیٹی باندھنے کی ضرورت ہو گی اور نہ سیڑھی لگانے کی، بلکہ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا۔ درخت کا سایہ ان اہلِ جنت پر ہو گا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا۔ اور درختوں کے پھل اُن پر جھکے ہوئے ہوں گے جنتی خواہش کرے گا تو درخت جھک کر سامنے آجائے گا۔ اور وہ حسبِ خواہش پھل توڑ کر استعمال کر سکے گا۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ ایک پھل توڑنے سے پھلوں میں کمی واقع نہیں ہو جائیگی بلکہ اُسی جگہ دوسرا پھل موجود ہو گا۔ الغرض فرمایا۔ کہ پھل قریب کر دیے جائیں گے ٹہنیاں جھکی ہوئی ہونگی، جس حالت میں کوئی جنتی خواہش کرے گا، بیٹھے بیٹھے، لیٹے ہوئے، چلتے پھرتے ہر حالت میں بغیر مشقت اٹھائے اُسے مطلوبہ چیز میسر ہو جائے گی۔

چاندی کے برتن

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ اور اُن پر چاندی کے برتن پھیرے جائیں گے اور گلاس یا آبخورے كَانَتْ قَوَارِيْرَا جو شیشے کے ہوں گے۔ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ اور شیشہ چاندی کا ہو گا قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا اور اہلِ بہشت یا خدام اِس گلاس کا اندازہ کریں گے اندازہ کرنا۔ یعنی جنتی کی خواہش کا اندازہ کریں گے اس کے مطابق انہیں گلاس میں مشروب پیش کیا جائیگا کمی بیشی نہیں ہو گی۔ اور برتن چاندی کے ہوں گے، دوسری جگہ سونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ یعنی مختلف درجات کے مطابق سونے کے برتن بھی ہوں گے۔ تاہم یہاں صرف چاندی کا بیان ہے۔ اور پھر عجیب بات یہ کہ وہ چاندی شیشے کی ہو گی یعنی شیشے کی طرح شفاف ہو گی۔ گویا ان برتنوں میں چاندی اور شیشے کی خصوصیات بیک وقت موجود ہوں گی، ایسے مرکب کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ یہ جنت میں ہی میسر ہوں گے۔

اِس دنیا میں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے۔ مسلم شریف

Marfat.com

کی حدیث[1] میں ہے کہ سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے والا شخص اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارَ جَھَنَّمَ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈال رہا ہے۔ البتہ عورت سونے چاندی کے زیور استعمال کر سکتی ہے۔ مرد کے لیے صرف چاندی کی ایک انگوٹھی جو ایک مثقال سے کم یعنی تقریباً تین ماشہ کی ہو۔ استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اور سونا مطلقاً حرام ہے۔ سونے چاندی کے برتن کسی صورت میں بھی استعمال نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ سلائی اور پاندان بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے سونا، اور ریشم ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا[2]۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے مردوں کے لیے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ تاہم بہشت میں یہ چیزیں سب کو میسّر آئیں گی۔

زنجبیل کے مشروب

ابرار کے دیگر انعامات کے متعلق فرمایا وَیُسْقَوْنَ فِیْھَا کَاْسًا اور انہیں ایسے پیالے پلائے جائیں گے کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا جن میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔ زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں۔ یہ جو ادرک خشک ہو کر سونٹھ بن جاتی ہے۔ یہ بہت عمدہ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کمال درجے کی خصوصیات رکھی ہیں دماغ اور جسم کی حرارت غریزی کو ابھارتی ہے۔ لطافت پیدا کرتی ہے، حافظے پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ حکیم اور ڈاکٹر اس کے بے شمار فوائد سے خوب واقف ہیں۔ پہلی آیت میں کافور کا ذکر آیا تھا، اُس کی خوشبو، لطافت اور برودت کا بیان تھا، اِس آیت میں زنجبیل کا ذکر ہے۔ اُس آیت میں کافور سے مراد وہ چشمہ تھا، جس کا پانی گلاس میں ملا کر جنتیوں کو دیا جائے گا، یہاں زنجبیل کا بیان ہے۔ کہ ان پیالوں میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔ مگر زنجبیل سے مراد سونٹھ نہیں ہے۔ بلکہ عَیْنًا ایک چشمہ مراد ہے تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ جس طرح کوثر ایک چشمہ ہے تسنیم ایک چشمہ ہے، اسی طرح سلسبیل بھی ایک چشمہ کا نام ہے جس کی خاص خصوصیات ہوں گی۔ ابرار کو جب مشروبات پیش کئے جائیں گے۔ تو ان میں سلسبیل کی ملاوٹ ہوگی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دنیا میں شربت کا گلاس بنایا جاتا ہے تو اس میں روح کیوڑہ یا کوئی دوسری خوشبودار چیز ملا دی جاتی ہے۔ اسی طرح کافور، زنجبیل یا سلسبیل کا پانی ملا دیا جائے گا، جس سے مشروب کی لطافت دوبالا ہو جائے گی۔

---

[1] مسلم ص۱۸۶ ج۲، [2] موارد الظمآن ص۲۵۴، ابوداؤد ص۲۰۵ ج۲،

Marfat.com

دنیا میں جس قدر مشروبات استعمال کئے جاتے ہیں، وہ پیاس بجھانے کے لیے ہوتے ہیں۔ اور وہ شخص دنیا میں پیاس کی شدت برداشت کرتا ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ بہشت میں ایسا مشروب پلائے گا، جس سے اُس کا سرور دوبالا ہو جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص روزہ کی حالت میں پیاس برداشت کرتا ہے۔ یا نماز کی حالت میں پیاس محسوس ہوتی ہے۔ مگر وہ اسی حالت میں نماز پوری کرتا ہے۔ یا کسی وقت پانی کی نایابی کی وجہ سے پیاس کو برداشت کرتا ہے، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں زنجبیل یا سلسبیل کے چشمے کا مشروب حاصل ہوگا، جس کا دنیا کے مشروبات سے کوئی مقابلہ نہیں ہوگا۔

خدمتگار بچے

منجملہ انعامات کے فرمایا وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ اُن کے سامنے بچے پھریں گے، جو ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اور یہ بچے جنتیوں کی خدمت کریں گے۔ اور ان کا نقشہ یہ ہوگا۔ إِذَا رَأَيْتَهُمْ جب تو اُن کو دیکھے گا حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا تو انہیں بکھرے ہوئے موتیوں جیسا پائے گا۔ یہ نہایت حسین و جمیل بچے جنتیوں کی خدمت پر مامور ہوں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ بچے کون ہوں گے۔ کوئی دنیا کی مخلوق ہوگی یا انہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت میں ہی پیدا کیا ہے۔ تو اس کے متعلق دو قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ایک تصور یہ ہے۔ کہ کفار کے وہ نابالغ بچے جو سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے مرجاتے ہیں، یہ وہ ہوں گے کیونکہ وہ مکلف نہ ہونے کی وجہ سے دوزخ میں تو نہیں جائیں گے، لہٰذا انہیں جنت میں خدمت پر مقرر کر دیا جائے گا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو بہشت میں ہی پیدا کرے گا اور اہلِ ایمان کی خدمت پر مامور کر دے گا۔

ملک اور حکومت

وَإِذَا رَأَيْتَ اور جب تو دیکھے گا ثَمَّ اس مقام پر رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا تو دیکھے گا بڑی نعمت اور بڑی بادشاہی۔ یعنی بہشت میں ہر شخص بادشاہ ہوگا، جس کی اپنی حکومت ہوگی۔ اور بادشاہوں والی تمام نعمتیں اُسے میسر ہوں گی۔ نعیماً و ملکاً کبیراً کہہ کر اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ہر جنتی کو ہر قسم کا آرام و راحت اور ہر قسم کی نعمتیں حاصل ہوں گی جیسے کہ بادشاہوں کو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے زَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ہم حور عین کے ساتھ اُن کا نکاح کر دیں گے۔

حکومت کرنے اور غصہ نکالنے کا جذبہ انسان میں فطری طور پر موجود ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے ہر جنتی کے پاس ہزارہا نوکر چاکر ہوں گے۔ جن سے خدمت لے گا اور اُن پر حکم

Marfat.com

چلائے گا۔ اس کے علاوہ انسان کے لیے ذہنی اور خیالی تصور بھی ہوا کرتا ہے، جس کو حب مال اور حب جاہ کہا جاتا ہے۔ جب یہ بڑھ جاتا ہے، تو مہلک بن جاتا ہے۔ تاہم یہ ذہنی تصور بھی انسان کے لیے بہشت میں پورا کیا جائے گا۔

روحانی نعمتیں

اس کے علاوہ جنت میں کمال درجے کی روحانی نعمتیں بھی حاصل ہوں گی، انبیاء، صدیقین اور صلحا کی رفاقت نصیب ہوگی فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ان پاکیزہ لوگوں کی مجلسیں نصیب ہوں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت نصیب ہوگی۔ اُس کی تجلیات کا مشاہدہ ہوگا اور یہ عروج ہمیشہ جاری رہے گا، اس میں کبھی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ الغرض بہشت میں مادی اور روحانی ہر قسم کی نعمتیں میسّر ہوں گی۔

البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ وہاں تک پہنچنا بڑا دشوار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ دیکھو بھائی اللہ کا سودا بڑا مہنگا ہے۔ اس کو تلاش کرو، اس کے حصول کے لیے کوشش کرو۔ یہ سودا بہشت کا سودا ہے۔ وہاں پہنچ کر حظیرۃ القدس کا ممبر بن جانا بڑی بات ہے۔ دنیا میں لوگ پارلیمنٹ کی ممبری کے لیے بڑی دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی حظیرۃ القدس کا ممبر بن جانا ہے۔ اصل کامیابی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ جس کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور بہشت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ حقیقی کامیابی یہی ہے۔ اس سے کم تر کوئی کامیابی نہیں۔

ریشمی لباس

ابرار کے لیے لباس کا حال اس طرح بیان فرمایا عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ اُن کے اُوپر باریک ریشم کی پوشاک ہوگی خُضْرٌ جو سبز رنگ کی ہوگی وَاِسْتَبْرَقٌ اور موٹے ریشم کی۔ انسان کا مزاج متنوع واقع ہوا ہے۔ کبھی باریک کپڑا پسند کرتا ہے، کبھی موٹا۔ ریشم دنیا میں اگرچہ مرد کے لیے حرام ہے۔ مگر بہشت میں یہ بھی حاصل ہوگا۔ ہاں یہ مصنوعی ریشم (AETIFICIAL SILK) جائز ہے۔ کیونکہ یہ دوسرے مادوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ مردوں کے لیے بھی منع نہیں ہے۔ ریشم وہ

---

[1] ترمذی ص۳۵۳

Marfat.com

اصلی ریشم حرام ہے۔ جو ڈوڈی سے بنایا جاتا ہے۔ ریشم کا کیڑا خوراک کھا کر جو لعاب نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو ریشم میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر اس سے طرح طرح کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں، کوئی گاڑھا ہوتا ہے۔ کوئی باریک اور کوئی موٹا۔

چاندی کے کنگن

فرمایا وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور اُن کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ دوسری جگہ سونے کا بھی ذکر آیا ہے، مگر وہ مقربین کے لیے ہیں۔ فرمایا مقربین کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور موتیوں کے ہار اُن کے گلے میں پڑیں گے۔ کنگن کا رواج اگرچہ موجودہ دور میں نہیں ہے، تاہم یہ قدیم زمانے کا رواج ہے۔ کہ بڑے لوگ بادشاہ وغیرہ یہ زیور پہنتے تھے۔ تصور وہی ہے، بادشاہی والا عرب بھی اس سے واقف تھے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کو جو جلیل القدر صحابی تھے، فرمایا تھا کہ وہ وقت آئے گا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ڈالے جائیں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی جب ایران فتح ہوا۔ تو تھوڑی دیر کے لیے یہ کنگن حضرت عدیؓ کو پہنائے گئے۔ الغرض قدیم زمانے میں مردوں کے زیور پہننے کا تصور پایا جاتا تھا۔ مگر بہشت میں یہ کنگن ہر شخص کو نصیب ہونگے۔

جزائے عمل

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً اللہ تعالیٰ اہل بہشت سے فرمائیں گے یہ تمہارے کئے کی جزا ہے۔ تمہارے اُس ایمان اور نیکیوں کا بدلہ ہے۔ جو تم نے دنیا میں اختیار کیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ یعنی گذشتہ دنوں میں جو نیکیاں تم نے کیں، یہ اُن کا بدلہ ہے۔ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کا درجہ ہوگا۔ بنیادی چیز یہ ہے۔ کہ انسان دنیا میں ایمان کی دولت حاصل کرے، اعمال صالحہ کا ذخیرہ کرلے اور آخرت میں ان کا بدلہ حاصل کرلے فرمایا وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا اور جو کوشش اور محنت تم نے دنیا میں اللہ کے دین کی خاطر کی، اُس کی قدردانی کی گئی ہے۔ تمہاری نیکیوں کو رائیگاں نہیں جانے دیا گیا۔ تم نے اعمال صالحہ اختیار کرنے میں جو سعی و کوشش کی، یہ انعامات اُس کے نتیجے میں ہیں۔

Marfat.com

درس چہارم (آیت ۲۳ تا ۱۷)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ
مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ
الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ
وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ پر قرآن پاک کو آہستہ آہستہ اتارا ہے ﴿۲۳﴾ پس آپ اپنے رب کے حکم کے سامنے صبر کریں آپ ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکر گزار کی بات نہ مانیں ﴿۲۴﴾ اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں ﴿۲۵﴾ اور رات کے وقت اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور رات کے ایک لمبے حصے میں اس کی تسبیح بیان کریں ﴿۲۶﴾ یہ لوگ دنیا کی زندگی سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (قیامت کا) بوجھل دن چھوڑ رہے ہیں ﴿۲۷﴾

گذشتہ سے پیوستہ

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا، اور اس کے بعد ہدایت کے راستے کا اجمالاً ذکر کیا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ فرمایا چونکہ انسان کی آزمائش مطلوب ہے، اس لیے ہم نے اُسے سمیع و بصیر بنا کر اُس پر ہدایت کا راستہ واضح کر دیا۔ کہ یا تو انسان شکر گزار بن جائے یا ناشکر گزار۔ اگر ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کیا، تو شکر گزار بن گیا، ورنہ بصورت دیگر ناشکر گزاروں کی فہرست میں شامل ہوا۔

اس کے بعد ناشکر گزاروں کا انجام اجمالی طور پر بیان فرمایا اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا۔ یعنی ایسے لوگوں کے لیے ہم نے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے پھر ہدایت یافتہ ابرار کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ پہلے رکوع میں اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ سے لے کر رکوع کے اختتام یعنی كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا تک اُن نعمتوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جو نیک لوگوں کو اللہ کے ہاں حاصل ہونے والی ہیں۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ تمام انعامات تمہاری نیکی اور ایمان کا بدلہ ہیں۔ تمہاری کوشش ٹھکانے لگی۔ اور اُس کی قدر دانی کی گئی۔ وہ رائیگاں نہیں گئی۔ اس کے بعد ماننے والوں اور نہ ماننے والوں دونوں کے حق میں تنبیہ

Marfat.com

ہے۔ نبی علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا سامان ہے۔ اور حکم ہے۔ کہ حالات کیسے بھی ناخوشگوار ہوں آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

تنزیل قرآن

چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ناموافق حالات سے گزر رہے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تسلی کے طور پر سب سے پہلے قرآن پاک کا ذکر فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا بے شک ہم نے آپ پر قرآن پاک کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔ جس کی ایک خاص حکمت ہے۔ لہٰذا آپ مشرکین کے اعتراضات کی پروا نہ کریں اور قرآن پاک کے پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔

پچھلی سورتوں میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ جب نبی علیہ السلام اللہ کا کلام پیش کرتے تھے۔ تو مشرک اور کافر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے کوئی کہتا یہ شاعری کرتے ہیں کوئی کہتا کہ نعوذ باللہ آپ کاہن ہیں کوئی کہتا کہ یہ اپنی طرف سے کلام گھڑ کر لائے ہیں یعنی اِنْ اَنْتَ اِلَّا مُفْتَرٍ آپ افترا کرتے ہیں حالانکہ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ اللہ نے کسی انسان پر کوئی وحی نازل نہیں کی۔ آپ خواہ مخواہ جھوٹ بولتے ہیں اور محض اپنی چودھراہٹ چاہتے ہیں۔ مشرکین آپ سے ٹھٹا مذاق بھی کرتے تھے۔ اللہ کے کلام کو بھی جھٹلاتے تھے۔

بخاری شریف کی روایت میں[1] ہے۔ کہ جب کفار آپ کی زبان مبارک سے قرآن پاک سنتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ، جبرائیل اور خود حضور علیہ السلام کو گالیاں دیتے تھے۔ ایسے حالات میں نبی علیہ السلام کھلے بندوں نماز بھی نہیں پڑھا سکتے تھے، چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا یعنی آپ اتنا بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں کہ کفار سن کر گالیاں دیں، اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں، وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا بلکہ آپ درمیانی راہ اختیار کریں۔

ترمذی شریف کی روایت[2] ہے۔ کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑ کے کسی درّے میں نماز ادا کر رہے تھے۔ تو کوئی مشرک وہاں سے گزر رہا تھا کلام پاک

---

[1] بخاری ص ۲۸۶ ج ۲ [2] جمع الوسائل فی شرح الشمائل ص ۱۹۴ ج ۲

Marfat.com

سُن کر وہ لڑنے مارنے پر آمادہ ہوگیا۔ حضور علیہ السلام کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وہاں موجود تھے۔ اُن کے قریب اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پڑی تھی، انہوں نے وہی اٹھا کر کافر کو دے ماری جس سے وہ زخمی ہوگیا اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ مقصد یہ کہ اِس قسم کے حالات تھے، جن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا ذکر بیان کرکے آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی۔ اور فرمایا کہ قرآن پاک کوئی من گھڑت کلام نہیں ہے۔ بلکہ اِسے ہم نے آہستہ آہستہ اتارا ہے۔ دوسری جگہ اسی بات کو یوں بیان کیا تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی یہ کلام تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ اور مشرکین کے اعتراضات لغو اور بیہودہ ہیں مشہور روایت[2] ہے۔ کہ قرآن پاک لوحِ محفوظ سے ایک ہی دفعہ نازل ہوا۔ آسمانوں میں بیت المکرم ایک باعزت مقام ہے، وہاں موجود رہا، اور وہاں سے زمین پر آہستہ آہستہ ۲۳ برس میں نازل ہوا۔ اس کی ابتدا رمضان المبارک میں ہوئی، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ یعنی رمضان کا وہ مبارک مہینہ ہے۔ جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی اور پھر بتدریج تھوڑا تھوڑا اتارا گیا۔

بتدریج نزول کی حکمت

سورۃ فرقان میں قرآن پاک کے بتدریج نزول کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔ تاکہ اس کے ذریعے آپ کے دل کو پختہ کریں اور یہ اچھی طرح یاد ہو جائے۔ کیونکہ جو چیز بتدریج حاصل ہوتی ہے۔ وہ مستحکم ہوتی ہے۔ برخلاف اِس کے سابقہ کتابیں ایکدم نازل ہوئیں، تو وہ اتنی مستحکم نہ ہوئیں بلکہ قرآن انسانوں کے قلوب و اذہان میں بتدریج نازل ہونے کی وجہ سے زیادہ مستحکم ہوا۔ قرآن پاک حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ آپ نے اپنے صحابہؓ کو آہستہ آہستہ اِس کی تعلیم دی اور اِس طرح یہ اولین مخاطبین کے ذہنوں میں اچھی طرح راسخ ہوگیا۔ اور پھر اُن کی معرفت آئندہ نسلوں تک پہنچا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ تفسیر اتقان[2] میں لکھتے ہیں۔ یاد رکھو! کہ آخرت کے معاملے کو سمجھنے کے لیے انسان عام طور پر طفل مکتب ہیں۔ جس طرح چھوٹے بچوں کو اگر ساری کتاب ایک نشست میں پڑھا دی جائے تو کچھ پلّے نہیں پڑتا، اور اگر تھوڑا تھوڑا سبق دیں گے تو وہ یاد کر لیتے

---

[1] روح المعانی ص۶۱ ج۲۔ تفسیر اتقان ص۳۹، ۴۰ ج۱۔ [2] تفسیر اتقان ص۴۰ تا ۴۲ ج۱

Marfat.com

ہیں۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کی ذات، اس کی صفات اور معاد کو سمجھانے کیلیے قرآن پاک تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا۔ تاکہ مخاطبین کے ذہن نشین ہو جائے۔ کیونکہ اس معاملہ میں پوری نوع انسانی طفل مکتب کی مانند ہے۔ اگر پورا قرآن پاک بیک وقت پیش کر دیا جاتا، تو اُن کے ذہن اُسے دل و دماغ میں راسخ کر لینے کی قوت نہ پاتے۔ اسی لیے فرمایا وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ۔ ہم نے یہ قرآن آپ پر وحی کے ذریعے نازل کیا۔ یہ گویا قرآن پاک کی صداقت اور حقانیت کا بیان ہے۔

قرآن پاک ذریعہ ہدایت ہے

پہلے جتنی آیات گزر چکی ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن پاک ذریعہ رشد و ہدایت ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان حق و ناحق کو پہچانتا ہے۔ اور کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکتا ہے۔ فرمایا ہم نے انسان کی تخلیق کی، پھر اس کو مکلف بنایا۔ اس کو آزمائش میں ڈالا اور اس کے سامنے ہدایت اور گمراہی دونوں راستے واضح کر دیے تاکہ وہ ان میں سے اپنی پسند کا راستہ اختیار کر لے۔ یہ سب چیزیں قرآن پاک سے ہی معلوم ہوئیں۔ پھر اس کا انجام بھی بیان کر دیا۔ کہ ناشکر گزار کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی اور نیکوکاروں کے لیے نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا تر و تازگی اور خوشی کی خوشخبری ہے۔ انہیں جنت میں بہترین لباس پہنایا جائے گا۔ شراب طہور کے جام پیش کیے جائیں گے۔ تو یہ باتیں اس قرآن کے ذریعے سے ہی حاصل ہوتی ہیں، جس کو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا۔ لہذا اگر فلاح مطلوب ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے نازل کردہ قرآن پاک کا دامن تھام لو، کہ یہی ذریعہ رشد و ہدایت ہے۔

حدیث، قرآن پاک کی تشریح ہے

ہدایت کے سلسلے میں قرآن پاک کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس کی تشریح حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ کی احادیث کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ فرمایا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ اس کی آیات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ہر صحیح حدیث قرآن پاک کی شرح ہے۔ جب کہ خود قرآن پاک متن ہے تفصیل کے سلسلے میں حضور علیہ السلام کے ارشادات، آپ کا عمل مبارک اور پھر آپ کے صحابہؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کا عمل حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر قرآن حکیم کی حقیقت کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور نہ اس پر عمل کے راستے واضح ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجتہدین کا اجتہاد بھی تفصیل قرآن پاک میں شامل ہے۔ زمانے کے حوادثات غیر محدود ہوتے ہیں۔ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ نئے نئے مسائل کا پیدا ہونا بھی لازمی ہے۔ تو جو چیز حدیث نبوی اور خلفائے راشدینؓ کے اقوال سے

Marfat.com

معلوم نہ ہو سکے، اُسے اقوال مجتہدین سے تلاش کرنا ہوگا۔ اور اس لحاظ سے یہ اجتہاد قرآن پاک کی تشریح میں شامل ہوگا۔ گویا قرآن پاک کے ذریعے ہی اچھے انجام تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اشاعت قرآن انسانی فریضہ ہے

اشاعت قرآن کے سلسلے میں دو قسم کے فرائض عاید ہوتے ہیں۔ یعنی فرائض عام اور فرائض خاص۔ عام فرائض میں قرآن کریم اور اسلام کی ترویج شامل ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ جو چیز آپ پر نازل کی گئی، اُسے پہنچا دیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً "میری طرف سے پہنچا دو، اگرچہ ایک آیت بھی ہو۔ گویا قرآن پاک کی تعلیم اور دین کی تبلیغ تمام انسانیت کے لیے عام فریضہ ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[2] کہ دنیا میں کسی شخص نے جس قدر قرآن کریم کی اشاعت میں حصہ لیا ہوگا، اُسی قدر اُسے نبی کریم کے حوضِ کوثر سے پانی نصیب ہوگا۔ دنیا میں قرآن پاک اور آخرت میں حوض کوثر دونوں مربوط چیزیں ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حتی الامکان قرآن پاک کی اشاعت میں حصہ لے۔ قرآن پاک خود پڑھیں دوسروں کو پڑھائیں اس کے مطابق عقیدہ درست کریں اور دوسروں تک بھی اس کو مستعدی بنائیں۔

تکالیف پر صبر کریں

آگے فرمایا فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ آپ اپنے رب کے حکم کے سامنے صبر کریں۔ رب کا حکم یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کی نشر و اشاعت میں حصہ لیں۔ اس سلسلہ میں آپ کو مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑے گا، کیونکہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ہم ایک بوجھل بات آپ پر ڈالنا چاہتے ہیں، اس کے لیے پہلے سے تیاری کر لیں۔ بوجھل بات قرآن پاک پر عمل اور اسے دوسروں تک پہنچانا ہے اور اس راستے میں مشکلات پیش آنے پر صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔ کفار کی بدزبانی اُن کے بیہودہ اعتراضات، ان کے ساتھ لڑائی، قرآنی پروگرام کی ناکامی کی کوشش وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے لیے صبر و استقامت کی ضرورت ہے سورۃ عصر میں فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ آخرت میں خسارے سے بچنے کیلیے یہ چار سنہری اصول بتا دیے یہ اصول ریاضی کے اصول کی طرح مستقل ہیں جس طرح ریاضی کا اصول غلط ثابت نہیں ہوتا، دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ چار اصول یعنی ایمان، اعمال صالحہ، حق کی تلقین اور صبر بالکل اٹل ہیں۔ انہیں

---

[1] سنن دارمی ص ۱۱۱ ج ۱ ترمذی ص ۳۸۲ [2]

میں صبر ایک اصول ہے۔ جو غلط نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر مصیبت پر صبر کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِیَاءُ[1] یعنی سب سے زیادہ مصیبتیں اللہ کے نبیوں پر آئیں۔ اور اس کے بعد اُن پر جو نبیوں کے قریب تھے۔ جتنا کسی کو نبی کی اتباع میں حصہ ملا اُسی قدر اُسے تکالیف آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے یُفْتَنُ الرَّجُلُ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ ہر شخص کو اُس کے دین کے مرتبے کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ جو آدمی دین میں مضبوط ہوتا ہے، اُس پر آزمائش بھی سخت آتی ہے۔ اگر کوئی دین کے معاملے میں کمزور ہے تو اس پر آزمائش بھی کم آتی ہے۔ الغرض اشاعت دین ایک متعدی فریضہ ہے اور ملت ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے۔

منکرین کی بات نہ مانیں

فرمایا کہ اِس اعلیٰ وارفع اصول کے مقابلے میں وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا آپ ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکر گزار کی بات نہ مانیں۔ ابوجہل، ولید ابن مغیرہ، عتبہ جیسے لوگ آپ کو تبلیغ دین سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ سورۃ نون میں ذکر ہے وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اِن معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ شرک و کفر کی تردید نہ کریں۔ آپ اپنی پوجا پاٹ کرتے رہیں۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کی پارٹی کی بات نہیں ماننی اسلام کے پروگرام کو ترک نہیں کرنا، توحید کی اشاعت لازمی ہے۔ کفر کے ساتھ کسی صورت بھی مصالحت نہیں کرنی۔ لہٰذا گنہگار اور ناشکر گزار، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، دین کے اصولوں پر سمجھوتا نہیں کرنا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ولید ابن مغیرہ جیسے لوگوں کو مال و دولت عطاء کی ہے، لاکھوں میں کھیلتے ہیں، مگر پھر بھی وہ شکر گزار ہونے کی بجائے اللہ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا اے نبی کریم! آپ ان تمام مصائب پر صبر و شکر کریں اور ایسے کسی گنہگار، پاپی یا ناشکر گزار کے کہنے میں نہ آئیں۔

صبح و شام ذکر الٰہی کریں

اشاعت قرآن کے متعلق فریضہ عام بیان کرنے کے بعد فریضہ خاص کا ذکر کیا جس کا تعلق خاص اپنی ذات سے ہے۔ فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ تمام پریشانیوں اور مصائب کا علاج ہے۔ نیز فرمایا وَمِنَ

---

[1] موارد الظمآن صفحہ ۱۸۰ ابن ماجہ صفحہ ۲۹۱

Marfat.com

الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ اور رات کے وقت اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ اس آیت کو مفسرین کرام دو معنوں پر محمول کرتے ہیں[1]۔ اس کا ایک معنی تو پانچ نمازیں ہیں بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا یعنی صبح اور پچھلے پہر۔ اس میں صبح، ظہر اور عصر کی تین نمازیں آتی ہیں۔ وَمِنَ الَّیْلِ میں مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں آتی ہیں۔ تہجد کی نماز اگرچہ امت کے لیے فرض نہیں مگر سنت اور سب سے مقدس نماز ہے تو فرمایا کہ نماز ادا کرتے رہیں تاکہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم رہے۔ جب تعلق باللہ درست ہو جائے گا۔ تو مصائب ہلکے ہو جائیں گے، پریشانیاں کم ہو جائیں گی اور آپ تکالیف کا مقابلہ اچھے طریقے سے کر سکیں گے۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی صبر و نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ جب بھی کوئی تکلیف پہنچے، اس کا مقابلہ صبر اور نماز کے ساتھ کرو۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ کا سب سے زیادہ ذکر ہے۔ اسی لیے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ نماز، دل، زبان اور اعضا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ انسان طہارت کے ساتھ مؤدب ہو کر اللہ کے حضور کھڑا ہو کر اس کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے تو اس کا دل اللہ کی تعظیم سے لبریز ہوتا ہے۔ اگر یہ چیزیں تم میں پیدا ہو جائیں تو مصائب کا مقابلہ بہتر طریقے پر کر سکو گے نماز ام العبادات المقربہ ہے۔ یہ انسان کو اللہ کے سب سے زیادہ قریب کرنے والی عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں فرمایا[2] اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز کا خیال رکھنا اور غلام اور کمزور طبقے کا خیال رکھنا، ان پر ظلم نہ کرنا، یہ آپ کی آخری وصیت تھی۔ گویا نماز میں اللہ کا ذکر، تسبیح اور تعظیم ہوتی ہے۔ اخبات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عجز و انکسار ہوتا ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی روحانیت ہے۔ اس کے علاوہ نماز کے دنیوی فوائد بھی ہیں۔ منجملہ ان کے مساوات، طہارت، وقت کی پابندی، اتحادِ فکر جیسے فوائد حاصل ہیں۔ انسانی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا نماز ایک بہت بڑی چیز ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ کا دوسرا مفہوم مفسرین یہ بیان کرتے ہیں[3] کہ اس سے مراد صرف نمازیں نہیں، بلکہ عام ذکر مراد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں یہ سورتیں نازل ہوئیں، اس

---

[1] تفسیر کبیر ص ۲۵۹ ج ۳۰ [2] البدایہ والنہایہ ص ۲۳۸ ج ۵ [3] روح المعانی ص ۱۶۶ ج ۲۹، تفسیر کبیر ص ۲۵۹ ج ۳۰

Marfat.com

زمانے میں پانچ نمازیں تو فرض نہیں تھیں۔ فجر، عصر اور رات کی صرف تین نمازیں تھیں۔ پانچ نمازیں معراج کے موقعہ پر نبوت کے دسویں سال میں فرض ہوئیں۔ لہٰذا ذکر سے مراد خدا تعالےٰ کا عام ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا خود خدا تعالےٰ کا ذکر ہے، خدا تعالیٰ کی ذات تو بلند و برتر ہے۔ انسان کی براہِ راست اس تک رسائی نہیں لہٰذا اُس کا نام اور اس کی صفات کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں[1] ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدَۃً مَنْ اَحْصٰھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے ننانویں اسمائے پاک ہیں۔ جس نے اُن کو یاد کیا، اُن کا ورد کرتا رہا، جنت میں داخل ہوگا۔

قرآن پاک میں آتا ہے کہ کافر لوگ رحمان کے نام سے بدکتے ہیں۔ کہتے ہیں وَمَا الرَّحْمٰنُ رحمان کون ہے، وہ اللہ کے لفظ سے تو واقف تھے مگر رحمان سے ناواقف تھے۔ قرآن پاک میں آتا ہے وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اللہ تعالےٰ کے بہت سے اسمائے حسنہ ہیں۔ اُسے جس نام سے بھی یاد کروگے، وہ راضی ہوگا۔ رحیم، کریم، ستار، غفار، رزاق، رحمان بہت سے اسمائے پاک ہیں۔ اِن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد اُس کی رضا کا ذریعہ ہے۔ ذاتی نام صرف اللہ ہے، باقی سب صفاتی نام ہیں۔ تو فرمایا، پچھلے پہر بھی، صبح بھی اور رات کی گھڑی میں بھی اللہ تعالےٰ کے نام کا ذکر کرو۔ جس کے متعلق قرآن پاک میں تفصیل موجود ہے۔

ہر عبادت کی کوئی نہ کوئی حد (LIMIT) ہوتی ہے۔ مثلاً نماز خاص وقت پر ادا ہوگی، روزے مقررہ مہینہ میں فرض ہیں، حج کا وقت معین ہے، زکوٰۃ کا نصاب مقرر ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کا ذکر ایک ایسی عبادت ہے، جس کے لیے زمان و مکان کی کوئی حد مقرر نہیں یہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ مسند شریف کی روایت میں[2] ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر کثرت سے یاد کرو۔ کہ دیکھنے والے پاگل کہنے لگیں۔ حضور علیہ السلام ایک سفر پر تھے۔ ایک پہاڑ کو دیکھ کر فرمایا[3]۔ سِیْرُوْا ھٰذَا جُمْدَانُ یعنی یہ جمدان پہاڑ ہے سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ چلے چلو!

---

[1] مسلم ص۳۴۲ ج۲ بخاری ص۱۰۹۹ ج۲ [2] مسند احمد ص۶۸ ج۳ [3] مسلم ص۳۴۱ ج۲ ترمذی ص۵۱۷،

Marfat.com

مفرد لوگ سبقت لے گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! مفرد لوگ کون ہیں۔ فرمایا مُسْتَهْتِرُوْنَ فِیْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے ذکر میں فریفتہ ہونے والے یعنی کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے والے۔ قیامت کے روز کثرت ذکر بوجھ کو ہلکا کر دے گا۔ ایسے لوگ ہلکے پھلکے گزر جائیں گے۔ اللہ کے ذکر سے روگردانی کرنے والے اپنے آپ کو سخت بوجھل محسوس کریں گے۔

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ[1] آتے ہیں۔ مَامِنْ شَیْءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی چیزوں میں سب سے بڑھ کر اللہ کا ذکر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ ہر وہ مجلس جس میں مومن اللہ کا ذکر نہیں کرتا اور آپ پر درود نہیں پڑھتا، وہ مجلس اُس کے لیے قیامت کے روز حسرت کا باعث ہوگی۔ ترمذی شریف کی روایت میں[3] ہے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کی ہر مجلس کی ابتدا بھی اللہ کے ذکر سے ہوتی تھی اور اس کا اختتام بھی اُس کے ذکر سے ہوتا تھا۔

اسی لیے فرمایا کہ صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کریں۔ اور رات کے وقت اس کو سجدہ کریں۔ رات کے وقت میں تہجد کی نماز بھی داخل ہے اگرچہ یہ فرض نہیں ہے۔ تاہم نفلی نمازوں میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے بہت سے فضائل ہیں۔ سورۃ مزمل میں تفصیل موجود ہے

اس کے بعد فرمایا وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور رات کے ایک لمبے حصے میں اس کی تسبیح بیان کریں۔ نیند میں زیادہ وقت صرف نہ کریں۔ بلکہ اپنے رب کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہیں اس کا نتیجہ آخرت میں نکلے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ فرماتی[4] تھیں یَابُنَیَّ لَا تُکْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ یعنی اے بیٹے! رات کو نیند زیادہ نہ کیا کرو۔ کیونکہ قیامت کے روز زیادہ نیند انسان کو محتاج بنا دے گی۔ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[5]۔ کہ اُس شخص کی مثال گدھے کی ہے۔ جو رات کو غروب آفتاب کے ساتھ سو گیا حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ نہ بیدار ہوا، نہ اللہ کا ذکر کیا، نہ نماز پڑھی۔ اگر رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتا، ذکر الٰہی کرتا، اُسکی تسبیح بیان کرتا تو اس کے لیے

---

[1] ابن ماجہ ص۲۶۸ کنز العمال ص۱۵۷ ج۲ [2] ترمذی ص۴۸۷ مجمع الزوائد ص۷۹ ج۱۰ [3] شمائل ترمذی مع الترمذی ص۵۹۵
[4] الزہر الفائح ص۷ للامام محمد بن محمد یوسف الجزری الدمشقی المتوفی ۸۳۳ھ [5]

کفایت ہوتی۔

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے

اس کے بعد وہ وجہ بیان کی جس کی بنا پر مشرکین اور منکرین اسلام کے پروگرام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اسے فیل کرنا چاہتے ہیں فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ یہ لوگ دنیا کی زندگی سے محبت رکھتے ہیں۔ عاجلہ جلدی آنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ دنیا چونکہ آخرت کی نسبت جلدی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسے عاجلہ کہا گیا ہے فرمایا وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا یہ لوگ اپنے پیچھے قیامت کا بوجھل دن چھوڑ رہے ہیں۔ دنیا کی ایسی محبت جو انسان کو صحیح عقیدے، فرائض اور عمل سے غافل بنا دے، وہ مہلک ہے۔ بیہقی شریف[1] کی روایت میں ہے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ ہر گناہ کی جڑ اور بنیاد دنیا کی محبت ہے۔ انسان ہر وقت حب دنیا میں منہمک ہے اسے قیامت کی فکر ہی نہیں۔ اس زمانے میں دنیا کا عام ماحول یہی ہے۔ دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں متمدن ممالک ہوں یا غیر متمدن، روس اور چائنہ ہوں یا امریکہ اور فرانس ہر جگہ دنیا کی محبت کارفرما ہے، آخرت کا کسی کو فکر نہیں۔ بلکہ جدید تمدن نے ایسا کام خراب کر دیا ہے۔ کہ انسان چوبیس گھنٹے کھیل تماشے میں مشغول ہے۔ اور آخرت کا تصور تک اذہان سے نکل چکا ہے۔ ٹیلیویژن، سینما، پکچر، آرٹ گیلری کی طرف رجوع ہے۔ فحش گانے، بیہودہ باتیں اور لغویات اس کے ذہن پر سوار ہیں۔ آخرت سے غافل ہے۔ یہ جدید تہذیب ترقی کی بجائے تنزل کا پیش خیمہ ہے۔ یہ تمدن خدا فراموشی کا تمدن ہے۔ اکثر لوگ دنیا کی ایسی ہی محبت میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے[2] اے اللہ! لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا اس دنیا کو ہمارا بڑا مقصود اور مبلغ علم نہ بنا۔ دنیا کی مثال تو ایک گزرگاہ یا پل کی ہے۔ جس نے یہاں پہنچنے اور ایمان کا سودا خریدا اور آگے کی فکر کی، اسے کامیابی حاصل ہوگی۔ جو دنیا کی محبت میں منہمک ہو گیا، وہ ناکام ہو گیا۔

دنیا کی محبت کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اگر انہیں محاسبے کا یقین ہو کہ ایک دن باز پرس ہوگی تو یہ لوگ مخالفت سے باز آجائیں اور آخرت کی فکر کرنے لگیں۔

---

[1] فیض القدیر شرح جامع صغیر ص۳۶۸ ج۲ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان [2] ترمذی ص۵۰۴

Marfat.com

درس پنجم (آیت ۲۸ تا ۳۱)

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲/۹/۲۰

ترجمہ :- ہم نے ہی انسانوں کو پیدا کیا اور ان کی جوڑ بندی کو مضبوط کیا۔ اور جب ہم چاہیں گے ان کی جگہ ان جیسے اور لے آئیں گے ﴿۲۸﴾ یہ یاد دلانے والی باتیں ہیں۔ پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑ لے ﴿۲۹﴾ اور تم نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے ﴿۳۰﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی رحمت (بہشت) میں داخل کرتا ہے۔ اور ظالموں کے لیے اُس نے عذاب الیم تیار کیا ہے ﴿۳۱﴾

گذشتہ سے پیوستہ

اس سے پہلے یہ بیان ہوا کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا۔ اور یہ کلام الٰہی ہے اس کے منکرین متعصب اور عنادی لوگ ہیں جو محض ضد اور عناد کی وجہ سے مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو صبر کا پیغام دیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ کسی گنہگار اور ناشکر گزار کی بات نہ مانیں، کیونکہ وہ قرآن کریم کے پروگرام کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں۔ اُس کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور اس کی تسبیح بیان کریں۔ ایسا کرنے سے آپ کا دل مضبوط ہوگا۔ اور اللہ کے ساتھ تعلق درست ہوگا، روحانی ترقی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا۔ اور اس کے مقابلے میں تمام تکالیف ہیچ نظر آئیں گی۔

منکرین کے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ یہ دنیا سے محبت کرنے والے لوگ ہیں، یہ محض دنیوی زندگی کو دیکھتے ہیں اور اُسی کو پسند کرتے ہیں، دنیا کی محبت ان کے دلوں میں رچی بسی ہے اور آخرت پر ایمان بالغیب نہیں رکھتے یہی وجہ ہے۔ کہ توحید، نبوت قرآن اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ دنیا کی محبت انسان کو آخرت سے غافل بنا دیتی ہے۔ نیز فرمایا کہ ان کا انکار کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔ یہ بالکل بے وقوفی کی بات کرتے ہیں۔ قیامت

کا وقوع بالکل ایسا ہی ممکن ہے جیسا مشاہدے میں آنے والی چیزیں یقینی ہوتی ہیں۔ فرمایا تم اپنی پیدائش سے کیوں انکار نہیں کرتے۔ جب کہ اپنے وجود کو خود محسوس کر رہے ہو۔ پہلے کچھ نہ تھے۔ پھر پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے، گرد و پیش کی تمام چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔

انسان اپنے سامنے تمام حوادثات کو دیکھ رہا ہے۔ ایک موسم میں زمین خشک ہوتی ہے دوسرے موسم میں بارش ہوتی ہے۔ زمین سیراب ہوتی ہے۔ سبزی اور اناج پیدا ہوتا ہے پودے اور درخت اُگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اشارتاً سمجھائی کہ ان تمام چیزوں کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انسان قیامت کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی پیدائش کا انکار نہیں کرتے۔

پھر دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح انسان کو وجود بخشا فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جس نے انسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا۔ اس مضمون کو مختلف مقامات پر بیان فرمایا۔ اِس سورۃ کے آغاز میں بھی آیا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ہم نے انسان کو مرد و زن کے ملے جلے مادے سے پیدا کیا۔ اگلی سورۃ میں مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ آرہا ہے یعنی حقیر قطرۂ آب سے تخلیق کیا۔ اِسے سمیع و بصیر بنایا تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا دے بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ کیوں نہیں؟ وہ تو عظیم خالق ہے۔ جب چاہے گا، انسان کو لوٹائے گا۔ بالکل اسی طرح كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ جس طرح ابتداء میں مخلوق کو پیدا کیا۔ قیامت کے روز یہی لوگ اسی وجود اور انہی عناصر کے ساتھ موجود ہوں گے۔ جزائے عمل قطعی طور پر یقینی ہے۔

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے

فرمایا نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ ہم نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اور جب چاہیں گے دوبارہ اٹھا دیں گے۔ کافر کہتے ہیں کہ اگر قیامت حقیقت ہے۔ تو پھر آتی کیوں نہیں ہم نے تو مر کر کسی کو دوبارہ جی اٹھتے نہیں دیکھا۔ تو یہ ان کی ناسمجھی کی بات ہے۔ ہر چیز اپنے وقت اور موسم پر پیدا ہوتی ہے قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اُسی کے مطابق تمام کام انجام پاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ موسم بہار سے پہلے درخت کیوں نہیں پھوٹتے ان کے پتے اور شاخیں کیوں نہیں نکلتیں، تو یہ اُس کی بیوقوفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت برپا کرنے کے لیے بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ اسے وہ اپنے وقت پر ہی ظاہر کرے گا۔ قبل از وقت کوئی کام نہیں ہوگا۔ جس طرح ایک فرد

Marfat.com

واحد کی پیدائش اور اس کی موت کا وقت مقرر ہے۔ اسی طرح تمام عالم کی موجودگی اور پھر اس کے فنا کا وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا۔ تمام جہان فنا ہو جائے گا۔ اور پھر جب اللہ کا حکم ہوگا، دوبارہ قائم ہو جائے گا۔

فرمایا نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا، اور کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ یہ تو کافر اور مشرک بھی تسلیم کرتے ہیں۔ آپ اُن سے پوچھیں کہ انسان کو اور ساری کائنات کو کس نے پیدا کیا۔ کہیں گے، اللہ نے پیدا کیا۔ ہندو کہے گا۔ بھگوان نے یا ایشور نے پیدا کیا۔ ہر مذہب کا پیروکار اپنی اپنی زبان میں خدا کا نام لے گا۔ اس لحاظ سے تمام مذاہب والے متفق ہیں سوائے دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے، جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کو بھی نہیں مانتے تاہم باقی تمام ملل والے اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں۔

انسانی جسم کی جوڑ بندی

فرمایا انسان کو پیدا کیا وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ اور ان کی جوڑ بندی کو مضبوط کیا۔ اَسْرٌ کا معنیٰ ضبط، گرفت یا پکڑ ہوتا ہے۔ اسیر اسی لیے قیدی کو کہا جاتا ہے۔ کہ اُسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں یا رسیوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اُسْرٌ عربی زبان میں پیشاب بند ہو جانے کی بیماری کو کہتے ہیں۔ تو اَسر کا معنے ہے باندھنا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو! ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور اُن کی جوڑ بندی مضبوط بنائی ہے۔ یعنی اس کے اعضاء، اعصاب، پٹھے اور اس کے رباط کمال درجے کے پیدا کئے ہیں ہر جوڑ کو دوسرے کے ساتھ باندھنے کے لیے کمال درجے کے تسمے بنائے ہیں۔ انسانی جوڑ بندی میں ایسا مادہ رکھا ہے، جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ یہ مشینیں ہیں۔ کچھ عرصہ تک ان کے پرزے چلتے ہیں، پھر گھس جاتے ہیں، ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور مشین ناکارہ ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی کی ایسی مشینری تیار کی ہے جو اسی ۸۰ سال، سو ۱۰۰ سال بلکہ بعض اوقات ڈیڑھ سو ۱۵۰ سال تک چلتی رہتی ہے۔ انسانی اعضاء آپس میں اس قدر مربوط اور مضبوط ہوتے ہیں کہ لمبے عرصہ تک کام کرنے کے باوجود ان میں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ ان کے درمیان گریس نما مادہ پیدا کیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ الغرض تمام انسانی قویٰ کمال اعتدال کے ساتھ پیدا کئے ہیں۔

انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے[1] کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص رات گذار کر صبح کرتا ہے

---

[1] مسلم ص ۲۵۰

Marfat.com

اور صحت وسلامتی کے ساتھ اٹھتا ہے، اس کے ہر ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ انسان کے جسم میں کُل تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ہر جوڑ دوسرے کے ساتھ بندھا ہوا ہے، ایک ہڈی دوسرے کے ساتھ مرتبط ہے۔ پھر فرمایا، ہر آدمی اگر ایک ایک پیسہ فی جوڑ بھی صدقہ کرے تو ہر روز کتنا خرچ کرنا ہوگا۔ جس کی ہر انسان طاقت نہیں رکھتا۔ فرمایا جب کوئی انسان کوئی پاکیزہ کلمہ زبان سے نکالتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔ تسبیح کرتا ہے۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، کوئی نصیحت کی بات کرتا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتا ہے تو یہ سب اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے، اگر یہ بھی میسّر نہ ہو، تو فرمایا چاشت کے وقت دو نفل ہی پڑھ لیں، وہ بھی صدقہ بن جائیں گے۔ چاشت کا وقت تو دس بجے کا وقت ہوتا ہے جب دھوپ خوب اٹھ جاتی ہے۔ سورج نکلنے کے جلدی بعد جو نوافل ادا کئے جاتے ہیں، انہیں اشراق کہا جاتا ہے۔ تاہم چاشت کا وقت بعد میں ہوتا ہے۔ اسے ضحیٰ کا وقت بھی کہتے ہیں۔ اسی کو صلوٰۃ الاوابین بھی کہا جاتا ہے۔ الغرض یہ دو رکعت پڑھ لینا، تمام اعضا کا صدقہ بن جاتا ہے۔

بعث بعد الموت

انسان کو پیدا کرنے اور اس کی جوڑ بندی کرنے والے خداوند قدوس کا ارشاد ہوتا ہے۔ اِذَا شِئْنَا جب ہم چاہیں گے بَدَّلْنَا اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا۔ ان کی جگہ ان جیسے اور لے آئیں گے۔ یعنی جب انسان مر کر فنا ہو جائیں گے۔ تو اُن جیسے وجود دوبارہ لے آئیں گے، اُن کے عناصر بھی ایسے ہی ہوں گے، اسی طرح کا ظاہر باطن ہوگا، گویا بعث بعد الموت کا وعدہ پورا ہو جائے گا اگر انسان کی تخلیق اور اس کی جوڑ بندی ہمارا کام ہے، تو انہیں دوبارہ زندہ کر دینا بھی ہماری قدرت کاملہ میں ہے۔ ہم ان کو ضرور دوبارہ لے آئیں گے یہ خواہ مخواہ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

بُرے لوگوں کے بدلے اچھے لوگ

بَدَّلْنَا اَمْثَالَهُمْ کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اگر یہ کفار و مشرکین اپنی رذیل حرکتوں سے باز نہ آئے، تو ہم ان لوگوں کی جگہ دوسرے اچھے لوگ پیدا کر دیں گے۔ دوسری قوموں کو کھڑا کر دیں گے۔ جو فرمانبردار ہوں گی۔ یہ لوگ جن کو آج مال و دولت، اہل و اولاد اور جاہ و اقتدار نصیب ہے، یوں نہ سمجھیں کہ یہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے، بلکہ فرمایا جب ہم دیکھیں گے کہ ان کے ظلم حد سے بڑھ رہے ہیں۔ تو ان کی جگہ دوسروں کو تبدیل کر دیں گے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے سورۃ قتال میں یوں بیان فرمایا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ یعنی اگر تم روگردانی کرو گے ہدایت کے راستے سے ہٹ جاؤ گے۔ تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کھڑا کریں گے۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ مکے کے قریش جو اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے نابود کر دیا اور اُن کی جگہ انصار مدینہ کو کھڑا کر دیا، جو اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ غریبوں کی جگہ غنیوں کو پیدا کیا۔ جب غریبوں میں صلاحیت باقی نہ رہی تو اقتدار سچوقیوں کے پاس منتقل کر دیا۔ جب وہ بھی اس امانت کا بار اٹھانے کے قابل نہ رہے تو ترک آگئے اور اسلام کا جھنڈا تھام لیا۔ تو فرمایا، قوموں کا یہی حال ہے۔ جب ایک قوم اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے، تو اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے۔

افراد کا بھی یہی حال ہے۔ جو افراد انفرادی طور پر حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بجائے بہتر افراد کو لے آتا ہے۔ مکہ کے لوگوں میں سے بعض سخت دشمن تھے۔ جن میں ابوجہل سرفہرست ہے۔ ولید ابن مغیرہ بھی سخت کینہ پرور تھا۔ اللہ نے اُسے بڑا دولت مند بنایا تھا۔ کروڑوں روپے کا کاروبار تھا، ہزاروں جانور تھے، طائف میں باغات تھے، دس جوان بیٹے تھے جن پر فخر کرتا تھا۔ خاندان قریش میں عتبہ بھی نامور شخص تھا، جو جنگ بدر میں مارا گیا۔ اُس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے بیٹے حذیفہؓ کو مامور کیا۔ جو مہاجرین اولین میں سے ہے۔ اعلیٰ درجے کا فرمانبردار اور مطیع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اسلام کا شیدائی بنایا۔

ولید ابن مغیرہ کی جگہ اس کا بیٹا خالدؓ آیا۔ یہ وہی خالد بن ولید ہے۔ جسے حضور علیہ السلام نے سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ[1] یعنی اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کا خطاب دیا۔ انہوں نے یرموک اور قادسیہ کی جنگوں میں فتح حاصل کی۔ اسلام کے اس قدر فدائی تھے کہ ساری جائداد اللہ کے راستے میں وقف کر دی اور اپنے لیے کچھ باقی نہ رکھا۔ اس قسم کے جذبہ ایمان کے حامل تھے۔ ابوجہل جیسے دشمن اسلام کا بیٹا عکرمہؓ ایمان لایا تو ہر معاملہ میں پیش پیش تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جو جنگیں ہوئیں، اُن میں حضرت عکرمہؓ اوّل نمبر پر تھا۔ آخر کار قادسیہ کے بعد ایک معرکے میں جام شہادت نوش کیا۔

بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ دشمنان دین کی شکلیں ہی تبدیل انسانی شکلوں کی تبدیلی

---

[1] بخاری ص۵۳۱ ج۱، مسلم ص۲۳۷ ج۱، ترمذی ص۵۴۷)

Marfat.com

کر دیتا ہے۔ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ جب کوئی قوم نافرمانی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے، تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ ان کی شکلیں تبدیل کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کا حال پڑھ لیں وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ دریا کے رہنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا تھا۔ وہ لوگ بڑے سازشی اور نافرمان تھے۔ نبیوں کے مخالف اور قانون خداوندی کو توڑنے والے تھے۔ ان کا کیا حشر ہوا جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ اُن کو بندروں اور سوروں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اس امت میں بھی ایسا ہی ہوگا، مگر نہایت قلیل۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی نشانیوں میں ایسے واقعات کی نشاندہی فرمائی[1]۔ نیز فرمایا کئی انسان زمین میں دھنس جائیں گے جیسا قارون دھنس گیا تھا۔ اور اسی طرح شکلیں بھی تبدیل ہوں گی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[2] کہ جب انسان شر ثالث میں داخل ہو جائیں گے، تو شکلیں تبدیل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ شر ثالث سے مراد یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں خراب ہو جائیں۔ شر تین قسم کے ہیں۔ شر اول معمولی نوعیت کا ہے۔ ہم لوگ اوسط درجے کے شر میں مبتلا ہیں اور جب شر ثالث آئے گا تو شکلوں کی تبدیلی میں بھی دیر نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعض واقعات کی نشاندہی فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بھی بعض ایسے ہی واقعات پیش آئے اور یہ آئندہ بھی آسکتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا۔ جب ہم چاہیں گے، ایسے دشمنان کی شکلیں بھی تبدیل کر دیں گے۔

قرآن پاک یاد دہانی ہے

سورۃ کے آخری حصہ میں قرآن پاک کا ذکر کیا۔ اور فرمایا اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ یہ یاد دلانے والی یا نصیحت کی باتیں ہیں هٰذِهٖ کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے۔ جو اس سورۃ مبارکہ میں نازل کی گئی ہیں۔ یا جو باقی سورتوں میں نازل ہوئیں۔ یہاں تَذْكِرَةٌ کا لفظ آیا ہے، کہیں فرمایا هٰذِهٖ بَصَآئِرُ یعنی یہ بصیرت پیدا کرنے والی چیزیں ہیں ان آیات کو پڑھ کر دل و دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ ایمان کی دولت اور کمال درجے کی روحانیت نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا یہ آیات کسی قوم کا رسم و رواج یا برداری کی باتیں نہیں ہیں بلکہ تَذْكِرَةٌ یعنی یاد دلانے والی نصیحت کی باتیں ہیں۔ آج کل عربی زبان میں تذکرہ ریل یا بس کے ٹکٹ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی یاد دہانی

---

[1] ترمذی ص۳۲۲ موارد الظمآن ص۴۶۶ [2] البدور البازغہ ص۱۳۴ طبع قدیم۔

Marfat.com

ہوتی ہے۔ کہ یہ شخص بس یا ریل میں سفر کر سکتا ہے۔ ایک قسم کی سند ہوتی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مبدا، معاد اور وسط تینوں چیزوں کا ذکر فرما دیا۔ مبدا سے مراد انسان کی ابتدا ہے۔ کہ انسان لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا۔ اور پھر اسے سمیع و بصیر بنایا۔ تو انسان یا تو شکر گذار بن کر جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔ یا ناشکر گزاری کر کے زنجیروں، طوق اور بڑھکتی ہوئی آگ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں اس قرآن پاک میں نازل فرمائیں تاکہ انسان نصیحت پکڑے۔

منجملہ ان کے اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی پاکیزہ اصول بیان فرمائے۔ ابرار کی صفات کے طور پر فرمایا وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ وہ غریب پروری کرتے ہیں۔ یہ اصول ایک طرف دنیوی ترقی کا زینہ ہے تو دوسری طرف قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔ محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلانا، ان کے ساتھ ہمدردی کرنا کمال درجے کا اصول ہے۔ اسی طرح ایک اور اصول بیان فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہو۔ یہ بہت بڑا وظیفہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے۔ نیز فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ خدا تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ تاکہ نجات حاصل کر لو۔ اسی طرح تسبیح بیان کرنے کا اصول بھی بتلا دیا۔ یہ سب شریعت یا وسط ہے۔ تو گویا اس سورۃ میں مبدا، معاد اور وسط تینوں چیزوں کا ذکر آگیا ہے۔

غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے

تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ سبحان اللہ کہنا یعنی اللہ تعالیٰ ہر عیب، نقص، ضعف، کمزوری، اولاد اور تمام چیزوں سے پاک اور مبرا ہے۔ سبحان اللہ کا لفظ جگہ جگہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ جیسے سُبْحٰنَ الَّذِي أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ یا پھر وَّسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔ خدا تعالیٰ کو منزہ اور مبرا سمجھنا اس کی توحید کا تقاضا ہے۔

اسی طرح نماز کا اصول بتایا وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور رات کو اپنے رب کے لیے سجدہ کرو۔ اگلی سورۃ میں رکوع کا ذکر بھی آئے گا۔ سجدہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا آخری اور انتہائی فعل ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی تعظیمی فعل نہیں۔ اسی لیے اللہ کے سوا غیر کو سجدہ کرنا حرام ہے۔

Marfat.com

ایک صورت میں کفر ہے اور دوسری میں حرام ہے۔ اگر غیر اللہ کو سجدہ تعظیم کے لیے کیا تو کفر لازم آیا۔ اور اگر بغیر تعظیم کے محض روادی میں کیا یا رواج کے طور پر سجدہ کیا، تو بھی حرام کا مرتکب ہوا۔ لہٰذا کسی انسان یا کسی اور چیز کے سامنے سجدہ روا نہیں۔ یہ اصول فَاسْجُدُوْا لَهٗ میں واضح کیا گیا ہے۔

قرآن پاک کا خلاصہ

سورۃ دہر درمیانے درجے کی سورۃ ہے۔ اس سے پہلے بڑی بڑی سورتیں تھیں، اور اس کے بعد بالکل چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں میں دین کا خلاصہ اور قرآن پاک کی تعلیمات کو مجملاً بیان فرما دیا۔ مبدا، شریعت اور معاد کے تمام اصول واضح کر دیے۔ قرآن پاک نازل فرما کر تمام پروگرام سمجھا دیے۔ نماز صرف اللہ کی تعظیم اور اس کے ذکر کے لیے ہے۔ فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ ہر سورۃ میں آپ کو قرآن پاک کا خلاصہ ملے گا کہ کیا کرنا چاہیئے، کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ کن چیزوں سے بچنا ضروری ہے جیسے ناشکر گزاری، شرک، کفر اور معصیت وغیرہ۔ اسی طرح اللہ کی اطاعت کی تلقین کی گئی۔ عقیدہ درست کرو۔ مبدا اور معاد کو سمجھو، نماز پڑھو، تسبیح کرو۔ رب کا نام یاد کرو، انسان کے ساتھ ہمدردی کرو۔ یتیموں، مسکینوں اور اسیروں کے ساتھ احسان کرو تاکہ اللہ کے ہاں تر و تازگی اور سرور حاصل ہو۔ یہ تمام اصول اس سورۃ مبارکہ میں بتلا دیے گئے ہیں۔

انسان کا اختیار اور اضطرار

فرمایا یہ تذکرہ اور نصیحت ہے فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑے۔ اس میں جبر و اکراہ نہیں بلکہ یہ انسان کے اپنے فائدے کی بات ہے ہاں البتہ اتنا ضرور بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ پکڑو گے تو کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔ اگر ناشکری کا راستہ پکڑو گے، تو جہنم میں جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک حد تک فعل میں مختار بنایا ہے اُس پر دین ٹھونسا نہیں جائے گا۔ بلکہ اگر وہ اپنے اختیار اور ارادے سے ایمان لائے تو اُسے قبول کیا جائے گا، جو کام انسان اپنے ارادے سے کرتا ہے اُسی پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔ جبر و اکراہ یا اضطراری صورت میں کیے گئے فعل پر باز پرس نہیں ہوتی کیونکہ ایسی حالت میں انسان مجبور ہوتا ہے۔ رعشہ کا مریض جس کا ہاتھ خود بخود کانپتا رہتا ہے اگر اس سے کوئی برتن گر کر ٹوٹ جائے تو قابل مؤاخذہ نہیں۔ البتہ کوئی تندرست اور صحیح سلامت شخص اپنے اختیار اور ارادے سے کوئی نقصان کرے

Marfat.com

گا۔ تو اس سے مؤاخذہ ہوگا، تاوان وصول کیا جائے گا۔ اسی لیے فرمایا فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا یہ انسان کے اپنے ارادے اور خواہش پر منحصر ہے۔ کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے

اگر انسان یہ سمجھنے لگ جائے کہ وہ ہر طرح سے خود مختار ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ انسان خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ خود انسان کو اور اس کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ انسان کا کام کسب ہے۔ جیسے فرمایا مَا کَسَبْتُمْ کام تو انسان کرتا ہے۔ مگر اس میں نفع ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ کسب کا معنیٰ یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی طاقت انسان کو دی ہے اس کے مطابق انسان عزم کرے۔ صحیح راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ فہم و بصیرت عطا کر دیتے ہیں اور اگر کوئی شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی ہم اُسے اُدھر ہی جانے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ بھٹکتا پھرے۔ بہر حال توفیق دینا اللہ کا کام ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ نیک کام کی بھی توفیق منجانب اللہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص برا ارادہ کرتا ہے تو بھی توفیق اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ خالق اللہ کی ذات ہی ہے۔ انسان کو صرف کسب کی حد تک اختیار ہے۔

فرمایا یہ نہ سمجھو کہ ہم نے انسان کو بالکل ہی خود مختار بنا دیا ہے، بلکہ انسان کو اختیار ایک خاص حد تک دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اس کی مثال انسان کے سانس جیسی سمجھو کہ سانس لینے میں اختیار بھی پایا جاتا ہے اور اضطرار بھی۔ انسان اپنے اختیار سے سانس کو چھوٹا بڑا کر سکتا ہے۔ جوگی مشق کر کے پندرہ پندرہ منٹ تک سانس روکے رکھتے ہیں۔ بعض اوقات تین تین اور چھ چھ ماہ تک سانس روکے رکھتے ہیں اور زندہ بھی رہتے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں اصل سانس پر اختیار حاصل نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ انسان سویا ہوا ہوتا ہے، مگر اُس کی سانس غیر ارادی طور پر جاری رہتی ہے۔ گویا اصل پر اختیار حاصل نہیں الغرض کسی چیز کی مشیت انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور جو فعل انسان اپنے عزم اور ارادہ سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر مؤاخذہ ہے۔

نیک و بد کا انحصار

فرمایا وَمَا تَشَآءُوْنَ اور تم نہیں چاہو گے اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر یہ کہ اللہ چاہے اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ یعنی وہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اور یہ سارا نظام کمال حکمت سے قائم کیا ہے۔ اگر کوئی شخص برا کام کر رہا ہے

Marfat.com

تو اللہ نے اپنی حکمت کے ساتھ اس میں ایسا مادہ رکھا ہے۔ کہ وہ اللہ کے عطا کردہ اختیار کو خراب کر کے دوسرا راستہ اختیار کر رہا ہے۔ اُسے اس کا نتیجہ لازمی بھگتنا پڑے گا۔

فرمایا یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی رحمت یعنی بہشت میں داخل کرتا ہے۔ اور چاہت اُسی کے لیے ہوگی جو اس کے عطا کردہ اختیار کو درست طور پر استعمال کرے گا۔ مشیت الٰہی اُسی کے حق میں ہوگی۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ اس بات کو یوں واضح کیا گیا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو ہماری طرف آنا چاہتے ہیں۔ ہم ضرور اُن کے لیے راستہ واضح کر دیتے ہیں اور جسے صحیح راستہ کی ضرورت ہی نہیں، ہدایت کا خواہشمند ہی نہیں تو ہم کہتے ہیں، جدھر تمہارا جی چاہے، چلے جاؤ۔ ہم اُسی طرف کی توفیق دیتے رہیں گے۔ یہی نہیں بلکہ جب وہ غلط راستے پر پختہ ہو جاتے ہیں تو طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ اللہ تعالیٰ اُن کے بغض و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وہ کفر و شرک پر اصرار کرتے ہیں۔ صحیح راستے کی طرف آنے کی اُن میں خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان پر ٹھپہ لگا دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ ایسے ظالموں کے لیے عذاب الیم تیار کیا گیا ہے۔ ظالم سے مراد وہی کافر اور مشرک ہیں جیسا فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ نیز فرمایا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کافر ہی ظالم ہیں انہی لوگوں کے لیے سخت ترین سزا مقرر کی گئی ہے۔

Marfat.com

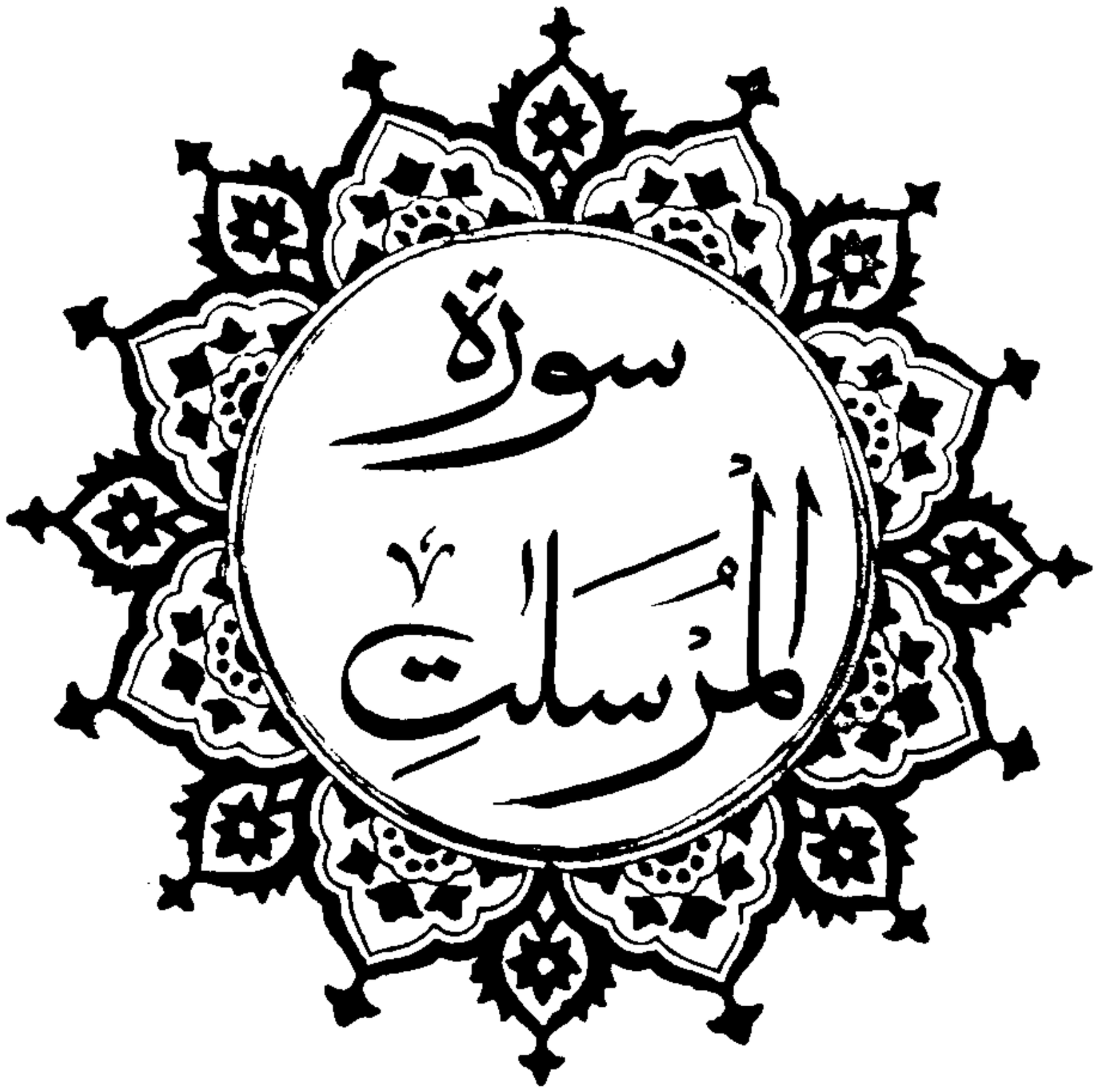

Marfat.com

تبٰرک الذی ۲۹ — المرسلٰت ۷۷

درس اوّل — (آیت ۱ تا ۱۵)

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ مرسلٰت مکی ہے۔ اور یہ پچاس آیتیں اور اس سورۃ میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا
تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ
﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: قسم ہے ان ہواؤں کی جو آہستہ آہستہ چلتی ہیں ﴿۱﴾ پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو تیز چلتی ہیں ﴿۲﴾ اور قسم ہے ان ہواؤں کی جو ابھارنے والی ہیں (بادلوں کو) اٹھا کر ﴿۳﴾ پھر قسم ہے پھاڑنے والی ہواؤں کی ﴿۴﴾ پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو نصیحت کی بات ڈالتی ہیں ﴿۵﴾ عذر دور کرنے کے لیے یا مجرمین کو ڈرانے کے لیے ﴿۶﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے ﴿۷﴾ پس جب ستارے مٹا دیے جائیں گے ﴿۸﴾ اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔ ﴿۹﴾ اور جب پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا ﴿۱۰﴾ اور جب رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا ﴿۱۱﴾ کس دن کے لیے مہلت دی گئی ہے ﴿۱۲﴾ فیصلے کے دن کے لیے انہیں مہلت دی گئی ہے ﴿۱۳﴾ اور آپ کو کس نے بتایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے ﴿۱۴﴾ اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے ﴿۱۵﴾

Marfat.com

وجہ تسمیہ، نزول اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ المرسلات ہے۔ اس کی پہلی آیت میں مرسلات کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی سے اس سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین[1] کا خیال ہے۔ کہ یہ مکمل سورۃ مکی ہے یعنی ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض مفسرین[2] کا خیال ہے۔ کہ اس کی بعض آیات مدنی زندگی میں بھی نازل ہوئیں۔ تاہم راجح خیال یہی ہے کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں[3]۔ کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ منیٰ میں مقیم تھے۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں تشریف فرما تھے۔ ہم آپ کے ارد گرد جمع تھے، اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اور ہم اسے تازہ بتازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے سُن رہے تھے۔ اور اس کو یاد کر رہے تھے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔

اس سورۃ کی چھوٹی چھوٹی پچاس[۵۰] آیتیں ہیں۔ دو[۲] رکوع، ایک سو اکیاسی[۱۸۱] الفاظ، اور آٹھ سو سولہ[۸۱۶] حروف ہیں۔

موذی جانور کو مارنے کا حکم

اسی منیٰ کے قیام کا ذکر ہے[4]۔ کہ کسی غار میں سے پتھروں کے درمیان سانپ نکلا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مارنے کا حکم دیا۔ فرمایا اگر تم ایسے موذی جانور کو نہیں مارو گے، تو وہ تم پر حملہ کر کے تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اسی لیے حدیث شریف[5] میں آتا ہے۔ کہ پانچ چیزیں موذی ہیں انہیں حرم میں بھی قتل کرو اور احرام کی حالت میں بھی ہلاک کر دو۔ جب اور جہاں بھی موقع ملے انہیں مارنے میں تامل نہ کرو۔ ان پانچ چیزوں میں سانپ اور بچھو بھی شامل ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد کی تعمیل میں سانپ کو مارنا چاہا مگر وہ بھاگ کر کسی سوراخ میں گھس گیا اور اپنی جان بچا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا یعنی وہ تمہارے شر سے بچا لیا گیا۔ جس طرح تم اُس کے شر سے بچا لیے گئے۔ شر اضافی چیز ہے۔ ویسے سانپ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور وہ بھی اپنے جسم میں جان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے مصلحت اور حکمت کے مطابق پیدا کیا ہے۔ کائنات میں اُس کی بھی ضرورت ہے۔ مگر انسان کی نسبت اس کا وجود شر پر مشتمل ہے۔ اس کا شر تو یہی تھا کہ مارا جاتا

---

[1] روح المعانی ص۱۶۹ ج۲۹، درمنثور ص۳۰۲ ج۶ [2] تفسیر اتقان ص۱۷ ج۱ [3] بخاری ص۷۳۴ ج۲
[4] بخاری ص۷۳۴ ج۲، نسائی ص۳۱ ج۲ [5] مسلم ص۳۸۱ ج۱، نسائی ص۳۱ ج۲

Marfat.com

تو شر میں مبتلا ہوتا کیونکہ جان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا شر میں مبتلا ہونا ہے اور تمہارا اس کے شر سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے حملہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اگر وہ کسی کو کاٹ ڈالتا، تو تم شر میں مبتلا ہو جاتے۔ لہذا تم اس کے شر سے محفوظ رہے اور وہ تمہارے شر سے بچا لیا گیا

حضرت عبداللہؓ اور حضرت عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ حضور علیہ السلام کی خواہش تھی آپ کے چچا یعنی عبداللہؓ کے باپ حضرت عباسؓ مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی عزت بخشی۔ حضور علیہ السلام نے اُن کے لیے اور اُن کی اولاد کے لیے خصوصی دعا مانگی[1]۔ چنانچہ آپ خطبہ میں ہمیشہ ان کے لیے دعائیہ جملہ سنتے ہیں۔ یہ آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اولاد میں ساڑھے چھ سو سال تک خلافت قائم رکھی۔ دنیوی لحاظ سے یہ سب سے بڑا اعزاز تھا جو اُن کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے خلافت کی یہ دولت عباسیوں سے لے کر سلجوقیوں کو دے دی۔ اور پھر یہ امانت ترکوں کے پاس آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا[2] کہ اگر قریش میں دو اشخاص بھی صاحب صلاحیت ہوں گے تو حکومت انہیں میں رہے گی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حالات بگڑ چکے تھے انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۶۵۶ یا ۶۵۷ ہجری میں تاتاریوں نے حملہ کیا۔ اور عباسیوں کی خلافت ختم ہو گئی۔ اس حملے میں ایک کروڑ مسلمان مارا گیا، تمام کتب خانے درہم برہم ہو گئے۔ انہیں دریائے دجلہ میں پھینک دیا گیا۔ تاتاری بڑے وحشی قسم کے لوگ تھے مگر خدا کی قدرت ایک دو نسلیں بھی نہ گزری تھیں کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

ام فضلؓ

الغرض انہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے[3]۔ کہ اُن کی والدہ اور آپ کی چچی ام فضلؓ جو کہ نہایت پارسا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ ہیں، ان کے سامنے حضرت عبداللہؓ نے سورۃ مرسلات کو تلاوت کیا، تو وہ کہنے لگیں یٰبُنَیَّ لَقَدْ ذَکَّرْتَنِیْ بِقِرَاءَتِکَ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ یعنی اے بیٹے! یہ سورۃ تلاوت کر کے تم نے مجھے یاد دلایا ہے۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو آخری سورۃ سُنی، وہ یہی سورۃ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طے مغرب کی نماز میں تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک کا کوئی حصہ نہیں سن سکی۔ حتیٰ کہ آپ

---

[1] ترمذی ص۵۳۹، مسلم ص۱۱۹ ج۲، بخاری ص۴۹۷ ج۱ [2] بخاری ص۱۰۵ ج۱، مسلم ص۱۸۷ ج۱

Marfat.com

رحلت فرما گئے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں[1]۔ کہ مغرب کی نماز میں مختصر تلاوت کا حکم ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس نماز میں تخفیف ہی فرماتے تھے۔ حضرت ام فضلؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے نماز مغرب میں پوری سورۃ پڑھی مگر ہو سکتا ہے۔ کہ کسی موقع پر پوری سورۃ پڑھی ہو اور کسی موقع پر اس کا کچھ حصہ بہر حال یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔

اگلی اور پچھلی سورتوں کا آپس میں ربط

یہ سورۃ اور اس سے پہلی اور اس کے بعد والی سورتوں کا آپس میں ربط ہے۔ اس سے پہلے سورۃ جن میں منکرین کو تنبیہ کی گئی تھی۔ کہ دیکھو! تم انسان ہونے کے باوجود خدا تعالےٰ کا کلام نہیں سمجھتے، حالانکہ جنات حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے قرآن پاک سُن کر ایمان لے آئے۔ مگر ملک عرب اور خاص طور پر مکہ کے باشندے ہم جنس انسان ہونیکے باوجود ایمان نہیں لائے، وہ کفر و شرک میں ہی ڈوبے ہوئے ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ گویا اس انداز میں کفار کو تنبیہ تھی۔

اس کے بعد سورۃ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کی تکمیل کا ذکر فرمایا یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ یعنی اے نبی علیہ السلام رات کو قیام کریں اور خدا کی بارگاہ میں مناجات کریں، نماز پڑھیں تاکہ نفس کی تکمیل ہو اور پھر اسی تکمیلِ نفس کے اعتبار سے قیامت کا ذکر فرمایا۔ اس سے اگلی سورۃ مدثر میں دوسروں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے کا حکم دیا گیا یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی اے لحاف اوڑھنے والے۔ آپ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور مخلوق خدا کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرائیں، خبردار کریں۔ وہاں پر اس اعتبار سے قیامت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے اگلی سورۃ قیامت میں بھی خاص طور پر قیامت کا ہی ذکر ہے۔ اور اس سورۃ میں انسان کے مختلف نفوس کا اعتبار کیا ہے۔ یعنی انسان میں تین قسم کے نفوس پائے جاتے ہیں، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ اور نفس امارہ۔ فرمایا وہاں ہر نفس، نفس لوامہ بن جائے گا۔ انسان خود اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ کہ افسوس میں نے ایمان کیوں نہ قبول کیا۔ نیکی کا راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ چنانچہ اس لحاظ سے قیامت کا ذکر ہے۔

اس کے بعد سورۃ دہر میں ابرار اور فجار کے اعتبار سے قیامت کا ذکر ہے۔ کہ دونوں قسم کے

---

[1] شرح معانی الآثار ص۱۴۵ تا ص۱۴۷

Marfat.com

کے لوگوں کا کیا انجام ہوگا۔ اور قیامت کے روز کیا معاملات پیش آئیں گے۔ ابرار کے انعامات کا خاص طور پر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ منکرین کا شکوہ کیا گیا ہے اور قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا بیان ہے۔

سورۃ کا موضوع

سورۃ مرسلات کا مرکزی نقطہ یا موضوع (SUBJECT) نبیوں کے وقت مقرر کرنے کے اعتبار سے قیامت کا ذکر ہے۔ یعنی جب نبیوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا، اور وہ اپنی امتوں کے ہمراہ حاضر ہوں گے جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجِاْیٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ نبی اور شہید (گواہی دینے والے) لائے جائیں گے وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ اور ان کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ تو گویا اس سورۃ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے وقت مقرر کئے جانے کے اعتبار سے قیامت کا ذکر ہے۔ یعنی اس قیامت والے دن کی تفصیلات بیان ہو رہی ہیں۔ جس دن تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں حاضر ہونگی اور اُس دن تکذیب کرنے والوں کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔ ان مکذبین نے اللہ تعالیٰ کی جس جس نعمت کا انکار کیا تھا۔ اس کا نام لے لے کر کہا گیا ہے وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ یعنی اُس دن مکذبین کے لیے تباہی و بربادی ہے۔ اس آیت کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سورۃ الرحمٰن میں خدا تعالیٰ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد پوری سورۃ میں اکتیس ۳۱ مرتبہ اس آیت کو دہرایا گیا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

مختلف اعتبارات سے قیامت کا ذکر

اس سے اگلی سورۃ میں کاشتکاروں کی ذہنیت کے اعتبار سے قیامت کا ذکر ہے۔ جس طرح وہ بوتے ہیں، پھر کاٹتے ہیں اور فصل آتی ہے۔ اُس کا ذکر کر کے قیامت کا حال بیان ہوا ہے۔ اُس سے اگلی سورۃ میں ایک نہایت ہی گہری (DEEP) بات کا ذکر ہے۔ دانش و حکمت کی رو سے قانونِ جذب و کشش کے پیش نظر قیامت کا ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد سورۃ عبس میں انسان کے رشتہ داروں اور متعلقین کے اعتبار سے قیامت کا بیان ہے۔ پھر اُس سے اگلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کائنات پر قیامت کے کون سے اثرات مرتب ہوں گے۔ اس کے بعد انسان کے باطن پر قیامت کے اثرات کا ذکر ہے۔ اور پھر تاجروں کے نقطہ نظر سے قیامت کا حال ہے الغرض بے شمار موضوعات کے اعتبار سے افراد کی مختلف کیفیتوں کے پیش نظر قیامت کا ذکر کیا گیا ہے

ہوا کی اہمیت

اس سورۃ کے ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم اٹھا کر قیامت کا حال بیان کیا ہے۔

Marfat.com

ارشاد ہوتا ہے۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قسم ہے چھوڑی ہوئی ہواؤں کی۔ پہلی پانچ آیات کے الفاظ مرسلات، عاصفات، ناشرات، فارقات اور ملقیات کے متعلق مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ بعض[1] نے ان الفاظ سے ہوائیں مراد لیا ہے، جب کہ دیگر مفسرین نے ان سے فرشتے مراد لیا ہے۔ عام تفسیر میں ان الفاظ کا معنیٰ ہوائیں ہی کیا گیا ہے۔

عرفاً کا معنیٰ پے در پے یا مسلسل ہے۔ عرف کا لفظ گھوڑے کی گردن کے بالوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ جس کی جمع اعراف آتی ہے۔ گھوڑے کی گردن کے بال آپس میں جڑے ہوئے اور پے در پے ہوتے ہیں، اس لیے انہیں اعراف کہا جاتا ہے۔ عرب اپنی بہادری پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

ثُمَّةَ قُمْنَا اِلٰی جُرْدٍ مُّسَوَّمَةٍ
اَعْرَافَهُنَّ لِاَيْدِيْنَا مَنَادِيْلُ

ہم نے گوشت بھون کر کھایا کھڑے ہو گئے اور گھوڑے کی گردن کے بالوں سے ہاتھ صاف کر لیے کہ ہمارا بہترین رومال یہی تھا۔ گویا عرب اپنی بہادری اور جفاکشی کا ذکر کر رہا ہے۔ کہ کھانا کھانے کے بعد وہ پانی سے ہاتھ نہیں دھوتے بلکہ گھوڑے کی گردن کے بالوں سے ہی ہاتھ صاف کر لیتے ہیں۔ الغرض عرف کے لغوی معنی گھوڑے کی گردن کے بال ہیں اور اس جگہ پر اس سے مراد ہوائے مسلسل ہے

ہوا کے عناصر

ہوا ایک لطیف چیز ہے۔ جو ہر ذی جان کی حیات کے لیے ضروری ہے۔ ہوا بسیط نہیں بلکہ مرکب ہے اور اس میں بہت سے عناصر شامل ہیں۔ اس میں وہ لطیف عنصر آکسیجن بھی موجود ہے۔ جو حیاتِ انسانی اور خون کی صفائی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ہر سانس کے ساتھ آکسیجن انسان کے جسم میں داخل ہوتی ہے جس کے ذریعہ خون صاف ہوتا ہے اور انسان کو تازہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اسی سانس کے ذریعے کاربن ڈائی اکسائڈ انسانی جسم سے باہر نکلتی ہے، جو کہ ثقیل اور دخانی گیس ہے۔ اگر یہ گیس انسان کے جسم میں رُک جائے تو دم گھٹ جائے۔ چنانچہ سعدی صاحبؒ گلستان کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔ انسان کو ہر سانس کے ذریعے دو نعمتیں نصیب ہوتی ہیں اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں[2]۔ کہ چوبیس گھنٹے میں انسان کو چوبیس ہزار نعمتیں سانس کے ذریعے حاصل ہوتی

---

[1] درمنثور ص۳۰۳ ج۶، تفسیر ابن کثیر ص۴۵۲ ج۴ و ص۴۵۹، روح المعانی ص۱۶۹ ج۲۹، تفسیر کبیر ص۲۶۵ ج۳۰ [2] کتاب الروح ص

Marfat.com

ہیں۔ انسان تو صرف سانس کی ان نعمتوں کا ہی شکر ادا نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ آنکھ، کان، قلب، دماغ اور دیگر تمام اعضائے ظاہرہ اور باطنہ کا شکریہ ادا کرے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ بیشک انسان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

ہوا کے خواص

ہوا جب آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ خصوصاً مشرق یا شمال کی جانب سے تو نہایت خوشگوار ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا[1] کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد مشرقی ہوا کے ذریعے فرمائی غزوہ خندق کے موقعہ پر جب مشرقی ہوا چلی تھی۔ تو کفار کے خیمے اکھڑ گئے تھے۔ وہ درہم برہم ہو گئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے مغرب کی گرم ہواؤں کے ذریعے ہلاک کیا۔ تاہم جب یہی ہوا آہستہ آہستہ چلتی ہے تو اس کے ایک ایک جھونکے کی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔ موسم گرما میں ہم ہوا کے لیے طرح طرح کے مصنوعی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی دستی پنکھوں کا سہارا لیتے ہیں کبھی بڑا سا پنکھا چھت میں باندھ کر زیادہ مقدار میں ہوا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں مختلف نوع کے بجلی کے پنکھوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ مگر قدرتی طور پر چلنے والی ہوا خاص طور پر صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے مقابلے میں مصنوعی طریقوں سے حاصل کردہ ہوا کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہی ہوا جب ساٹھ ستر میل کی رفتار سے چلتی ہے، تو طوفان برپا کر دیتی ہے درختوں کو اکھاڑ دیتی ہے۔ چھتوں کو اڑا دیتی ہے، عمارتوں کو گرا دیتی ہے۔ اور انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ رات کو طوفان آنے والا ہے۔ ریگستانی علاقے میں سخت ہوا چلے گی۔ حضور علیہ السلام نے اعلان کیا[2] کہ رات کو سخت آندھی آنے والی ہے۔ کوئی آدمی کھڑا نہ ہوا۔ اپنی چیزوں کو بھی سنبھال کر رکھیں اور جانوروں کو بٹھائے رکھیں۔ اتفاق سے صحابہؓ میں سے ایک شخص اس حکم پر عمل نہ کر سکا۔ شاید وہ بھول گیا یا اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پہنچا ہی نہیں۔ جونہی وہ آندھی کے دوران اٹھ کر کھڑا ہوا تو آندھی نے اُسے اٹھا کر طی کے پہاڑوں میں پھینک دیا جو کہ وہاں سے سینکڑوں میل دور تھے۔ وہ بیچارہ ایک ماہ کا سفر طے

---

[1] مسلم ص ۲۹۵ ج ۱ ۔ [2] مسلم ص ۲۴۶ ج ۲

Marfat.com

کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچا۔ ہوا اتنی تند و تیز تھی۔ ریگستانی علاقوں میں تو ہوا کے حملے اور بھی سخت ہوتے ہیں۔ ریت کے تودے اڑتے چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات اونٹ ان تودوں میں دب کر رہ جاتے ہیں

ہوا اور قیامت میں باہمی ربط

اسی ہوا کی مختلف کیفیتوں کی مثال دے کر آگے قیامت کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ فرمایا آج جو تمہارے گرد و پیش میں چھوٹے چھوٹے خوشگوار واقعات پیش آ رہے ہیں، اور جن کاموں پر تم خوش ہو رہے ہو یہی امور آگے چل کر قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہونگے جسطرح نرم ہوا آندھی کی شکل اختیار کر کے طوفان برپا کر دیتی ہے۔ اسی طرح جن امور پر آج خوش ہو رہے ہو، یہی کام قیامت کے روز طوفان برپا کر دیں گے، حالات الٹ پلٹ ہو جائیں گے اور سخت مشکل وقت ہوگا۔

تند و تیز ہوائیں

پہلے فرمایا تھا وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قسم ہے چھوڑی ہوئی ہواؤں کی جو آہستہ آہستہ چلتی ہیں اس کے بعد فرمایا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا قسم ہے اُن ہواؤں کی جو تیز چلتی ہیں، یعنی جب آندھی آتی ہے اور سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا قسم ہے اُن ہواؤں کی جو ابھارنے والی ہیں اٹھا کر۔ جو گرد و غبار کو اٹھاتی ہیں یا تیز چل کر بادلوں کو اڑا دیتی ہیں فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا قسم ہے پھاڑنے والی ہواؤں کی۔ جو بادلوں کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔ اور انہیں جدھر لیجانا مقصود ہوتا ہے، اس کے مطابق بادلوں میں تحریک و تخریب پیدا کر دیتی ہیں فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نصیحت کی بات ڈالتی ہیں۔ ہوا کے تغیر و تبدل پر اگر انسان غور کرے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرے تو یہی ہوائیں اُس کے لیے نصیحت کا باعث بن سکتی ہیں۔ گویا یہ نصیحت لانے والی ہوائیں ہیں۔

آیات کا مفہوم ایک دوسرے انداز سے

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، بعض مفسرین فرماتے ہیں[1]۔ کہ ان الفاظ سے مراد ہوائیں نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ چنانچہ اس انداز سے وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا کا مطلب یہ ہوگا، قسم ہے اُن فرشتوں کی جن کو بھیجا گیا ہے عُرْفًا نیکی لانے کے لیے۔ فرشتے نیکی کا پیغام الٰہی لاتے ہیں اور مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ فرشتوں کی قسم اٹھا کر قیامت کا مسئلہ سمجھایا گیا۔ کہ اس کے لیے وقت مقرر ہوگا۔ رسول حاضر ہوں گے، اُن کی امتیں حاضر آئینگی حساب کتاب ہوگا، لہٰذا تکذیب سے بچ جاؤ، ورنہ اُس دن تباہی و بربادی

---

[1] روح المعانی ص۱۶۹ ج۲۹، تفسیر کبیر ص۲۶۵ ج۳۰ وغیرہ۔

کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی طرح فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ کا مطلب ہوگا۔ قسم ہے اُن فرشتوں کی جو ہلاک کرنے، موت طاری کرنے یا انقلاب لانے کے لیے تیزی سے چلتے ہیں۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا کا معنی یہ ہوگا قسم ہے اُن فرشتوں کی جو اللہ کے حکم سے بانٹتے ہیں اور جدا جدا کرتے ہیں۔ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا۔ اور قسم ہے اُن فرشتوں کی جو نصیحت کی بات ڈالتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لاکر اور انقلاب برپا کرکے انسان کے لیے نصیحت کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

عذر کا ارتفاع

فرمایا یہ نصیحت عُذْرًا یعنی عذر دور کرنے کے لیے ہے۔ تاکہ کوئی کافر، مشرک یا گنہگار کل کو عذر پیش نہ کرسکے کہ اُسے کوئی سمجھانے والا نہیں آیا یا اُس کے سامنے کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوئی۔ نیز یہ نصیحت اس لیے بھی ہے۔ کہ نُذْرًا تاکہ مجرمین کو ڈرایا جاسکے۔ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ کہ ہمارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ حالانکہ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ تمہارے پاس خوشخبری دینے والا بھی آگیا ہے۔ اور ڈرسنانے والا بھی آگیا ہے۔ یہ تند و تیز اور تلخ ہوائیں بمنزلہ نذیر کے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی اور اور اُن کے قائم مقام بھی نذیر ہیں بہت سے حوادثات بھی نذارت کا کام دیتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص یہ عذر نہ کرسکے کہ اس کے پاس ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے عذر کو رفع کر دیا ہے۔

وقوعِ قیامت

ان چیزوں کی قسم اٹھانے کے بعد فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ واقع ہونے والا ہے۔ یعنی قیامت برپا ہونے والی ہے اور جو کام تم دنیا میں کرتے ہو یا جو اعتقاد رکھتے ہو اُس کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے۔ اگر تم نے دنیا میں نیکی کا راستہ اختیار کیا ہے تو اُس کا بھی بدلہ ملنے والا ہے۔ اور اگر کفر کا راستہ اختیار کیا ہے۔ تو اس کے انجام کو پہنچنے والے ہو۔ یہ سب کچھ قیامت کو پیش آئے گا۔

قیامت کب آئے گی۔ یہ دن کیسا ہوگا۔ فرمایا اِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ جب ستارے مٹا دیے جائیں گے۔ دوسری جگہ یوں فرمایا، جب ستارے میلے ہو جائیں گے، گدلے ہو جائیں گے یا درہم برہم ہو جائیں گے۔ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔ دراڑیں بن جائیں گی اور عالم بالا کی چیزیں نظر آنے لگیں گی۔ انسان کی نگاہ بھی تیز ہو جائے گی۔ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جب پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا۔ پہاڑ اپنی جگہ مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ مگر جب قیامت آئیگی

Marfat.com

تو یہ ذرہ ذرہ ہو جائیں گے۔ اِن کو گرد و غبار بنا کر اڑا دیا جائے گا۔ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور قیامت کا دن وہ ہو گا۔ جب رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ اُس مقررہ وقت پر اللہ کے نبیوں کو حاضر کیا جائے گا۔ اُن کی امتوں سے باز پرس ہو گی۔

یوم الفصل

فرمایا لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ کس دن کی مہلت دی گئی ہے۔ یعنی وہ کون سا دن ہے جب تک کے لیے مجرمین کو مہلت دی گئی ہے۔ کہ اُس دن اُن سے لازمی باز پرس ہو گی۔ پھر خود ہی فرمایا لِیَوْمِ الْفَصْلِ فیصلے کے دن کے لیے انہیں مہلت دی گئی ہے۔ حقیقی فیصلہ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ فصل کا لغوی معنیٰ جدا جدا کرنا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں۔ کہ حقیقت میں سب چیزوں کو جُدا جدا کرنے کا وقت قیامت ہی ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہ ہو گا۔ اس دنیا میں کسی بڑے سے بڑے جج کے فیصلے کو بھی سو فیصدی درست نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں کئی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ مگر جب قیامت آئے گی تو ہر چیز جدا جدا کر دی جائے گی۔ کوئی بات غلط نہیں ہو گی۔ نیکی اور بدی الگ الگ کر دی جائے گی۔ نیکوکار اپنے مرتبے کو پہنچیں گے۔ اور بدکار اپنے انجام کو پائیں گے۔ لہذا حقیقت میں جدائی اور تفصیل کا دن قیامت کا دن ہی ہو گا۔

فرمایا وَمَا اَدْرٰىكَ اور آپ کو کس نے بتلایا مَا یَوْمُ الْفَصْلِ کہ فیصلے کا دن کیا ہے۔ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ اس دن تباہی و بربادی ہے۔ اُن لوگوں کے لیے جو اللہ تعالےٰ کی توحید، اُس کے انبیاء اس کی کتابوں اور قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ نہ پوچھو کہ اس دن ان کا کیا حشر ہو گا۔

Marfat.com

درس دوم (آیت ۱۶ تا ۴۰)

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ
قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا
﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ
ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ
كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ
لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۱ ۲۱

ترجمہ:- کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا ﴿۱۶﴾ پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لگاتے ہیں ﴿۱۷﴾ ہم مجرمین کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ﴿۱۸﴾ اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے ﴿۱۹﴾ کیا ہم نے تم کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا نہیں کیا ﴿۲۰﴾ پھر ہم اس قطرۂ آب کو جمے ہوئے ٹھکانے میں پہنچا دیتے ہیں ﴿۲۱﴾ ایک مقررہ وعدہ تک ٹھہراتے ہیں ﴿۲۲﴾ پھر ہم نے اندازہ کیا۔ اور ہم خوب اندازہ کرنے والے ہیں ﴿۲۳﴾ اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانیوالوں کے لیے ﴿۲۴﴾ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا ﴿۲۵﴾ زندوں کو اور مُردوں کو ﴿۲۶﴾ اور ہم نے زمین پر بڑے بوجھل پہاڑ رکھے ہیں۔ ہم نے تمہیں پیاس بجھانیوالا پانی پلایا ﴿۲۷﴾ اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے ﴿۲۸﴾ چلو اس چیز کے انجام کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے ﴿۲۹﴾ چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ﴿۳۰﴾ نہ گہری گھنی چھاؤں والا ہوگا اور نہ تپش سے بچائے گا ﴿۳۱﴾ وہ محل جتنی (بڑی بڑی) چنگاریاں پھینکے گا ﴿۳۲﴾ جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوتے ہیں ﴿۳۳﴾

Marfat.com

اس دِن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے (۳۴) یہ وہ دن ہے جس دن لوگ بولیں گے نہیں (۳۵) انہیں یہ اجازت بھی نہیں ہوگی کہ کوئی عذر پیش کرسکیں (۳۶) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے (۳۷) یہی فیصلے کا دِن ہے۔ ہم اکٹھا کریں گے تمہیں بھی اور تم سے پہلوں کو بھی (۳۸) پھر اگر تمہارے پاس کوئی داؤ پیچ ہے تو اُسے مجھ پر آزما کر دیکھ لو (۳۹) اس دِن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے (۴۰)

تکذیب کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قیامت کا ذکر اس لحاظ سے کیا ہے کہ اللہ کے تمام نبی اور رسول اُس دِن وقت مقررہ پر حاضر ہوں گے۔ اُن سب کی امتیں بھی حاضر ہوں گی۔ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی اور ہلاکت ہے۔ نیز دنیا میں جو انعامات انسانوں کو عطا کئے گئے ہیں، اُن کا تذکرہ ہے۔ اور اُن انعامات کے پیش نظر قیامت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت میں پیش آنے والی مختلف کیفیتوں کو بیان فرمایا ہے۔ اور اس کی نشانیوں کو جھٹلانے والوں کے لیے وعید سنائی ہے۔

بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تکذیب کی۔ اُس کے ساتھ شرک کیا۔ اور جب اُن کے پاس رسول آئے تو انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو۔ ہم تمہیں نبی نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے۔ تو ان لوگوں نے اُن کو بھی جھٹلایا۔ ان کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبان سے بعث بعد الموت کی خبر دی کہ ہم تمہیں دوبارہ زندہ کریں گے كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ اور یہ بھی کہا وَعْدًا عَلَيْنَآ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ کہ یہ ہمارا پکا وعدہ ہے۔ اور یہ پورا ہو کر رہے گا۔ مگر مشرکین اور کفار نے روز قیامت کو بھی جھٹلا دیا۔ انہوں نے کہا کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یہ تو پچھلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ کبھی کسی کو مر کر واپس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ اسی کے ساتھ شریعت کے جو قوانین ہیں اُن کو بھی شامل کرلیں کہ ایسے لوگوں نے اِن قوانین کو تسلیم نہ کیا۔ یہ سب تکذیب کی مختلف صورتیں ہیں۔

ہلاکت کی مختلف صورتیں

ایک مرتبہ ہلاک کرنے کے بعد قیامت کو دوبارہ زندہ کرنے کی دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ پھر ہم اُن کے پچھلے پچھلوں کو لاتے ہیں۔ اگلوں کو ہلاک کرنے کا مطلب محض عذاب کے طور پر ہلاک کرنا ہی نہیں بلکہ طبعی موت بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً جو لوگ

Marfat.com

آج سے پچاس یا سو برس پہلے موجود تھے، وہ اب نہیں ہیں۔ وہ ہلاک ہو گئے اور اُن کی جگہ موجودہ لوگوں نے لے لی۔ اسی طرح کچھ عرصہ بعد یہ لوگ بھی نہیں رہیں گے اور دوسرے لوگ ہوں گے۔ تو ہلاکت کا یہ سلسلہ مسلسل ہے۔ جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور جس سے کوئی بھی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ ہلاکت کا آخری سرا مجرمین پر ختم ہوگا جن پر قیامت قائم ہوگی۔ یہ اُس وقت ہوگا، جب ہر طرف کفر و شرک غالب ہوگا۔ اور اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

اگلوں کو ہلاک کرنے کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہم نے نافرمانوں کو مختلف طریقوں سے عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔ کسی پر طوفان بھیجا کسی کو پانی میں ڈبویا۔ کسی پر آگ برسائی اور کسی پر تند و تیز آندھی بھیج دی۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ عرب اور دوسرے مجرم کس بات پر غرور کر رہے ہیں۔ قوم تبع جو بڑے ساز و سامان والے، مہذب اور شائستہ لوگ تھے، سلطنتوں کے مالک تھے انہیں بھی اللہ نے ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ہم اِن مجرمین کو بھی ہلاک کر دیں گے، چنانچہ قریش مکہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاد میں تباہ کیا۔ بڑے بڑے سرداروں کو میدانِ بدر میں جمع کیا۔ اور پھر اُن کے سارے سرغنے ہلاک کر دیے گئے اور اُن کا زور ٹوٹ گیا۔ فرمایا تباہی اور بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے جس دن رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرمین کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

پیدائش کے مختلف مدارج

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے مختلف مدارج بیان کر کے اُن پر وقوع قیامت کی دلیل قائم کی۔ فرمایا۔ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا ہم نے تمہیں حقیر قطرۂ آب سے پیدا نہیں کیا۔ مھین حقیر، محنت "خدمت اور مشقت کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ انسان معمولی لباس میں محنت مزدوری کرتا ہے لہٰذا ماء مہین یعنی حقارت والا مادہ اس لیے کہا جاتا ہے۔ کہ ایک تو وہ بذاتہٖ ناپاک چیز ہے اور دوسرے یہ کہ پیشاب کے راستے خارج ہوتا ہے اور پیشاب بلاشبہ ناپاک شے ہے۔ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ پھر ہم اس قطرۂ آب کو جمے ہوئے ٹھکانے یعنی رحم میں پہنچا دیتے ہیں۔ قرار کے معنی سکون والی جگہ کے ہیں۔ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اور ایک مقررہ وعدہ تک یعنی ایک خاص مدت تک ٹھہراتے ہیں۔ فَقَدَرْنَا پھر ہم اندازہ کرتے ہیں۔ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ اور ہم خوب اندازہ کرنے والے ہیں۔ کہ کس کو کیسا بنانا ہے یعنی کس وقت اور کس شکل و صورت میں تیار کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے ٹھہرائے ہوئے اندازے کے مطابق طے ہوتی ہیں۔ سورۃ مومن میں اس کی تفصیلات موجود ہیں چالیس دن

Marfat.com

تک یہ قطرۂ آب اسی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ بستہ خون میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ عمل دوسرے چلے میں مکمل ہوتا ہے۔ تیسرے چلّے میں یہ بستہ خون گوشت میں تبدیل ہوتا ہے۔ اور پھر چوتھے چلّے میں اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور روح انسانی کا تعلق جوڑ دیا جاتا ہے۔ فرشتے رجسٹر لے کر حاضر ہوتے ہیں[1]۔ اور عرض کرتے ہیں۔ کہ اے پروردگار! اس شخص کے متعلق ہم کیا لکھیں۔ یہ شقی ہے۔ یا سعید، نیک بخت ہوگا یا بدبخت۔ اس کی عمر اور روزی کتنی ہوگی اور اس کا خاتمہ کس طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ بتاتے ہیں اور فرشتے رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں۔

الغرض مقصد یہ ہے۔ کہ انسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کر کے اُسے عظیم الشان ہستی بنایا۔ سماعت و بصارت سے نوازا۔ عقل و شعور عطا کیا تو اس کے لیے قیامت کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ وہ قیامت کی تکذیب کس بنا پر کرتا ہے۔ فرمایا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔ اس طرح گویا انسان کی تخلیق اور پہلی قوموں کے حالات کے پیش نظر قیامت کی حقیقت سمجھائی گئی۔ مجرمین کا حال بیان کر کے اُس پر قیامت کی دلیل قائم کی۔ انسان کی توجہ اپنی پیدائش کی طرف دلائی گئی فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ یعنی انسان ان تمام حوادثات پر غور کرے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان لائے۔ تو اُسے تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو مالک الملک یہ تمام امور سرانجام دے سکتا ہے۔ وہ قیامت بھی برپا کر دے گا۔

زمین کے فوائد

اس کائنات میں انسان کے لیے پیدا کردہ انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اے انسان! ذرا غور تو کر، کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ کفاتا کا معنی سمیٹنا، جمع کرنا یا اپنے اندر ملا لینا ہے۔ کس کو سمیٹنے والی! فرمایا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا یہ زمین زندوں کو بھی سمیٹتی ہے اور مُردوں کو بھی۔ مگر انسان کا کردار یہ ہے کہ زمین جیسی کارآمد شے کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس پر گندگی پھینکتا ہے۔ اُس کو اکھیڑتا ہے، کھودتا ہے۔ مگر زمین انسان کے لیے زندگی کا ٹھکانا مہیا کرتی ہے۔ اسی پر چلتا ہے۔ اسی پر مکان بناتا ہے۔ سڑکیں اور نہریں چلاتا ہے کاشتکاری کرتا ہے، کارخانے لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ساخت اس طرح بنائی ہے۔ کہ انسانی زندگی

---

[1] بخاری ص ۹۷۶/۲ مسلم ص ۳۳۳/۲

کا ہر مفاد زمین سے وابستہ ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسان کی کوئی بھی ضرورت پوری نہ ہو۔ پھر یہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی انسان کی آرام گاہ زمین ہی ہے۔ سورۃ عبس میں واضح طور پر ارشاد ہے ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ہم نے انسان کو موت دی اور اُسے قبر میں داخل کر دیا۔ گویا یہ زمین انسان کی زندگی میں بھی اُس کی خدمت گار ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی اُسے جگہ فراہم کرتی ہے۔

مُردے کو دفن کرنا فطرت کے عین مطابق ہے

معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد انسان کو دفن کرنا طبعی امر ہے۔ غیر مذاہب کے لوگ اپنے مُردوں کے ساتھ مختلف سلوک کرتے ہیں۔ جو کسی طور پر بھی فطرت کے مطابق افعال نہیں ہیں۔ مثلاً مُردوں کے ساتھ نہایت تذلیل کا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہندو یا بدھ مت والے مُردوں کو جلا ڈالتے ہیں۔ جس پر دلیل یہ قائم کرتے ہیں۔ کہ اس طریقہ سے فضا خراب نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ فعل مردے کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔ بلکہ انسانیت کی تذلیل ہے۔ برخلاف اس کے اگر مردے کو دفن کر دیا جائے تو نہ بدبو پیدا ہوتی ہے اور نہ فضا خراب ہوتی ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سامنے سرسوتی نے اعتراض کیا[1] کہ مسلمان مردے کو زمین میں دفن کر کے زمین کو خراب کر دیتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا۔ کہ ذرا یہ تو بتاؤ۔ کہ اگر کوئی شخص کہیں لمبے سفر پر جا رہا ہو تو وہ اپنی اولاد کو دشمن کے سپرد کر کے جائے گا یا دوست کے۔ سرسوتی نے جواب دیا۔ کہ یقیناً وہ دوست کے سپرد کر کے جائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ انسان کی روح جب جسم سے علیحدہ ہوتی ہے۔ تو وہ اپنے جسم کو زمین کے سپرد کر کے جاتی ہے۔ جو کہ بمنزلہ شفیق ماں کے ہے۔ برخلاف اس کے آگ دشمن ہے جو جلا ڈالتی ہے۔ اور زمین سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے انسان کی خوراک اور دوسری ضروریات پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا مردے کو زمین کے سپرد کرنا گویا دوست کے سپرد کرنا اور انسانیت کی عزت و تکریم کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہم نے اسی مٹی سے تم کو پیدا کیا وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور اسی میں واپس لوٹائیں گے۔ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور پھر اسی میں سے دوسری بار تمہیں نکالیں گے۔ چونکہ زمین زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں انسان کی خدمت کرتی ہے۔ لہٰذا مردے کو دفن کرنا فطرت کے عین مطابق ہے۔

---

[1] انتصار الاسلام ص۴۴ طبع کتب خانہ اعزازیہ دیوبند۔

Marfat.com

مردوں کے متعلق مجوسیوں کا طریق کار بھی غیر فطری ہے۔ وہ اونچا مقبرہ بناتے ہیں۔ اور مردے کو اوپر لیجا کر رکھ دیتے ہیں۔ چیلیں اس کا گوشت نوچ لیتی ہیں اور ہڈیاں نیچے گر پڑتی ہیں۔ جس سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔ اور سارا ماحول مکدر ہوتا ہے۔ انسان کی کس قدر تذلیل ہے کہ اُس کے مردہ جسم کو پرندوں کے حوالے کر دیا جائے۔ کہ وہ اُس کا گوشت نوچ کر کھا جائیں۔ باعزت طریقہ یہی ہے۔ کہ اُسے زمین کے اندر رکھ دیا جائے۔ کِفت کا یہی معنیٰ ہے۔

جنات کے شر سے حفاظت

حدیث شریف میں[1] آتا ہے اَکْفِتُوْا یعنی برتن کے اوپر کوئی چیز رکھ دیا کرو۔ اور کچھ نہ ہو، تو اللہ کا نام لے کر ایک تنکا یا لکڑی ہی رکھ دو، تاکہ شیاطین اس میں چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ یا کم از کم برتن، ہانڈی وغیرہ کو الٹ دو۔ تاکہ ان میں غلط چیز پس داخل نہ ہو سکیں۔ ایک اور روایت[2] میں آتا اَکْفِتُوْا صِبْیَانَکُمْ مغرب کے وقت اپنے بچوں کو گھروں میں روک کر رکھو۔ باہر نہ جانے دو، کہ اُس وقت شیاطین اور جنات پھیل جاتے ہیں۔ ایک افراتفری کا عالم ہوتا ہے، اور اس کے بُرے اثرات بچوں پر پڑتے ہیں جانور بھی ان برے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا خوب اندھیرا ہونے تک بچوں کو روک لو اس کے بعد بے شک جانے دو۔ گویا کفت کا معنیٰ روکنا سمیٹنا، حفاظت کرنا ہے۔

پہاڑوں کے فوائد

زمین کے بعض خواص بیان کرنے کے بعد فرمایا وَجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ ہم نے زمین پر بڑے بوجھل پہاڑ رکھے ہیں۔ بڑے بڑے اونچے پہاڑوں میں انسان کے لیے بے شمار فوائد جمع کیے ہیں۔ یہ ہمالہ اور قراقرم جیسے بلند و بالا پہاڑ انسانی زندگی کے لیے لاتعداد فوائد اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے درخت ہیں۔ پتھر ہیں معدنیات ہیں۔ ان پہاڑوں کی وجہ سے میدانی زندگی پر خوشگوار اثرات پڑتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں۔ تو میدانی زندگی بھی تلخ ہو جائے۔ الغرض انسانی زندگی کے بے شمار مفاد پہاڑوں سے وابستہ ہیں۔

میٹھا پانی نعمت ہے

اونچے اونچے پہاڑوں سے پانی کے چشمے نکلتے ہیں۔ پھر وہ دریا اور نہروں کی صورت میں میدانی علاقے کو سیراب کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ضروریات زندگی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ درختوں اور فصلوں کے علاوہ انسانی زندگی کے استعمال کے لیے میٹھا پانی میسر آتا ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا

---

[1] مسلم ص۱۷۱ ج۲، ترمذی ص۲۷۳، [2] بخاری ص۴۶۷ ج۱

Marfat.com

وَاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ہم نے تمہیں پیاس بجھانے والا پانی پلایا۔ فرات کا معنیٰ میٹھا، خوشگوار اور پیاس بجھانے والا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے[1]۔ کہ حضور علیہ السلام جب میٹھا پانی نوش فرماتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقٰنَا مَآءً عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ جس نے ہمیں میٹھا پانی پلایا اور اسے ہمارے گناہوں کی بدولت کڑوا نہیں بنایا۔

مدینہ طیبہ میں[2] عام طور پر کھاری پانی میسر تھا۔ میٹھا پانی دور والے کنوؤں سے لانا پڑتا تھا۔ بئر رومہ کا پانی میٹھا تھا۔ مگر وہ یہودیوں کی ملکیت تھا اور وہ مسلمانوں کو وہاں سے بھرنے نہیں دیتے تھے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے پینتیس ۳۵ ہزار درہم میں وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اسی لیے حکم ہے[3] کہ پانی کا بے جا استعمال نہ کیا جائے۔ وضو اور غسل میں بے تحاشا پانی نہ بہایا جائے۔ بلکہ میٹھے پانی کی قدر کرنی چاہیئے۔ جن علاقوں میں پانی کی کمی ہے۔ یا کھاری پانی ملتا ہے۔ ان لوگوں کو میٹھے پانی کی قدر و قیمت اچھی طرح معلوم ہے۔

تین شاخوں والا سایہ

فرمایا وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ یعنی جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے۔ اس کے انجام کی طرف چلو۔ پھر حکم ہوگا اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو۔ لَّا ظَلِیْلٍ نہ گہری چھاؤں والا ہوگا وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ اور تپش سے بچائے گا۔ گویا ایک قسم کا دھواں ہوگا جس کی تین شاخیں ہوں گی اور وہ میدان حشر میں پھیل جائے گا۔ خاص خاص لوگ اس کی گرفت میں آئیں گے۔

تین شاخوں کے متعلق امام بیضاویؒ فرماتے ہیں[4]۔ کہ انسان کے اعمال تین قوتوں پر مشتمل ہوتے ہیں یعنی قوت وہمیہ، قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ۔ انسان کے تمام افعال انہیں تین قوتوں میں سے کسی نہ کسی سے نکلتے ہیں۔ دھوئیں کی تین شاخوں سے مراد یہی تین قوتیں ہیں۔ ہر قوت سے نکلے ہوئے

---

[1] ابن کثیر ص۲۹۶ ج۴ بحوالہ ابن ابی حاتم [2] ترمذی ص۵۳۱ [3] نسائی ص۲۳ ابن ماجہ ص۳۴
[4] تفسیر بیضاوی ص۴۰۶ ج۲ مطبع منشی نولکشور۔

Marfat.com

فعل کا بدلہ اُس کے مطابق دیا جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے[1]۔ کہ میدانِ حشر کے دوران دوزخ سے ایک گردن نکلے گی، جو دو سو سال کی مسافت سے ہر اُس شخص کو پکڑے گی جو دنیا میں اللہ کے ساتھ شرک کرتا تھا، غرور اور تکبر میں مبتلا تھا یا جو ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوتا تھا۔

فرمایا یہ تین شاخوں والا دھواں جس کا نہ سایہ ہوگا اور نہ وہ تپش سے بچائے گا اِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ وہ محل جتنی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آگ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ عربوں کے ذوق کے مطابق اس کی تشبیہ ایسی ہوگی كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوتے ہیں۔ ایسی بڑی بڑی چنگاریاں اس دھوئیں سے نکلیں گی۔ ایسا خوفناک منظر ہوگا۔ فرمایا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ہلاکت اور تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

فرمایا هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ یہ وہ دن ہے۔ جس دن لوگ بولیں گے نہیں۔ میدان حشر میں کئی قسم کے معاملات پیش آئیں گے۔ کبھی ایسی دہشت طاری ہوگی، کہ کسی شخص کو بولنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ نبی بھی کوئی بات کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ایسا زبردست معرکہ ہوگا۔ اور ایسے موقع پر وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ انہیں یہ اجازت بھی نہیں ہوگی کہ کوئی عذر یا معذرت ہی پیش کر سکیں۔ تاکہ اپنے آپ کو اللہ کے غضب سے بچا سکیں۔ فرمایا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔

یوم الفصل

ارشاد ہوتا ہے۔ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ یہی فیصلے کا دن ہے۔ جب رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ اور سارے امتیوں کو بھی جمع کیا جائے گا جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ یعنی تمہیں بھی اور تم سے پہلوں کو بھی اکٹھا کیا جائے گا۔ نوع انسانی، جنات اور یاجوج ماجوج کے تمام افراد جمع ہونگے کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوگی بڑی تنگی ہوگی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے دنیا کی تنگی اور قیامت کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں اور قیامت کی تنگی کا یہ حال ہوگا کہ ایک آدمی کو صرف اس قدر جگہ میسر ہوگی جس پر اُس کے قدم ٹک سکیں، اتنی بھیڑ ہوگی، کیونکہ تمام اگلے پچھلے لوگ اس دن اکٹھے ہوں گے۔ بڑی تکلیف ہوگی۔ بھوک اور پیاس ہوگی۔ پسینے چھوٹیں گے۔ جیسے جیسے کسی کے

---

[1] تفسیر عزیزی ص۱۰۰ تا ۱۰۱ پ ۲۹ درمنثور ص۳۰۵ ج ۶

Marfat.com

اعمال ہوں گے، ان کے مطابق ان کی حالت ہوگی۔ ان حالات میں فرمایا فَاِنْ کَانَ لَکُمْ کَیْدٌ فَکِیْدُوْنِ۔ اگر تمہارے پاس کوئی داؤ پیچ ہے تو اُسے آزما کر دیکھ لو۔ دنیا میں تو بڑے بڑے حیلے بہانے کرتے تھے۔ دیکھیں آج تمہارا کون سا داؤ کام آتا ہے۔ فرمایا وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ یاد رکھو! اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ آج بھی سمجھ جاؤ۔ قیامت کی تکذیب سے باز آجاؤ۔ ورنہ تمہارا انجام نہایت برا ہوگا۔

Marfat.com

درس سوم (آیت ۴۱ تا ۵۰)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲ ۱۰ ۲۲

ترجمہ: بے شک متقین سایوں اور چشموں میں ہوں گے (۴۱) اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے وہ چاہیں گے (۴۲) کھاؤ اور پیو خوشگوار اس کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے (۴۳) ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں (۴۴) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے (۴۵) کھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ تھوڑے دنوں تک بے شک تم مجرم ہو (۴۶) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے (۴۷) اور جب انہیں کہا جاتا ہے رکوع کرو تو یہ لوگ رکوع نہیں کرتے (۴۸) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے (۴۹) پھر (یہ مکذبین) اس کے بعد کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے (۵۰)

متقین کے لیے انعامات

اس سورۃ میں قیامت کا ذکر اس اعتبار سے ہے۔ کہ اللہ کے نبیوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ تمام انبیاء اور ان کی امتیں حاضر ہوں گی، حساب کتاب ہوگا۔ اور اسدن فیصلہ کیا جائے گا، اسی لیے اسے یوم الفصل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس دن تکذیب کرنے والوں کا برا حال ہوگا۔ ان کی تباہی اور بربادی کی بار بار وعید سنائی گئی ہے

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے انعامات کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ترہیب کے ساتھ ساتھ ترغیب کا پہلو بھی ہے۔ فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ بے شک متقین یعنی بچنے والے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق[1] اَلْمُتَّقِيْنَ مِنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ وَالْمَعَاصِيْ یعنی

---

[1] تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس ص ۳۷۸، ۳۷۹

متقین سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو شرک، کفر، نفاق اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ ایسے لوگ اُس دن فِیْ ظِلَالٍ سایوں میں ہوں گے وَعُیُوْنٍ نیز نہروں اور چشموں میں ہوں گے۔ وَفَوَاکِہَ مِمَّا یَشْتَھُوْنَ اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے وہ چاہیں گے۔ جو لوگ دنیا میں تقویٰ اختیار کرتے تھے، اُن کے لیے آرام و راحت کے یہ سامان ہوں گے۔

سائے کا مفہوم

جیسا کہ حدیث شریف[1] میں آتا ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ ہوگا۔ دوسری روایت میں آتا ہے۔ کہ پل صراط سے گزرتے وقت نیک لوگوں پر اُن کی نیکیوں کا سایہ ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[2] ہے اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ صَدَقَتُہٗ یعنی دنیا میں کیا ہوا صدقہ غرباء و مساکین پر خرچ کیا ہوا مال قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے سایہ بن جائے گا۔ یہ سایہ انہیں پل صراط سے گزرتے ہوئے بھی حاصل ہوگا۔ اور قیامت کی سختی اور تلخی میں بھی مومن کے حق میں فائدہ مند ہوگا۔ جب مومن لوگ بہشت میں پہنچیں گے۔ تو وہاں بھی سائے ہوں گے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے درختوں کے گھنے سائے ہوں گے۔ اگرچہ وہاں تپش نہیں ہوگی۔ مگر انسان کی تنوع پسند طبیعت بعض اوقات روشنی سے سائے میں جانا پسند کرے گی، اس لیے بہشت میں سائے بھی ہوں گے۔ یہ سائے درختوں کے ہوں گے یا محلات کے ہوں گے۔ اس لیے جمع کا لفظ ظلال ذکر کیا ہے۔

عیون سے مراد اُبلتے ہوئے چشمے اور نہریں ہیں۔ فواکہ سے مراد ہر قسم کے پھل ہیں۔ جو بھی جنتی خواہش کرے گا۔ انسان مختلف انواع کی چیزیں پسند کرتا ہے۔ کبھی میٹھے پھل کی خواہش کرے گا، کبھی کھٹے کی اور کبھی کھٹ میٹھے کی۔ یہ تمام چیزیں حسب خواہش وہاں میسّر ہوں گی۔

نیز کہا جائے گا، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو، ھَنِیْٓئًا خوشگوار یعنی اشیائے خورد و نوش نہایت خوشگوار قسم کی ہوں گی، ان میں بدہضمی، گرانی، ثقل، ہیضہ یا تخمہ قسم کی کوئی علامت نہیں ہوگی۔ بہشت میں کھانے کی وجہ سے پیٹ میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہوگی۔ جو چیز جتنی بھی کھائیگا وہ لطیف بخار کی شکل میں فوراً ہضم ہو جائیگی، نہ فضلہ ہوگا نہ پیٹ میں کوئی تکلیف ہوگی۔ فرمایا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ یعنی ہم نیکی کرنیوالوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اعلان ہوگا کہ یہ تمام انعامات تمہارے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] ترمذی ص ۲۰۸ [2] مسند احمد ص ۲۳۳ ج ۴

Marfat.com

مکذبین کی مذمت

اس مقام پر زیادہ تر مکذبین کی مذمت مقصود ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ رسولوں کے لیے وقت مقرر فرمائیں گے اور لوگوں کو جمع کیا جائے گا، تو اس دن مکذبین کا برا حال ہوگا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ تباہی اور ہلاکت ہے اُس دن مکذبین کے لیے۔ وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ فرمایا كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا کھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ قَلِيْلًا تھوڑے دنوں تک اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ بے شک تم مجرم ہو اس چند روزہ زندگی میں بیشک کھا پی لو اور مزے اڑا لو مگر آئندہ کے لیے تمہیں حبس دوام یا سزائے موت ہے۔ جس طرح دنیا میں آخری سزا سنائے جانے کے بعد حکم ہوتا ہے۔ کہ حسب خواہش کھا پی لو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ اس دنیا میں عیش و آرام کر لو، آخرت میں تمہیں سخت سزا ملنے والی ہے۔ سورۃ حجر میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا آپ چھوڑ دیں اُن کو کہ کھالیں اور نفع اٹھالیں یہ آگے دائمی سزا میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ فرمایا قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ان کافروں سے کہہ دیجیے کہ "فائدہ اٹھالو اپنے کفر کے ساتھ۔ کیونکہ آخر کار تو دوزخ میں جانے والا ہے" اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ تم مجرم ہو تم نے تقویٰ کا راستہ نہیں پکڑا۔ تم نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا۔ معاصی اور جرائم میں ملوث ہوئے۔ تم مجرم ہو۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔

یہ لوگ بے نماز تھے

اور اب حال یہ ہے۔ کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ جب انہیں کہا جاتا ہے۔ اِرْكَعُوْا رکوع کرو یعنی خدا تعالیٰ کے سامنے جھک جاؤ۔ لَا يَرْكَعُوْنَ تو یہ لوگ نہیں جھکتے۔ اس مقام پر رکوع کا ذکر ہے۔ سورۃ نٓ میں سجدہ کا بیان ہے۔ رکوع کا ذکر دنیا کے لیے ہے اور سجدے کا بیان آخرت کے موقع پر ہے۔ حقیقت میں رکوع و سجود سے مراد نماز کی ادائیگی ہے۔ یعنی نماز پڑھو۔ اور اس کے لیے پہلے نماز کی شرائط پوری کرو۔ نماز کی اولین شرط ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد طہارت ہے، اور اس کے بعد نماز کی ادائیگی ہوتی ہے۔ جس کے اہم ارکان رکوع و سجود ہیں۔ اسی لیے فرمایا وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ یعنی جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔

سجدہ انتہائی تعظیمی فعل ہے اور رکوع اس سے کم تر۔ مگر اس میں بھی عاجزی پائی جاتی ہے سورۃ مدثر کی ابتدا میں یہ بات ذکر ہو چکی ہے کہ انسان کے حق میں سب سے اہم ترین بات اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا ہے۔ اس کے مقابلہ میں سب سے بڑا جرم تکبر ہے۔ ابلیس نے تکبر کیا۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ

Marfat.com

یعنی اس نے اللہ کے حکم کا انکار کیا اور تکبر کیا۔ اللہ کے سامنے عاجزی کی صورت یہ ہے۔ کہ اس کی بڑائی بیان کی جائے۔ اسی لیے حکم ہوا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اُس کے سامنے خشوع کرو رکوع و سجدہ سے یہی مراد ہے۔

رکوع اور سجدے کی حقیقت

شاہ عبدالعزیز رح تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں[1]۔ کہ رکوع کا مطلب اللہ تعالیٰ کی امانت کے بوجھ کو اٹھانے کے لیے پشت کو جھکا دینا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو مستقیم القامت بنایا ہے۔ یہ سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ جانوروں کی طرح ہر وقت رکوع کی حالت میں نہیں ہوتا۔ مگر اس پر انسان کو مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ رکوع کر کے اپنے آپ کو گھوڑے یا گائے کی مانند اپنی پشت کو اس طرح جھکا دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو بھی بوجھ اس پشت پہ ڈالنا پسند کریں، اس کے لیے تیار ہوں۔ رکوع کی یہی حقیقت ہے۔ کہ اس میں عاجزی پائی جاتی ہے۔ انسان کے ذمہ فرائض میں سے ایک اہم فریضہ خدا کے حضور عاجزی کرنا ہے۔ اسی طرح سجدہ انتہائی تعظیمی فعل ہے۔ اسی لیے اللہ کے سوا غیر کے سامنے سجدہ حرام ہے۔ سجدۂ عبادت قطعی طور پر ازل سے لے کر حرام چلا آرہا ہے۔ اور تعظیمی سجدہ ہماری امت پر حرام ہے۔ یہ پہلی امتوں میں روا تھا۔

کیا وجہ ہے۔ کہ نماز میں رکوع ایک ہوتا ہے اور سجدے دو ہوتے ہیں ایک وجہ تو ظاہر ہے۔ کہ انتہائی تعظیمی فعل یعنی سجدے کو مکرر لایا گیا ہے۔ ایک دفعہ سجدہ کیا۔ اٹھ کر دوبارہ سجدہ کیا۔ اس کی حکمت مفسرین کرام یوں بیان کرتے ہیں[2]۔ کہ پہلا سجدہ اپنی جان کو پیش کرنے کے لیے ہے۔ پہلے سجدہ کے موقع پر انسان یہ تصور کرتا ہے۔ کہ اے پروردگار! میں گنہگار ہوں۔ میری جان حاضر ہے۔ اگر تو چاہے تو میری گردن کاٹنے کا حکم دے دے۔ اس پہلے سجدے میں جان کی وفاداری کا ثبوت پیش کیا گیا۔ پھر دوبارہ سجدہ کیا تو اپنے مال اور لواحقین کی قربانی بھی پیش خدمت کر دی۔ یعنی اے مولا کریم! میری جان بھی تیرے حکم پہ فدا ہے۔ اور میرا مال اور اعزہ و اقارب بھی تیری راہ میں حاضر ہیں۔

سورۃ مدثر میں گزر چکا ہے۔ کہ جنتی لوگ مجرمین سے پوچھیں گے مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ تو وہ جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ہم نماز نہیں

---

[1] تفسیر عزیزی ص ۳۰۰ پارہ ۲۹ [2] عنوان انقلاب یعنی تفسیر سورۃ فتح از امالی حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ص ۱۳۱

Marfat.com

[illegible]

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس میں اللہ کا کلام ہے۔ اس کو قرآن کریم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے حبیب پر نازل کیا۔ یعنی اپنے حبیب پر اتارا۔ اور اس کو اپنے حبیب کے دل میں اتارا۔ یعنی اپنے حبیب کے دل پر اس کو نازل کیا۔ اور اس کو اپنے حبیب کی زبان پر جاری کیا۔ اور اس کو اپنے حبیب کے دل پر اتارا۔ اس سے جو کوئی پڑھے گا وہ اللہ کی کتاب پڑھے گا۔ اور اس کتاب پر ایمان لائے گا تو درست ہے۔ اور اس سے انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اس کے جو کوئی اور کتاب نہیں ہے۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس میں اللہ کا کلام ہے۔ اس کو قرآن کریم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے حبیب پر نازل کیا۔ اور اس کو اپنے حبیب کے دل میں اتارا۔ اور اس کو اپنے حبیب کی زبان پر جاری کیا۔ اور اس کو اپنے حبیب کے دل پر اتارا۔ اس سے جو کوئی پڑھے گا وہ اللہ کی کتاب پڑھے گا۔ اور اس کتاب پر ایمان لائے گا تو درست ہے۔ اور اس سے انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اس کے جو کوئی اور کتاب نہیں ہے۔

اس کی صفت کی ہدایت میں آئے ہیں۔ جب یہ آیت تلاوت کریں۔ تو یوں کہیں آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ عادت بہتر ہے۔ جو تلاوت نماز کے اندر کریں یا غیر نماز کے۔ ہر حالت میں آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ یا آمَنَّا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ کہنا یہ مستحب ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

---

[1] ابن کثیر ص ۴۶۱ ج ۴ [2] تفسیر عزیزی ص ۲۵۶، ۲۶۲ پارہ ۲۹

خوشخبری

دورِ جدید سائنسی دور ہے، سائنس اور جدید انکشافات اپنے عروج پر ہیں۔ لوگ بھی نئی چیز کے شائق ہوتے ہیں اگر آپ "دروس القرآن" کتابی شکل کے ساتھ ساتھ صاحبِ درس کی اصلی آواز میں سُننا چاہیں تو بغیر کسی منافع کے اصلی لاگت پر کیسٹ بھی مہیا کی جا سکتی ہیں، صاحبِ ذوق حضرات اپنے گھروں میں، دوکانوں پر سُن سکتے ہیں، بالخصوص غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ حضرات کے لیے یہ نعمت غیر مترقبہ ہوگی دوسروں کو بھی سُنا سکتے ہیں، دوست و احباب کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر بھیج سکتے ہیں۔ مُلک اور بیرونِ مُلک بھی اس پروگرام کو وسیع کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی تبلیغ کے سلسلہ کو پھیلایا جا سکتا ہے اس لیے قارئین کرام اور شائقین مضامین قرآن کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر وہ استفادہ کرنا چاہتے ہوں تو اطلاع کرنے پر کیسٹ بھی مہیا کئے جا سکتے ہیں۔

معالم العرفان فی دروس القرآن

حصہ اوّل ــ سورۃ فاتحہ ــــــ قیمت ــــــ/۱۲

حصہ دوم ــ سورۃ الملک تا سورۃ نوح ــ قیمت ــــــ/۱۸

یہ دونوں حصے موجود ہیں خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں۔

انجمن محبان اشاعت قرآن جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم (نزد گھنٹہ گھر) گوجرانوالہ

Marfat.com